الزلال الانقیٰ

من بحر سبقة الاتقیٰ

تصنیف

مجدد اعظم امام احمد رضا خان قادری بریلوی

ترجمہ

تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خان

مفتی الدیار الھندیہ

رسالہ

الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی

۱۳ھ

(سب (اُمتیوں) سے بڑے پرہیزگار کی سبقت کے دریا سے صاف ستھرا میٹھا پانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال تعالٰی وابتغوا الیہ الوسیلۃ[1] احمد رضا نقی علی رضا علی طیب ذکی بان یفضل الشیخین والضجیعین الجلیلین والامیرین المؤمنین فی درجات

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اور اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ پاک برتر نبی (صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہ وصحبہ وسلم) کی رضائے احمد (سب سے زیادہ سراہی ہوئی رضامندی) پسندیدہ برتر پاک ستھرے کے لئے ہے جو شیخین گرامی مرتبت مصطفٰے صلے اللہ تعالٰے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

عليه عليه فباح به وافصح
وبينه واوضح، ولوح به
وصرح ناديا اليه لسانه و
طيبا به جنانه ۔

اذ لم تكن بحمد الله
من الكبر وحب الجاه ذرة
لديه اصفه وصفا اجد به رشفا
من بحر نعت مصطفى كانت
له الجلائل وزانت به
الفضائل وازدانت له المفاوضل
فيه كان بدؤها واليه كان فيئها
فلا تنتمي الا اليه ولا تنتهي الا
اليه انعته بمحامد تكون لي
مصاعد الى ذروة حمد واحد له
الحمد كله دقه وجله وكثره وقله
واوله وآخره وباطنه وظاهره
يرفع من يشاء ويضع اذ ميزان الفضل
بيديه قولي هذا اقول و
في ميدان الحمد
اجول۔ بسم الله الرحمٰن
الرحيم۔ قال تعالیٰ وله الحمد في
الاولیٰ والآخرة [1]، والحمد لله

علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں لیٹنے والے دونوں
امیروں اور وزیروں کی درجاتِ بلند و بالا میں
فضیلت مانتا ہے تو اس کو خوب واضح اور ظاہر
کیا ہے اور اس کو مبین اور روشن کیا ہے اور
اس کی تلویح وتصریح کی اس طرح کہ اس کی زبان
اس عقیدہ کی طرف بلاتی اور اس کا دل اس پر خوش ہے۔

اس لئے کہ بحمد اللہ تکبر و محبت جاہ سے
کوئی ذرہ اس کے پاس نہیں، میں اس کی
ایسی تعریف کروں جس سے اس مصطفےٰ صلے اللہ
تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے بحر نعت کے قطرے
لوں جس کے لئے بزرگیاں ہیں اور فضیلتیں اس سے
مزین ہیں اور عظیم نعمتیں اس کی مطیع، تو اسی سے
ان کا آغاز اور انہی کی طرف ان کی رجوع تو اسی
کی طرف منسوب ہوں اور اسی کی طرف منتہی ہوں
میں اوصافِ حمیدہ سے اس کی تعریف بیان کرتا ہوں
جو حمد یکتا کی بلندی تک پہنچنے کے لئے میرا زینہ
بنیں۔ سب تعریفیں اسی کو سزاوار تھوڑی اور
بہت اول و آخر ظاہر و باطن جس کو چاہے
بلند فرمائے اور جس کو چاہے پست کرے اس
لئے کہ فضل کی ترازو اس کے دستِ قدرت
میں ہے، میں اپنی یہ بات کہہ کر میدانِ حمد
میں جولان کروں۔ بسم اللہ الرحمٰن
الرحیم۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: اللہ ہی کے لئے
حمد ہے دنیا و آخرت میں سب تعریفیں اللہ

[1] القرآن الكريم ٢٨/٧٠

رب العلمين حمدا منيعا على ان
فضل نبينا على العلمين جميعًا،
واقامه يوم القيمة للمذنبين
شفيعا، وحبا كل من
رأه ولو لحظة من بعيد
فضلا وسيعًا، ووعد من
وقع فى واحد من الصحابة
حميمًا وضريعًا، واختار منهم
الاربعة الكرام عناصر الاسلام و
ائمة الانام اختيارًا بديعًا، وبنى ترتيب
الخلافة على ترتيب الفضيلة وغلط
من عكس غلطًا شنيعًا، فصلى الله
وسلم وبارك وترحم على حبيب
القلوب وطبيب الذنوب واله
الاطهار وصحبه الاخيار انه كان بصيرًا
سميعًا، صلوة اعظام يتلوها سلام و
سلام اكرام تعقبه صلوة وتشيع كلا
بركة وزكوة الى الابد تشييعا، واشهد
ان الاله سيده ومولاه ما اعظمه
واعلاه واكبره واجله وحده
لا شريك له الها رفيعا، وان
محمدًا عبده ورسوله
ورحمته ورفده،
اجمله واكمله، وبدين
الحق ارسله ليمحو

کے لئے جو پروردگار ہے سب جہانوں کا،
اللہ کے لئے حمد بلند ہے اس پر کہ اس نے ہمارے
نبی (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو سب جہانوں
پر فضیلت دی اور انھیں قیامت کے دن گنہگاروں
کا شفیع مقرر کیا۔ اور ہر مسلمان کو جس نے انھیں
ایک لحظہ دُور سے بھی دیکھا وسیع فضل دیا اور
ان کے صحابیوں کے بدگویوں کو جہنم کے گرم پانی
اور آگ کے کانٹوں کی غذا کی وعید سنائی اور ان صحابہ
سے چار بزرگوں کا کہ اسلام کے عناصر اور مخلوق کے امام
ہیں بے مثال انتخاب کیا اور خلافت کی ترتیب
فضیلت کی ترتیب پر رکھی اور جس نے ترتیب
اُلٹی اس نے بری غلطی کی، تو اللہ صلوٰۃ وسلام
بھیجے اور رحمت وبرکت اتارے دلوں کے پیارے
اور گناہوں کے چارہ ساز اور اُن کی آل پاک
اور نیک صحابہ پر، بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے،
عظمت کا درود جس کے پیچھے سلام چلے اور تکریم
کا سلام جس کے پیچھے درود آئے، اور دونوں کو
برکت وافزائش ہمیشہ کے لئے قوت دے،
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک ان کا خدا
ان کا آقا و مولےٰ کس قدر بلند و برتر اور بالا و
اعلیٰ ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں،
عظمت والا معبود ہے، اور بیشک محمد (صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس کے خاص بندے
اور اللہ کے رسول ہیں اور اس کی رحمت اور
اس کی عطا ہیں۔ اللہ نے انھیں سچے دین کے

کل علة ویعلو الدین کله علوا سریعًا۔

وبعد فهٰذه ان شاء الله منحة عالية و سلعة غالية و رحمة ربانية لا نزغة شيطانية، واوراق ان رأيت قليلة، وان وعيت جليلة، اذا قرأت هانت، واذا فهمت لانت، وان انصفت زانت، وان تعسفت بانت، وجنات عالية قطوفها دانية[1]، فيها سرر مرفوعة و اكواب موضوعة، و نمارق مصفوفة، و زرابی مبثوثة[2]۔ قبولها القبول من قبل الفحول، و زينتها الرد من اهل الحسد فيها من كل الثمرات، وجنا الجنات عنب التحقيق ورطب التدقيق، وجوز الحقائق و لوز الدقائق تؤتی الفريقين اكلها مرتين مرة عسلا لارباب السنن، و اخرى ثمالا[ع] لاصحب الفتن فيها عيون حكمة تسمى سلسبيلا، فان شئت ريا فقم سل سبيلا، ماءها صاف و شاف و كاف

ساتھ بھیجا تاکہ وہ ہر خرابی مٹائیں اور سب دینوں پر جلد غالب آئیں۔

بعد حمد وصلوٰۃ ان شاء اللہ یہ گراں قدر عطا اور بیش بہا متاع اور ربانی رحمت ہے نہ کہ شیطانی وسوسہ، اور یہ اوراق دیکھو تو تھوڑے ہیں اور انھیں یاد کرلو تو گرانقدر ہیں اور پڑھو تو آسان اور سمجھو تو سہل، اور انصاف کرو تو سنواریں اور تعصب برتو تو جدا رہیں، اور یہ جنات عالیہ ہیں جن کے خوشے جھکے ہوئے ہیں اُن میں اونچے تخت ہیں اور چنے ہوئے کوزے اور قالین بچھے ہوئے اور چاندنیاں ہیں پھیلی ہوئی، اس کی ضیا فضلا کو مقبول و منظور اور اس کی زینت یہ ہے کہ اہلِ حسد اسے قبول نہ کریں۔ اس میں سب باغوں کے ہر قسم کے پھل ہیں۔ تحقیق کے انگور اور تدقیق کی تروتازہ کھجور اور حقائق کے ناریل اور دقائق کے بادام، یہ اپنے پھل دو بار دیتی ہے ایک بار سُنیوں کے لئے ایسا پھل جو شہد کی طرح میٹھا ہو، اور دوسری بار گمراہوں کے لئے ایسا پھل جو اُن کے لئے مہلک زہر ہو۔ اس میں حکمت کے چشمے ہیں جن کا سلسبیل نام، اگر تو سیرابی چاہتا ہے تو اُٹھ راستہ تلاش کر، اس کا پانی صاف اور شافی اور کافی پہنچنے والے

[ع] بضم الثاء السم المنقع كذا فی المعجم الوسیط۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۹/ ۲۲ و ۲۳

[2] " " ۸۸/ ۱۳ تا ۱۶

هُلاَهِلُ[ع1] مرو لمن يستهقيه وهلاهل[ع2] مر و لمن يتقيه، فيالها من جنة في ظلها جنة للانس والجنة من شمس الافتتان وحريق المراء اصلها ثابت وفرعها في السماء[1] تولى سقى اشجارها وفتق ازهارها واجتناء ثمارها عبده الكل عليه والمفتاق في كل امر اليه عبد المصطفى الشهير باحمد رضا المحمدي دينًا، والسني يقينًا، والحنفي مذهبًا، والقادري منتسبًا، والبركاتي مشربًا، والبريلوي مسكنًا، والمدفي البقيعي ان شاء الله مدفنًا، فالعدني الفردوسي برحمة الله موطنًا، كان الله له وحقق امله واصلح عمله و جعل اُخراه خيرًا من اولاه ابن الامام الهمام، والفاضل الطمطام والبحر الطام والبدر التام، حامي السنن وماحي الفتن، ذي تصانيف رائقة وتواليف

کے لئے بہت کثیر اور ستھرا جس سے وہ سیراب ہو جائیں اور جو اس سے بچے اس کیلئے زہر قاتل ہے کہ اس کو ہلاک کر دے، تو یہ کیسی جنت ہے جس کے سایہ میں انسانوں اور جنوں کیلئے گمراہی کی دھوپ اور آتشِ جدل (ہٹ دھرمی) سے امان ہے، اس کی جڑ جمی ہوئی اور اسکی شاخیں آسمان میں، اس کے درختوں کی آبیاری اور اسکے پھول کھلانے اور پھل چننے کا کام اللہ کے محتاج بندے سر انجام دیتے ہیں، اور ہر کام میں اس کے فقیر بندے عبد المصطفیٰ عرف احمد رضا، جو دین کے اعتبار سے محمدی ہے اور عقیدہ کے اعتبار سے سنی اور مذہبًا حنفی ہے اور قادری انتساب ہے اور ارادۃً برکاتی اور مسکنًا بریلوی اور مدفن کے لحاظ سے ان شاء اللہ مدینہ والا بقیع پاک والا اور اللہ کی رحمت سے مقام ابدی کے لحاظ سے بہشتی فردوسی نے خود انجام دیا اللہ اس کا ہو اور اس کی اُمید بر لائے اور اس کے عمل نیک کرے اور اس کی عاقبت اس کی دُنیا سے بہتر فرمائے (احمد رضا) ابن امام ہمام فاضلِ عظیم، دریائے موجزن و ماہِ تمام، حامیِ سنت، ماحیِ بدعت، صاحب تصانیف پسندیدہ و توالیف

ع1 بضم الهاء الماء الكثير الصافى المعجم الوسيط۔
ع2 الهلهل، السم القتال، المعجم الوسيط۔

---

[1] القرآن الكريم ۱۴/۲۴

فايقة شريفة منيفة لطيفة نظيفة بقية السلف حجة الخلف، ناصح الامة، كاشف الغمة، حامي حمى الرسالة عن كيد اهل الضلالة، ومما قلت في بابه معتذرًا الى جنابه ؎

فوالله لم يبلغ ثنائي كماله
ولكن عجزي خير مدحي لماله
فذا البحر لولا ان للبحر ساحلا
وذا البدر لولا البدر يخشى ماله

سيدي ومولائي وسندي ومأواي العالم العلم علامة العالم مولانا المولوي محمد نقي علي خان القادري البركاتي الاحمدي الرسولي رضي الله تعالى عنه وارضاه بالنضرة والسرور لقاه ابن العارف الحريف السيد الغطريف شمس التقى بدر النقى نجم الهدى علامة الورى ذي البركات المتكاثرة والكرامات المتواترة والترقيات الرفيعة والتنزلات البديعة و قلت في شانه راجيا لاحسانه ؎

اذا لم يكن فضل فما النفع بالنسب
وهل يصطفى خبث وان كان من ذهب
ولكنني ارجو الرضا منك يا رضا
وانت علي فازولي عالي الرتب

فاضلہ وبلند رتبہ ولطیفہ صافیہ بقیۃ السلف حجۃ الخلف، ناصح امت، دافع کربت، نگہبان حدودِ رسالت از مکر اہلِ ضلالت، اور میں نے ان کے باب میں ان کی جناب میں معذرت کے طور پر عرض کیا ہے ؎

اس کے کمال تک نہ پہنچا مرا بیاں
پر بہترین مدحت ہے عجز کی زباں
ساحل اگر نہ ہو تو وہ بحرِ بیکراں
کھٹکا نہ ہو غروب کا تو بدر ہر زماں

سیدی ومولائی وسندی وملجائی، بحرِ علم، علامۂ عالم، مولانا مولوی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی احمدی رسولی، اللہ ان سے راضی ہو اور انھیں راضی کرے اور انھیں تازگی وفرحت دے۔ ابن عارف مدبر سید وسردار کریم شمس تقوی ماہ تمام تقدس نجم ہدایت علامۂ خلقت صاحب برکاتِ کثیرہ وکراماتِ مستمرہ ودرجاتِ عالیہ ومنازل بدیعہ میں نے ان کی شان میں اُن کے انعام کا امیدوار ہوکر کہا ؎

معدوم ہو کرم تو کس کام کا نسب
زر کا بھی میل ہو تو مقبول ہو وہ کب
لیکن امیدوار رضا تجھ سے ہوں رضا
اور تو علی ہے مجھ کو دے عالی قدر رتب

حصنی وحوزی و ذخری وکنزی
ذی القدر السنی والفخر السمی
مولانا المولوی محمد رضا علی خان النقشبندی
قدس اللہ سرہ و افاض علینا برہ امین یا
رب العلمین، حملنی علی تصنیفہا واحسان
تالیفہا باحصان ترصیفہا ما رأیت ان
قد زاغت اقدام و زلت اقوام وضلت افہام عما
رفعت لہ الرایات الی
ارفع الغایات، واشمخ النہایات
من توافر الایات و
تظافر الاخبار وتواتر الاثار من العترۃ الاطہار
والصحابۃ الکبار والاولیاء الاخیار والعلماء
الابرار من تفضیل الشیخین علی ابی الحسنین
رضی اللہ تعالٰی عنہم، وجعلنا لہم ومنہم حتی
بلغنی ان بعض من قادۃ التخمین والظن
غیرامین الی اقتداء العین فی ازدراء الثمین واجتباء
المہین تعلق بشکوک سخیفۃ لا لطیفۃ
ولا نظیفۃ وانما ہی کطعام من
ضریع لا یسمن ولا یغنی من
جوع[1]، فیما توافق علیہ
سادۃ النقی وقادۃ التقی

میری حرزِ جان اور میری امان اور میرے کنز و ذخیرہ
صاحبِ قدر علی و فخر گرامی مولانا مولوی محمد رضا علی خاں
نقشبندی اللہ ان کا باطن منزہ فرمائے اور ہم پر
اُن کا فیض جاری فرمائے، آمین یا رب العلمین!
مجھے اس کتاب کی تصنیف اور اس کی تالیف
خوب اور اس کی ترتیب کو محکم کرنے پر اس امر
نے اکسایا جو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ منحرف ہوئے
اور کچھ قدم پھسلے اور کچھ ذہن اس سے گمراہ ہوئے
جس کے لئے نہایت بلندی تک علم بلند کئے گئے
آیات، اخبار اور آثار کی کثرت سے اور اس پر صحابہ کبار،
اہلبیتِ اطہار، پیشوایانِ اخیار اور علماء ابرار کا
اجماع ہو چکا یعنی شیخین ابوبکر و عمر کی فضیلت ابوالحسنین
علی پر، اللہ ہمیں ان کے لئے کرے اور انھیں
میں ہمیں رکھے یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ جن
لوگوں کو ظن نے کھینچا اور ظن امین نہیں اندھوں
کی اقتداء اور قیمتی چیز[1] کی تحقیر اور ذلیل چیز[2] کے
انتخاب کی طرف وہی شبہات کہ نہ لطیف
ہیں نہ نظیف ستھرے، بلکہ آگ کے کانٹوں
کی غذا کی طرح ہیں کہ نہ فربہ کریں نہ بھوک سے
بے نیاز کریں کا سہارا اس میں لیتا ہے جس
پر سرداران تقدس و تقویٰ کا اتفاق ہے یعنی

---

۱ یعنی عقیدہ صحیحہ موافق اہلسنت وجماعت ۲ یعنی گمراہی

---

۱ القرآن الکریم ۸۸/ ۶و۷

من الاحتجاج بكريمة [1] وسيجنبها الاتقى [1] وقام بعرضها كلها او بعضها احد المتدخلين فى عداد الاذكياء على بعض العصريين من النبلاء، ولم اعلم الام دارت رحى التقرير، وعلى أى شق برك البعير، فاشتد ذلك علىّ وعظم امره لدى فاستخرت الله تعالٰى فى عمل كتاب يبين الجواب عن كل ارتياب ويكشف النقاب عن وجه الصواب، مع اطلاعى على قصور باعى وقصر ذراعى وعدم الظفر من اسفار التفاسير الا بشئ نزر يسير ولولا ما اقاسيه من هجوم هموم وعموم غموم وتباعد اغراض وتوارد اعراض وما لا محيص عنه لمسلم من ايذاء موذ وايلام مولم كما اخبر النبى الاكرم صلى الله عليه وسلم بيد أن الفقير العانى عاين عين اعيان المعانى تفيض على فيضا مدرارا وتثج الى ثجا كبارا فقوى ظنى ان صاحب التوفيق سيقوى الضعيف على ما يطيق فاختلست الفرصة

کریمہ وسیجنبہا الاتقٰی سے فضیلتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر حجت قائم کرنا اور ان شبہات کو ایک شخص نے جو اذکیار کے شمار میں دخیل ہونا چاہتا ہے، فضلاء میں سے ایک معاصر پر پیش کیا اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ تقریر مدعی کی ہو چکی کب تک چلی اور اونٹ کس کروٹ بیٹھا تو یہ مجھے دشوار گزرا اور اس کا معاملہ میرے نزدیک بڑا ہوگیا تو میں نے اللہ سے استخارہ کیا ایک کتاب کی تصنیف میں جو ہر شبہہ کا روشن جواب دے اور صواب کے چہرے سے نقاب اٹھادے باوجودیکہ میں اپنے قصور طاقت اور بساط کی قلت اور کتبِ تفاسیر سے بہت تھوڑا میسر ہونے سے واقف ہوں اور اگر سوائے اندوہ وغم کے ہجوم اور اغراض کی دوری اور امراض کے ورود پیہم کے اور موذی کی ایذا جس سے کسی مسلم کو چھٹکارا نہیں جیسا کہ نبی اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی، کچھ نہ ہو تو اس کام سے یہی مانع ہوتا مگر اس فقیر ذلیل نے دیکھا کہ معانی نفیسہ کا چشمہ اس کے قلب پر سراٹے سے اُبل رہا ہے اور وہ بڑی مقدار میں اس کی طرف بہہ کر آرہے ہیں تو میرا گمان غالب ہوا کہ مالکِ توفیق (خدا) اس ضعیف کو اس کی قوت دے گا جس کی اسے قدرت نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

خمسة ايام من آخر الشهر المبارك
ذی الحجة الحرام حتی جاءت بحمد
الله كما ترى تروق الناظر و تجلو
البصائر كاشفة عن وجوه
غوانی من حسان معانی لم تقرع
الآذان، ونفائس تحقیق و عرائس
تدقیق لم يطمثهن قبلى انس ولا جان
فان صدق ظنی فكل ما فيه غير
ما انميه مما سمح به فكرى الفاتر،
وادى اليه نظرى القاصر،
والانسان كما تعلم مساوق
الخطاء والنسيان ، فما كان صوابا
فمن الله الرحمان ، وانا ارجوا
لله سبحنه فيه ، وما كان خطأ
فمنى ومن الشيطان وانا ابرئ
الى الله عن مساويه، ويأبى الله
العصمة فى كل معنى
وكلمة الا لكتابه الاعظم
وكلام رسوله الاكرم
صلى الله تعالى عليه وسلم، ولما كان
فض ختامها وطلوع بدر
تمامها لليلة بقيت
من المائة الثالثة
عشر من سنی هجرة
سيد البشر عليه من الصلوات

تو میں نے ماہِ مبارک ذوالحجۃ الحرام کے آخری پانچ دن
کی فرصت لی یہاں تک کہ یہ کتاب بحمداللہ ایسی
ظاہر ہوئی جیسی کہ تم دیکھتے ہو جو دیکھنے والے کو خوش
کرتی، بصیرتوں کو جلا بخشتی ہے، اور ایسے خوش معانی
(جو کانوں سے نہ ٹکرائے) سے پردے ہٹاتی ہے جو
خوبانِ بے نیاز آرائش کے چہرے ہیں اور تحقیق
کی نفیس صورتیں اور تدقیق کی دُلہنیں ہیں جنھیں مجھ
سے پہلے کسی آدمی نے چھوا نہ کسی جن نے، تو
اگر میرا گمان سچا ہو تو سوائے اس کے جس کی میں
کسی کی طرف نسبت کروں اس میں جو کچھ ہے وہ
میری فکر قاصر کی دین ہے اور اس تک میری
کوتاہ نظر پہنچی ہے اور انسان جیسا کہ تم جانتے
ہو خطاء و نسیان کے ساتھ چلتا ہے، تو جو
درست ہو وہ خدائے رحمان کی طرف سے ہے،
اور میں اس کے سبب اللہ سے امیدوارِ ثواب
ہوں، اور جو خطا ہو تو وہ میری اور شیطان کی
جانب سے ہے اور میں اللہ کی طرف اس کی
بدیوں سے برأت کرتا ہوں، اور اللہ ہر معنی اور
ہر کلمہ میں عصمت (خطا سے محفوظ ہونا) اپنی
کتاب معظم اور اپنے رسول اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے کلام کے سوا کسی کے لئے نہیں چاہتا،
اور جب اس رسالہ کی مہر اختتام کی شکست اور
اس کے تمام کا ماہِ تمام اس ایک رات میں
طلوع ہوا جو سید البشر کی ہجرت کے سالوں میں
سے تیرھویں صدی میں باقی تھی ان پر درودوں

انماهاومن التحیات ان کاھا ناسب ان اسمیہا "الزلال الأنقی من بحرسبقة الاتقی" لیکون العلم علما علی العام، واللہ تعالٰی ولی الانعام، وھو الخامس عشرمن تصانیفی فی علوم الدین، نفعنی اللہ تعالٰی بہا و سائرالمسلمین وجعلہا نورًا بین یدی و حجة لی لاعلی، انہ علی مایشاء قدیر و بالاجابة جدیر وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔

میں سب درودوں سے بڑھتا درود اور تحیات میں سب سے فزوں تحیت ہو مناسب ہے کہ اس کا نام الزلال الانقی من بحرسبقة الاتقی رکھوں تاکہ نام سالِ تصنیف کی نشانی ہوجائے اور اللہ تعالٰی ہی ولی نعمت ہے اور یہ میری تصانیف سے پندرھویں تصنیف ہے علومِ دین میں اللہ تعالٰی مجھے اور باقی مسلمانوں کو اس سے نفع بخشے، اور اللہ تعالٰی اسے میرے مابعد کیلئے نور بنائے اور میرے حق میں حجت نہ میرے خلاف، وہ جو چاہے کرسکتا ہے، اور قبولِ دعا اُسی کو سزاوار ہے، اور اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے، اور بدی سے پھرنا اور نیکی کی طاقت اللہ علو وعظمت والے ہی سے ہے۔

اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم ۝

قال ربنا تبارك وتعالٰی "یایہا الناس انا خلقنکم من ذکروانثٰی وجعلنکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر[1]" اراد اللہ سبحٰنہ وتعالٰی رد ما کانت علیہ الجاہلیة من التفاخر بالأباء والطعن فی الانساب وتعلی النسب علی

ہمارا رب تبارک وتعالٰی فرماتا ہے "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے" (ترجمہ رضویہ) اللہ تعالٰی کی مراد اس طور کا رَد ہے جس پر اہلِ جاہلیت چلتے تھے کہ باپ دادا پر فخر کرتے اور دوسروں کے نسب پر طعنہ زن ہوتے

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

غيره من الناس حتى كانه عبد له
او اذل، وكان بدء هذه النزعة
اللئيمة من الذليل الخسيس عدو الله ابليس اذ
قال "انا خير منه خلقتني من نار
وخلقته من طين[1]" فرد الله
سبحنه وتعالٰى عليهم بان اباكم
واحد وامكم واحدة فانه
تعالٰى "خلقكم من نفس واحدة و
خلق منها زوجها وبث منهما
رجالا كثيرا ونساء[2]" فما
منكم من احد الا وهو يدلى
بمثل ما يدلى به الآخر سواءً
بسواءٍ، فلا مساغ للتفاضل
في النسب والتفاخر بالام
والاب، واما ما رتبناكم على
اجيال تحتها شعوب تحتها
قبائل فانما ذٰلك لتعارفوا
فتصلوا ارحامكم ولا ينتمي
احد الى غير ابيه، لا لان
تتفاخروا ويزدري بعضكم بعضا
نعم ان اردتم التفاضل
فالفضل عندنا بالتقوى فكلما زاد

اور نسب کی وجہ سے آدمی دوسرے آدمی پر ایسی
تعلی کرتا گویا کہ وہ اس کا غلام ہے بلکہ اس سے
بھی زیادہ خوار ہے، اور اس ذلیل طریقہ کی ابتداء
ذلیل خسیس ابلیس سے ہوئی جس نے کہا تھا
کہ اے رب! میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے
آگ سے بنایا اور آدم (علیٰ نبینا وعلیہ السلام)
کو مٹی سے بنایا، تو اللہ نے ان کا یوں رد فرمایا
کہ تمہارا باپ ایک ہے اور تمہاری ماں ایک ہے
اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک جان سے
پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور ان
دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے
تو تم میں ہر ایک اپنی اصل سے وہی اتصال رکھتا
ہے جو دوسرا رکھتا ہے تو نسب میں ایک کو دوسرے
پر فضیلت کی راہ نہیں اور ماں باپ سے ایک دوسرے
پر فخر کی مجال نہیں، رہا یہ کہ ہم نے تمہیں اصول پر مرتب
کیا جن کے نیچے ان کی شاخیں ہیں اور ان کے نیچے
قبیلے ہیں تو یہ محض اس لئے کہ آپس میں پہچان رکھو تو
اپنے قریبی عزیزوں سے ملو اور کوئی باپ کے سوا
اور کی طرف منسوب نہ ہو اس لئے کہ تم نسب پر
گھمنڈ کرو، اور ایک دوسرے کو حقیر جانے، ہاں
اگر فضیلت چاہو تو فضیلت ہمارے یہاں تقویٰ
(پرہیزگاری) سے ہے تو جب انسان پرہیزگاری

---

[1] القرآن الکریم ٧/ ١٢ و ٣٨/ ٧٦
[2] " " ٤/ ١

الانسان تقوی زاد کرامة عند ربه تبارك و
تعالی، فاکرمکم عندنا من کان اتقی
لا من کان انسب ۔ ان الله
علیم بکرم النفوس و تقواها
خبیر بهم النفوس فی
هواها۔

قال البغوی قال ابن عباس
نزلت فی ثابت بن قیس وقوله
للرجل الذی لم یفسح له:
"ابن فلانة یعیّره بامه قال
النبی صلی الله تعالٰی علیه
وسلم "من الذاکر فلانة"؟
فقال ثابت انا یا رسول الله،
فقال انظر فی وجوه القوم،
فنظر، فقال ما رأیت
یا ثابت؟ قال رأیت احمر
وابیض واسود، قال
فانك لا تفضله الا فی الدین
والتقوٰی" فنزلت فی
ثابت هٰذه الاٰیة و
فی الذی لم یتفسح له
"یٰایها الذین اٰمنوا اذا
قیل لکم تفسحوا
فی المجالس فافسحوا۔"
وقال مقاتل لما کان یوم فتح مکة

میں بڑھے اپنے رب کے یہاں عزت میں بڑھے۔
تو ہمارے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے
جو زیادہ پرہیزگار ہے نہ کہ وہ جو بڑے نسب والا
ہے بیشک اللہ تعالٰی نفوس کی عزت اور
ان کی پرہیزگاری کو جانتا ہے اور نفوس کی اپنی
خواہش میں کوشش سے خبردار ہے۔

امام بغوی نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس
(رضی اللہ عنہما) نے فرمایا یہ آیت حضرت ثابت
بن قیس (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں اور اُن
کے اُس شخص سے جس نے اُن کے لئے مجلس میں
جگہ کشادہ نہ کی "فلانی کا بیٹا" کہنے کے باب میں اُتری
تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے
جس نے فلانی کو یاد کیا؟ حضرت ثابت نے عرض
کیا: وہ میں ہوں یا رسول اللہ! تو حضور (علیہ
الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا: لوگوں کے چہروں
میں بغور دیکھو۔ تو انھوں نے دیکھا۔ پھر فرمایا:
اے ثابت! تم نے کیا دیکھا؟ عرض کی: میں
نے لال، سفید اور کالے چہرے دیکھے۔ سرکار
(علیہ السلام والتحیۃ المدرار) نے فرمایا: تو
بے شک تمہیں ان پر فضیلت نہیں مگر دین اور
تقوٰی میں۔ تو حضرت ثابت کے لئے یہ آیت اتری
اور جنھوں نے مجلس میں کشادگی نہ کی تھی ان کے
حق میں ارشاد نازل ہوا: اے ایمان والو!
جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو۔
اور مقاتل کا قول ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا رسول اللہ

امر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بلالا حتی علا علیٰ ظهر الکعبة واذن، فقال عتاب بن اُسید بن ابی العیص: الحمد لله الذی قبض ابی حتی لم یرهذا الیوم۔ وقال الحارث بن هشام اما وجد محمد غیرهذا الغراب الاسود مؤذنا۔ وقال سهل بن عمرو ان یرد الله شیئا یغیره۔ وقال ابوسفیان انی لا اقول شیئا اخاف ان یخبربه رب السماء، فاتی جبریل فاخبر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بما قالوا فدعاهم وسألهم عما قالوا فاقروا فانزل الله تعالیٰ هٰذه الاٰیة وزجرهم عن التفاخر بالانساب والتکاثر بالاموال والازراء بالفقراء[1]

قال العلامة النسفی فی المدارک تبعا للزمخشری فی الکشاف عن یزید بن شجرة مر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی سوق المدینة فرأی غلاما اسود یقول من اشترانی فعلیٰ شرط ان لا یمنعنی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا (کہ اذان دیں) تو وہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور انھوں نے اذان کہی، تو عتاب بن اُسید بن ابی العیص نے کہا: اللہ کے لئے حمد ہے جس نے میرے باپ کو اٹھالیا اور انھوں نے یہ دن نہ دیکھا۔ اور حارث بن ہشام نے کہا: کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کالے کوّے کے سوا کوئی اذان دینے والا نہ ملا۔ اور سہیل بن عمرو نے کہا: اللہ کو اگر کوئی چیز ناپسند ہوگی وہ اسے بدل دے گا۔ اور ابوسفیان بولے، میں کچھ نہیں کہتا مجھے خوف ہے کہ آسمان کا رب انھیں خبردار کردے گا۔ تو جبریل (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) نازل ہوئے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی باتیں بتادیں تو حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ان سے ان کے اقوال کی بابت پوچھا تو انھوں نے اقرار کیا، تو اللہ نے یہ آیت اتاری اور انھیں نسب پر فخر اور اموال پر گھمنڈ اور فقراء کی تحقیر سے منع فرمایا۔

علامہ نسفی نے زمخشری کی اتباع کرتے ہوئے مدارک میں فرمایا یزید بن شجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ کے بازار میں گزرے تو ایک سیاہ فام غلام دیکھا جو کہتا تھا مجھے جو خریدے تو اس شرط پر خریدے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیة ۴۹/۱۳ دارالکتب العلمیة بیروت ۴/۱۹۵

من الصلوات الخمس خلف رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، فاشتراه بعضهم فمرض فعاده رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وآله وسلم ثم توفی فحضر دفنه فقالوا فی ذٰلك شیئا فنزلت[1]

وبالجملة فمحصل الاٰیة نفی التفاخر بالانساب وان الكرم عند الله تعالٰی انما ینال بالتقوٰی فمن لم یكن تقیا لم یكن له حظ من الكرامة وسلبه كلیًا لا یصح الا عن كافر اذ كل مؤمن یتقی اكبر الكبائر الكفر والشرك، ومن كان تقیا كان كریما ومن كان اتقٰی كان اكرم عند الله تعالٰی، ولعلك تظن ان سردنا تلك الروایات فی شان النزول مما لا یغنینا فیما نحن بصدده، ولیس كذٰلك بل هو ینفعنا فی نفس الاحتجاج وتكسر به سورة بعض الاوهام ان شاء الله

وآلہ وسلم کے پیچھے پنجگانہ نماز سے نہ روکے گا۔ تو اُسے کسی نے خرید لیا۔ پھر وہ بیمار پڑا تو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لائے، پھر اس کی وفات ہو گئی تو سرکار اس کے دفن میں رونق افروز ہوئے تو لوگوں نے اس بارے میں کچھ کہا تو یہ آیت اتری۔

مختصر یہ کہ آیتِ کریمہ کا حاصل نسب پر فخر کی نفی ہے اور یہ کہ اللہ کے یہاں عزت تقوٰی ہی سے ملتی ہے، تو جو متقی نہیں اس کے لئے عزت سے کچھ حصہ نہیں، اور تقوٰی کا سلب کُلی طور پر کافر کے سوا کسی سے نہیں، اس لئے کہ ہر مومن اکبر الکبائر کفر و شرک سے بچتا ہے اور جو متقی ہوگا وہ با عزت ہوگا اور جو زیادہ تقوٰی والا ہوگا وہ زیادہ عزت دار اپنے رب کے یہاں ہوگا۔ اور شاید تمھیں گمان ہو کہ ہمارا ان روایتوں کو ذکر کرنا اس مدعی میں جس کے ثابت کرنے کے ہم درپے ہیں ہمیں نفع بخش نہیں حالانکہ بات یُوں نہیں بلکہ وہ ہمیں نفس استدلال میں فائدہ دے گا اور ہم اس سے کچھ وہمیوں کا زور توڑینگے ان شاء اللہ

---

[1] مدارک التنزیل تفسیر النسفی تحت الآیة ۱۳/۴۹ دار الکتاب العربی بیروت ۱۷۳/۴

تعالیٰ، کما ستطلع علیہ، فانتظر، ھذہٖ مقدمۃ

تعالیٰ، جیسا کہ تم عنقریب اس پر مطلع ہوگے تو انتظار کرو، یہ ایک مقدمہ ہے

والمقدمۃ الاُخریٰ

اور دوسرا مقدمہ یہ ہے

قال اللہ سبحٰنہٗ و تعالیٰ: "وسیجنّبھا الاتقیٰ الذی یؤتی مالہ یتزکّی ۝ وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ ۝ الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ ۝ ولسوف یرضیٰ۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بہت اس سے دُور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا

اجمع المفسرون من اھل السنۃ والجماعۃ علیٰ ان الاٰیۃ نزلت فی الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وانہ ھو المراد بالاتقی۔

اہلِ سنّت وجماعت کے مفسرین کا اجماع ہے اس پر کہ یہ آیت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اُتری اور الاتقی سے وہی مراد ہیں۔

اخرج ابن ابی حاتم والطبرانی ان ابا بکر اعتق سبعۃ کلھم یعذب فی اللہ فانزل اللہ تعالیٰ قولہ وسیجنبھا الاتقی الیٰ اٰخر السورۃ[2]، قال البغوی قال ابن الزبیر وکان

ابن ابی حاتم وطبرانی نے حدیث روایت کی کہ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان سات کو آزاد کیا جو سب کے سب اللہ کی راہ میں ستائے جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا فرمان (وسیجنبھا الاتقی تا آخر سورۃ) نازل فرمایا۔ بغوی نے فرمایا کہ ابن الزبیر کا قول ہے کہ ابوبکر

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن حاتم والطبرانی الباب الثالث الفصل الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۹۸

الدر المنثور 〃 〃 تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱ داراحیاء التراث العربی ۸/ ۴۹۳

الحاوی للفتاوی الفتاوی القرآنیۃ سورۃ اللیل الفصل الاول دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۲۷

ابوبكر يبتاع الضعفة فيعتقهم، فقال
ابوه: اى بنى لو كنت تبتاع من
يمنع ظهرك؟ قال منع ظهرى
اريد، فنزل "وسيجنبها الاتقى"
الى أخر السورة، وذكر محمد
بن اسحٰق قال كان بلال
لبعض بنى جمح وهو بلال
بن رباح واسم أمه
حمامة وكان صادق الاسلام
وطاهر القلب، وكان امية بن
خلف يخرجه اذا حميت الظهيرة
فيطرحه على ظهره ببطحاء
مكّة، ثمّ يامر بالصخرة
العظيمة فتوضع على صدره، ثم يقول
له لا تزال هٰكذا حتى تموت او
تكفر بمحمد (صلى الله عليه وسلم)
ويقول وهو فى ذٰلك البلاء، احد
احد، وقال محمد بن اسحٰق عن
هشام بن عروة عن ابيه قال مر به
ابوبكر يوما وهم يصنعون به ذٰلك و
كانت دار ابى بكر فى
بنى جمح فقال لامية
الا تتقى فى هذا المسكين؟
قال، ـــــ انت
افسدته فانقذه مما

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمزوروں کو خریدتے پھر انھیں
آزاد کر دیتے۔ تو ان سے ان کے والدین نے
کہا: اے بیٹے! ایسے غلاموں کو خریدتے ہوتے
جو تمھاری حفاظت کرتے۔ ابوبکر نے فرمایا:
میں اپنی حفاظت ہی چاہتا ہوں۔ تو یہ آیت
تا آخر سورت نازل ہوئی۔ اور محمد بن اسحٰق نے
ذکر کیا بلال (رضی اللہ عنہ) قبیلہ بنی جمح کے غلام تھے
اور ان کا نام بلال بن رباح ہے اور ان کی ماں
کا نام حمامہ ہے اور بلال (رضی اللہ عنہ) اسلام
میں سچے تھے اور پاک دل تھے، اور امیہ بن
خلف انھیں باہر لاتا جب گرم دوپہر ہوتی تو
انھیں پیٹھ کے بل مکہ کے ریتلے میدان میں ڈال
دیتا پھر بڑی چٹان لانے کا حکم دیتا تو ان کے
سینہ پر رکھدی جاتی پھر کہتا، تم ایسے ہی پڑے
رہو گے یہاں تک کہ مرجاؤ یا محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) سے کافر ہو۔ اور حضرت بلال احد احد
فرماتے حالانکہ وہ اس بلا میں ہوتے۔ اور محمد بن
اسحٰق نے ہشام بن عروہ سے روایت کی انھوں
نے اپنے باپ سے روایت کی انھوں نے فرمایا،
ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا گزر ایک دن بلال
(رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے پاس سے ہوا اور وہ
لوگ بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یہی
برتاؤ کر رہے تھے اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا
گھر بنو جمح میں تھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو
(امیہ بن خلف) اس بیچارے کے معاملہ میں

ترى، قال ابوبكر افعل عندي غلام اسود واجلد منه واقوى على دينك اعطيكه؟ قال قد فعلت فاعطاه ابوبكر غلامه واخذه فاعتقه، ثم اعتق معه على الاسلام قبل ان يهاجر ست رقاب بلال سابعهم، عامر بن فهيرة (رضي الله تعالى عنه) شهد بدرا و أحدا و قتل يوم بئر معونة شهيدا، و ام عميس و زهرة فاصيب بصرها و اعتقها فقال قريش ما أذهب بصرها الا اللات و العزى فقالت: كذبوا و بيت الله ما تضر اللات و العزى و ما تنفعان، فرد الله تعالى اليها بصرها واعتق النهدية و ابنتها و كانتا لامرأة من بني عبد الدار فمر بهما وقد بعثتها سيدتهما تطحنان لها وهي تقول والله لا اعتقكما ابدا،

اللہ سے نہیں ڈرتا، تو امیہ نے کہا آپ نے اسے بگاڑا ہے تو آپ اس گت سے اسے بچالیں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا، میں بچائے لیتا ہوں میرے پاس ایک غلام ہے سیاہ فام جو بلال (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے اور تیرے دین پر ہے وہ تجھے دے دوں۔ امیہ بولا، مجھے منظور ہے۔ تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے امیہ کو اپنا غلام دے دیا اور بلال (رضی اللہ عنہ) کو لے لیا تو انھیں آزاد کردیا پھر ان کے ساتھ اسلام کی شرط پر ہجرت سے پہلے چھ غلاموں کو آزاد کیا انکے ساتویں بلال ہیں۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جو جنگ بدر و احد میں شریک ہوئے اور بئر معونہ کی جنگ میں قتل ہوکر شہید ہوئے، اور ام عمیس و زہرہ کی آنکھ جاتی رہی، جب انھیں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آزاد فرمایا تو قریش بولے کہ انھیں لات و عزیٰ نے اندھا کیا ہے، تو آپ بولیں، قریش! کعبہ کی قسم جھوٹے ہیں لات و عزیٰ نہ ضرر دے سکیں نہ فائدہ پہنچا سکیں۔ تو اللہ نے انھیں ان کی بینائی پھیر دی۔ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی کو آزاد کیا اور یہ دونوں بنی عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں، تو صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان کے پاس سے گزرے اور ان کی آقا عورت نے انھیں بھیجا تھا کہ اس کا آٹا پیسیں اور وہ عورت کہتی تھی کہ خدا کی قسم انھیں کبھی آزاد نہ کروں گی۔

فقال ابوبكر كلا يا ام فلان، فقالت
كلا انت أفسدتهما فاعتقهما،
قال فبكم؟ قالت بكذا وكذا،
قال قد أخذتهما وهما حرتان،
ومر بجارية بني المؤمل
وهي تعذب فابتاعها
فاعتقها. وقال سعيد
بن المسيب بلغني ان
امية بن خلف قال لابي بكر
في بلال حين قال اتبيعه؟
قال نعم ابيعه بنسطاس
وكان نسطاس عبد لابي بكر
صاحب عشرة آلاف
دينار، وغلمان وجوار و
مواش وكان مشركا حمله
ابو بكر على الاسلام ان يكون
ماله له، فأبى فابغضه
ابو بكر، فلما قال له
امية ابيعه بغلامك
نسطاس اغتنمه ابو بكر
وباعه منه فقال
المشركون ما فعل
ذلك ابو بكر
الا ليد كانت لبلال عنده،
فانزل الله تعالى

تو ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا: اے ام فلان!
ہرگز نہیں۔ وہ بولی، ہرگز نہیں، آپ نے ان دونوں
کو بگاڑا ہے تو آپ آزاد کریں۔ صدیق نے فرمایا:
تو کتنے دام پر بیچتی ہے؟ وہ بولی: اتنے اور اتنے
دام پر۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) نے فرمایا:
میں نے ان دونوں کو لیا اور یہ دونوں آزاد ہیں۔
اور آپ کا گزر بنو مؤمل کی ایک لونڈی کے پاس سے
ہوا جب اس پر ظلم ہو رہا تھا تو اُسے خرید کر اُسے
آزاد کر دیا، اور سعید بن المسیّب (رضی اللہ تعالیٰ
عنہ) نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی کہ اُمیہ بن خلف نے
ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بلال کے معاملہ
میں اُس وقت جب اُنھوں نے اس سے پوچھا
کہ کیا بلال کو فروخت کرے گا؟ کہا: ہاں میں اُسے
نسطاس سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام جو
دس ہزار دینار اور بہت سے لونڈی اور غلام
اور چوپایوں کا مالک تھا کے بدلے بیچتا ہوں اور
ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا تھا کہ نسطاس اسلام لے آئے
اور اس کا مال اُسی کا رہے، تو وہ نہ مانا تو حضرت
ابوبکر نے اس کو مبغوض جانا۔ پھر جب امیہ نے
کہا: بلال کو میں آپ کے غلام کے بدلے دیتا
ہوں۔ ابوبکر نے اس بات کو غنیمت جانا اور نسطاس
کو اُمیہ کے ہاتھ بیچ دیا، تو مشرکین بولے: ابوبکر
(رضی اللہ تعالےٰ عنہ) نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے
کہ بلال (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کا ان پر کوئی
احسان ہے، تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت

وما لاحد عنده من نعمة تجزى[1]

وذكر العلامة ابو السعود في تفسيره قد روى عطاء والضحاك عن ابن عباس رضي الله تعالٰى عنهما (وذكر قصة شراء بلال واعتاقه قال) فقال المشركون ما اعتقه ابوبكر الا ليد كانت عنده فنزلت اه ملخصًا۔[2]

وفي الازالة عن عروة ان ابا بكر الصديق اعتق سبعة كلهم يعذب في الله بلالاً وعامر بن فهيرة والنهدية وابنتها وزنيرة وام عيسٰى وامة بني المؤمل، وفيه نزلت وسيجنبها الاتقى[3] الٰى اخر السورة۔

وعن عامر بن عبد الله بن الزبير عن ابيه قال قال ابو قحافة لابي بكر اراك تعتق رقابًا ضعافًا فلو انك اذا فعلت ما فعلت اعتقت رجالاً جلداً يمنعونك

اتاری وما لاحد عنده الخ یعنی اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ___

اور علامہ ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا کہ عطا اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا (اس روایت میں خریداری بلال اور ان کے آزاد ہونے کا قصہ ذکر کیا پھر کہا) تو مشرکین بولے، ابوبکر نے بلال کو ان کے کسی احسان ہی کی وجہ سے آزاد کیا ہے تو یہ آیت (مندرجہ بالا) اتری اھ ملخصًا۔

اور ازالہ میں عروہ سے ہے کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے سات کو آزاد کیا، ان سب پر اللہ کی راہ میں ظلم توڑا جاتا تھا وہ بلال و عامر بن فہیرہ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی اور زنیرہ اور ام عیسٰی اور بنی مؤمل کی کنیز ہیں اور انھیں کیلئے آیت اتری وسیجنبها الاتقى اور اس سے (دوزخ) بہت دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے ___ تا آخر سورت۔

اور عامر بن عبداللہ بن الزبیر سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابوقحافہ نے ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے فرمایا: میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ کمزور غلاموں کو آزاد کرتے ہو تو کاش! تم تندرست و

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۴۶۲-۴۶۳

[2] ارشاد العقل السلیم " " ۹۲/ ۱۹ دار احیاء التراث العربی ۹/ ۱۶۸

[3] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

ویقومون دونك فقال یا ابت انما ارید وجه الله، فنزلت هذه الآیة فاما من اعطی واتقی الی قوله وما لاحد عنده من نعمة تجزی الا ابتغاء وجه ربه الاعلی ولسوف یرضی[1]

تو ناغلام آزاد کرتے جو تمھاری حفاظت کرتے اور جنگ میں تمھاری سپر ہوتے۔ تو ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا: اے میرے باپ! میں تو صرف اللہ کی رضا چاہتا ہوں تو یہ آیت نازل ہوئی فاما من اعطیٰ واتقی یعنی جس نے دیا اور پرہیزگاری کی ــــــــ اللہ تعالیٰ کے قول وما لاحد عندہ من نعمة تجزیٰ تک یعنی ان پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔

وعن سعید بن المسیب قال نزلت "وما لاحد عنده من نعمة تجزی" فی ابی بکر عتق ناسا لم یلتمس منهم جزاء ولا شكورا ستة او سبعة منهم بلال وعامر بن فهیرة[2]

اور سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ آیت کریمہ وما لاحد عندہ من نعمة تجزی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں اُتری کہ انھوں نے کچھ لوگوں کو آزاد کیا اُن سے نہ بدلہ چاہا نہ شکرگزاری، وہ آزاد شدہ چھ یا سات تھے، اُنھیں میں بلال وعامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔

وعن ابن عباس فی قوله تعالیٰ "وسیجنبها الاتقی" قال هو ابوبکر الصدیق[3]

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے "وسیجنبہا الاتقیٰ" کی تفسیر میں ہے فرمایا وہ ابوبکر صدیق ہیں (آیت میں جن کا ذکر ہے)

قلت وقد اخرج ابن ابی حاتم ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان ابابکر اشتری بلالا من امیة بن خلف

میں کہتا ہوں اور ابن ابی حاتم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسندِ خود روایت کی کہ امیہ بن خلف اور اُبی بن خلف سے حضرت ابوبکر

---

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۳۰
[2] ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״
[3] ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״ ״

ببردة و عشرة اواق فاعتقه لله تعالى، فانزل الله تعالى هذه الأية : اى ان سعى ابي بكر و امية و ابي لمفترق فرقانا عظيما فشتان ما بينهما[1] وقد قال السيد ابن السيد عمار بن ياسر رضي الله تعالى عنهما في اشتراء الصديق بلالاً و اعتاقه شعرًا ؎

جزى الله خيرًا عن بلال وصحبه
عتيقا و اخزى فاكها وابا جهل
عشية هما في بلال بسوءة
ولم يحذر اما يحذر المرء ذوالعقل
بتوحيد رب الانام و قوله
شهدت بان الله ربي على مهل
فان تقتلوني فاقتلوني فلم اكن
لاشرك بالرحمن من خيفة القتل
فيا رب ابراهيم و العبد يونس
وموسى وعيسى نجني ثم تملى
لمن ظل يهوى الغي من ال غالب
على غير بركات منه ولا عدل[2]

نے حضرت بلال کو ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا پھر انھیں خاص اللہ کے لئے آزاد کردیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری جس کا مطلب یہ ہے "بے شک تمھاری کوشش مختلف ہے" یعنی ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور امیہ اور اُبی بن خلف کی کوششوں میں عظیم فرق ہے تو ان میں بون بعید ہے" اور سردار بن سردار عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابوبکر صدیق کے بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کرنے کے بارے میں یہ اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے : اللہ جزائے خیر دے بلال اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے عتیق (ابوبکر) کو اور امیہ اور ابوجہل کو رُسوا کرے، وہ شام یاد کرو جب اُن دونوں نے بلال کا بُرا چاہا اور اس سے نہ ڈرے جس سے ذی عقل آدمی ڈرتا ہے، انھوں نے بلال کا بُرا اس لئے چاہا کہ بلال نے خلق کے خدا کو ایک جانا اور اس نے یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، میں اس پر مطمئن ہوں تو اگر تم مجھے قتل کرو تو اس حال میں قتل کروگے کہ میں رحمان کا شریک نہیں ٹھہراتا قتل کے ڈر سے تو اے ابراہیم اور اپنے بندے یونس اور موسیٰ و عیسیٰ کے رب! مجھے نجات دے پھر اسے مہلت نہ دے جو ناحق ظالمانہ آلِ غالب کی گمراہی کی آرزو کئے جاتا ہے۔

[1] الصواعق المحرقة بحوالہ ابن ابی حاتم الباب الثالث الفصل الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۹۹

[2] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن) تحت الآیۃ ۱۷/۹۲ 〃 〃 〃 〃 ۴/۴۳۶

هذا وقد قال البغوی فی الاتقی یعنی ابا بکر الصدیق فی قول الجمیع۔[1]

اسے یاد رکھو اور امام بغوی نے الاتقی کی تفسیر میں کہا اس لفظ سے خدا کی مراد سب مفسرین کے قول کے بموجب ابوبکر صدیق ہیں۔

وقال الرازی فی مفاتیح الغیب "اجمع المفسرون منا علی ان المراد منہ ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[2]"

امام رازی نے مفاتیح الغیب میں فرمایا "ہم سُنیوں کے مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اتقی سے مراد ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں"۔

ونقل ابن حجر فی الصواعق عن العلامۃ ابن الجوزی اجمعوا انہا نزلت فی ابی بکر۔[3]

صواعق میں ابن حجر نے علامہ ابن الجوزی سے نقل کیا، علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی۔

حتی بلغنی ان الطبرسی مع رفضہ لم یسغ لہ انکارہ فی تفسیرہ مجمع البیان، والفضل ما شہدت بہ الاعداء، والحمد للہ رب العٰلمین۔

یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ طبرسی کو باوجود رفض اپنی تفسیر مجمع البیان میں اس کا انکار نہ بن پڑا اور فضل وہی ہے جس کی شہادت دشمن دیں، والحمد للہ رب العالمین۔

ثم ان الامام الفاضل فخر الدین الرازی حاول فی تفسیرہ اثبات ان الاٰیۃ لاتصلح الا للصدیق بطریق النظر والاستدلال علٰی ماھودابہ رحمہ اللہ تعالٰی فقال "اعلم ان الشیعۃ باسرھم ینکرون ھذہ الروایۃ ویقولون انہا نزلت فی حق علی ابن ابی طالب علیہ السلام والدلیل علیہ قولہ تعالٰی "ویؤتون الزکوٰۃ وھم

پھر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق اپنی تفسیر میں عقلی استدلال و نظر کی راہ سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش فرمائی کہ آیت کا مفہوم صدیق اکبر کے سوا کسی کے لئے نہیں بنتا، تو انھوں نے فرمایا تمھیں معلوم ہو کہ تمام شیعہ اس روایت کے منکر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آیت علی بن ابی طالب کے حق میں اتری ہے اور اس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون یعنی وہ رکوع کی

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/۴۶۳

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) " المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۵

[3] الصواعق المحرقۃ الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۹۸

33

راكعون"، فقوله "الاتقى الذى يؤتى
ماله يتزكى" اشارة الى ما فى تلك
الأية من قوله "يؤتون
الزكوة وهم راكعون" ولما
ذكر ذٰلك بعضهم فى محضرى
قلت اقيم الدلالة العقلية
علىٰ ان المراد من هٰذه
الأية ابوبكر، وتقريرها ان
المراد من هذا الاتقى هو
افضل الخلق، فاذا كان كذٰلك
وجب ان يكون المراد هو ابوبكر،
فهاتان المقدمتان متى
صحتا صح المقصود، انما
قلنا ان المراد من هذا الاتقى
افضل الخلق لقوله تعالىٰ "ان
اكرمكم عند الله اتقاكم" والاكرم
هو الافضل، فدل علىٰ
ان كل من كان
اتقى وجب ان يكون الافضل،
فثبت ان الاتقى المذكور
هٰهنا لابد وأن يكون
افضل الخلق عند الله
تعالىٰ، فنقول لابد و
ان يكون المراد به ابابكر لان الامة مجمعة
علىٰ ان افضل الخلق بعد رسول الله صلى الله

حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں تو اللہ تعالےٰ کا قول
الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی یعنی وہ سب
سے بڑا پرہیزگار جو ستھرا ہونے کو اپنا مال دیتا
ہے، اسی وصف کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت
میں مذکور ہوا یعنی اللہ کا یہ فرمانا "ویؤتون
الزکوٰۃ" الآیۃ اور جب ایک رافضی نے یہ بات
میری مجلس میں کہی میں نے کہا میں اس پر دلیل
عقلی قائم کروں گا کہ اس آیت سے مراد صرف
ابوبکر ہیں اور تقریر دلیل یوں ہے کہ مراد اس بڑے
پرہیزگار سے وہی ہے جو سب سے افضل ہے،
تو جب معاملہ ایسا ہے تو ضروری ہے کہ اس
سے مراد بس ابوبکر ہوں، تو جب یہ دونوں مقدمے
صحیح ہونگے دعویٰ درست ہوگا۔ اور ہم نے یہ
اسی لئے کہا کہ اس بڑے پرہیزگار سے مراد
سب سے افضل ہے کہ اللہ تعالےٰ کا قول
ہے "اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا
وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔"
اور اکرم ہی افضل ہے۔ تو آیت نے بتایا کہ
ہر وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا ضروری
ہے کہ وہ سب سے زیادہ مرتبے والا ہو، تو ثابت
ہوگیا کہ سب سے بڑا پرہیزگار جس کا یہاں (آیت
میں) ذکر ہوا ضروری ہے کہ اللہ کے یہاں سب
سے افضل ہو۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ساری امت
اس پر متفق ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے بعد خلق سے افضل ابوبکر ہیں یا علی۔

تعالیٰ علیہ وسلم اما ابوبکر او علیؓ ولا یمکن حمل
ھٰذہ الآیۃ علیٰ علی بن ابی طالب فتعین
حملھا علیٰ ابی بکر، و انما قلنا انہ لا یمکن
حملھا علیٰ علی بن ابی طالب لانہ تعالیٰ
قال فی صفۃ ھذا الاتقی "وما لأحد
عندہ من نعمۃ تجزی" وھذا
الوصف لا یصدق علیٰ علی ابن ابی طالب
لانہ کان فی تربیۃ النبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم لأنہ اخذہ من
ابیہ وکان یطعمہ ویسقیہ و
یکسوہ و یربیہ، وکان الرسول
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
منعما علیہ نعمۃ یجب جزاءھا
اما ابوبکر فلم یکن للنبی علیہ
الصلوٰۃ والسلام نعمۃ دنیویۃ
بل ابوبکر کان ینفق علی الرسول
علیہ الصلوٰۃ والسلام بلیٰ کان
للرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام علیہ
نعمۃ الھدایۃ والارشاد الی
الدین، الا ان ھذا لا یجزی
لقولہ تعالیٰ "ما اسئلکم علیہ
من اجر" والمذکور ھٰھنا
لیس مطلق النعمۃ
بل نعمۃ تجزی، فعلمنا
ان ھذہ الآیۃ لا تصلح

اور یہ ممکن نہیں کہ یہ آیت علی پر محمول کی جائے تو
ابوبکر کے لئے اس کا مصداق ہونا متعین ہوگیا، اور
ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ آیت کو علی پر محمول کرنا
ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سب سے
بڑے پرہیزگار کی صفت میں فرمایا ہے وما لاحد
عندہ من نعمۃ تجزی یعنی اس پر کسی کا
احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے، اور یہ وصف
علی بن ابی طالب پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ
وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت میں تھے
بایں سبب کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علی
کو ان کے باپ سے لے لیا تھا اور حضور انہیں
کھلاتے، پلاتے، پہناتے اور پالتے تھے۔ اور
حضور (رسول) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
علی کے ایسے محسن ہیں کہ ان کے احسان کا بدلہ
واجب ہوا۔ رہے ابوبکر، تو حضور (نبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم) کا ان پر دنیوی احسان نہیں
بلکہ ابوبکر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خرچ
اٹھاتے تھے۔ ہاں کیوں نہیں ابوبکر پر رسول
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین کی طرف ہدایت و
ارشاد کا احسان ہے۔ مگر یہ ایسا نہیں جس کا
بدلہ دیا جائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی
حکایت کرتے ہوئے) میں تبلیغ پر تم سے کچھ
اجر نہیں مانگتا۔ اور یہاں مطلق احسان کا ذکر
نہیں بلکہ بات اس احسان کی ہے جس کا بدلہ

لعلی بن ابی طالب، واذا ثبت
ان المراد بھذہ الآیۃ من کان
افضل الخلق، و ثبت ان
ذٰلک الافضل من الامۃ
اما ابوبکر او علی، و ثبت ان
الآیۃ غیر صالحۃ لعلی
تعین حملھا علی ابی بکر رضی اللہ
تعالٰی عنہ، وثبت دلالۃ الآیۃ ایضا علی
ان ابابکر افضل الامۃ[1] اھ ملخصًا۔

قلت اما ما ذکر الفاضل الامام
ان علیًا رضی اللہ تعالٰی عنہ
کان فی تربیۃ النبی صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم وانہ اخذہ
من ابیہ فقد ذکرہ محمد بن
اسحٰق وابن ھشام وھذا لفظ
ابن اسحٰق "حدثنی عبد اللہ
بن ابی نجیح عن مجاھد بن
جبیر ابی الحجاج قال کان
من نعمۃ اللہ تعالٰی علی علی ابن
ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ مما
صنع اللہ تعالٰی لہ وارادہ بہ
من الخیر ان قریشا اصابتھم ازمۃ
شدیدۃ وکان ابوطالب ذا عیال کثیر فقال

دیا جائے تو ہم نے جان لیا کہ آیت کا یہ معنٰی
علی بن ابی طالب کے لئے نہیں بنتا، اور جب
یہ ثابت ہے کہ مراد اس آیت کی وہی ہے جو
افضل خلق ہے اور یہ ثابت ہے امت میں سب
سے افضل یا ابوبکر ہیں یا علی، اور یہ ثابت ہو چکا
ہے کہ مفہوم آیت علی کے شایاں نہیں اس کا
مصداق ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے متعین
ہوگیا اور آیت کی دلالت اس پر بھی ثابت ہوگئی
کہ ابوبکر ساری اُمت سے افضل ہیں اھ ملخصًا۔

میں کہتا ہوں کہ رہی یہ بات جو فاضل
امام (فخر الدین رازی علیہ الرحمہ) نے فرمائی کہ علی
رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
کی تربیت میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم نے اُنھیں ان کے والد سے لے لیا تھا
تو اس کا ذکر محمد ابن اسحٰق وابن ہشام نے کیا ہے
اور محمد بن اسحٰق کے الفاظ یوں ہیں، مجھ سے عبداللہ
بن ابی نجیح نے حدیث بیان کی اُنھوں نے روایت
کی مجاہد بن جبیر ابی الحجاج سے اُنھوں نے
فرمایا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی
عنہ پر اللہ تعالٰی کے احسان کے قبیل سے وہ ہے
جو اللہ تعالٰی نے ان کے ساتھ کیا اور ان کی بھلائی
کا ارادہ فرمایا وہ یہ کہ قریش پر سخت تنگی پڑی اور
ابوطالب کی اولاد بہت تھی اس لئے رسول اللہ

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۵ و ۲۰۶

رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للعباس عمه وكان من ايسر بني هاشم يا عباس ان اخاك ابا طالب كثير العيال وقد اصاب الناس ما ترى من هذه الازمة فانطلق بنا اليه، فلنخفف عنه من عياله آخذ من بنيه رجلا وتأخذ انت رجلاً، فنكلهما عنه قال العباس نعم فانطلقا حتى اتيا الى ابي طالب فقالا له انا نريد ان نخفف عنك من عيالك حتى ينكشف عن الناس ما هم فيه، فقال لهما ابوطالب اذا تركتما لي عقيلاً فاصنعا ما شئتما، فاخذ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عليا فضمه اليه واخذ العباس جعفرا فضمه اليه فلم يزل عليّ رضي الله تعالىٰ عنه مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتى بعثه الله تبارك وتعالىٰ نبيا فاتبعه علي وآمن به علي وصدقه ولم يزل جعفر عند العباس حتى اسلم و استغنى عنه[1] انتهى۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا اور وہ بنی ہاشم کے بڑے مالداروں میں سے تھے، اے عباس! آپ کے بھائی ابوطالب کی اولاد بہت ہے اور لوگوں پر جو یہ سختی پڑی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ ابوطالب کے یہاں چلئے کہ ہم ان کی اولاد کا بوجھ کم کریں ان کے بیٹوں سے ایک آدمی میں لے لوں اور ایک آدمی آپ لے لیں تو ہم دونوں ان کی کفالت کریں۔ حضرت عباس نے عرض کی: جی ہاں۔ تو دونوں حضرات چل کر ابوطالب کے پاس تشریف لائے تو ان سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ جب تک لوگوں کی مصیبت (جس میں وہ مبتلا ہیں) دور ہو آپ سے آپ کی اولاد کا بوجھ کم کر دیں۔ تو ابوطالب ان سے بولے: اگر تم میرے لئے عقیل کو چھوڑ دو تو تم جو چاہو کرو۔ تو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علی کو لے کر اپنے سینے سے لگایا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جعفر کو لیا اور چمٹالیا۔ تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے سرکار کو نبی مبعوث فرمایا تو حضرت علی ان پر ایمان لائے اور ان کو سچا مانا اور جعفر عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ اسلام لا کر ان سے بے نیاز ہو گئے اھ۔

---

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دار ابن کثیر بیروت الجزء الاول والثانی ص ۲۴۶

قلت وتمام النعمة الکبریٰ
بتزویج البتول الزهراء صلوات الله
علیٰ ابیها الکریم وعلیها واما ما ذکر من
ان ابابکر کان ینفق علیٰ رسول الله صلی
الله تعالیٰ علیه وسلم فهذا اوضح و
اظهر عند من له خبرة بالاحادیث
والسیر۔ اخرج الامام احمد والبخاری
عن ابن عباس عن النبی صلی الله
تعالیٰ علیه وسلم قال: انه
لیس من الناس احدٌ اَمَنَّ علیّ
فی نفسه وماله من ابی بکر
بن ابی قحافة ولو کنت متخذا
من الناس خلیلاً لااتخذت
ابابکر خلیلاً ولکن خُلّة الاسلام
افضل، سُدّوا عنی کل خوخة
فی هذا المسجد غیر خوخة ابی بکر"[1]
واخرج الترمذی عن ابی هریرة عن
النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم
ما لاحد عندنا ید الا وقد کافیناه
ما خلا ابابکر فان له عندنا
یدا یکافیه الله بها یوم القیمة
وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی

میں کہتا ہوں اور نعمت کبریٰ کی تکمیل
بتول زہرا (فاطمہ) صلوات اللہ علیٰ ابیہا الکریم و
علیہا سے شادی ہو کر ہوئی۔ اور یہ جو ذکر کیا کہ
حضرت ابوبکر رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا خرچ اٹھاتے تھے۔ تو یہ اس کے نزدیک
جس کو احادیث وکتب سیرت سے واقفیت
ہے بہت واضح اور خوب ظاہر ہے۔ امام احمد و
بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں
نے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے
روایت کیا کہ حضور نے فرمایا: "لوگوں میں سے
کوئی شخص نہیں جس کا اپنے جان و مال میں مجھ
پر زیادہ احسان ہو سوا ابوبکر بن ابی قحافہ کے،
اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو
خلیل بناتا، لیکن اسلامی خلت اور محبت
افضل ہے، اس مسجد میں ابوبکر کے دروازہ
کے سوا سب دروازے بند کردو۔" اور
ترمذی نے (اپنی سند سے) ابوہریرہ (رضی اللہ
عنہ) سے حدیث ذکر کی وہ نبی صلے اللہ تعالےٰ
علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں (کہ سرکار
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا): "ہر شخص کے
احسان کا بدلہ ہم نے اُسے دے دیا سوائے
ابوبکر کے کہ ان کا ہم پر وہ احسان ہے جس کا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب الخوخۃ والممر فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۷
مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۷۰

مال ابی بکر ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا الا وان صاحبکم (ای محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) خلیل اللہ[1]" واخرج ایضا عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: رحم اللہ تعالٰی ابا بکر زوجنی ابنتہ وحملنی الی دار الھجرۃ و اعتق بلالا من مالہ[2]"

واخرج الامام احمد و ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: مانفعنی مال قط مانفعنی مال ابی بکر، فبکی ابو بکر وقال ھل انا ومالی الا لک یا رسول اللہ[3]۔

واخرج الطبرانی عن ابن عباس

بدلہ انھیں اللہ تعالٰی قیامت کے دن دے گا، اور مجھے کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو فائدہ مجھے ابوبکر کے مال نے دیا، اور اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ضرور ابوبکر کو دوست بناتا اور خبردار تمہارے صاحب (محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اللہ تعالٰی کے دوست ہیں۔" اور ترمذی نے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی حدیث ذکر کی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی: "اللہ ابوبکر پر رحمت کرے مجھ سے اپنی بیٹی کا عقد کیا اور مجھے دار الہجرۃ (مدینہ) میں لائے اور اپنے مال سے بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو خرید کر آزاد کیا۔"

اور امام احمد و ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی: "مجھے کبھی کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے مجھے دیا، تو ابوبکر رو دیئے اور عرض کی، یا رسول اللہ! میں اور میرا مال آپ ہی کا تو ہے۔"

اور طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷

[2] " " " " " علی رضی اللہ عنہ ۲/ ۲۱۳

[3] سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰

مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۵۳

رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احد اعظم عندی یداً من ابی بکر واسانی بنفسہ ومالہ وانکحنی ابنتہ[1]

عنہما سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یوں حدیث روایت کی: "مجھ پر ابوبکر سے بڑھ کر کسی کا احسان نہیں اس نے اپنی جان و مال سے میرا ساتھ دیا اور مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔"

واخرج ابویعلیٰ من حدیث ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مرفوعاً مثل حدیث ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ، قال ابن حجر قال ابن کثیر وروی ایضاً من حدیث علی وابن عباس وجابر بن عبد اللہ و ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم واخرجہ الخطیب عن ابن المسیب مرسلاً وزاد وکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقضی فی مال أبی بکر کما یقضی فی مال نفسہ۔ واخرج ابن عساکر من طرق عن عائشۃ وعروۃ ان ابابکر اسلم یوم اسلم لہ اربعون الف دینار وفی لفظ اربعون الف درھم فانفقھا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم[2] اھ۔

اور ابویعلیٰ نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مرفوع حدیث ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ کے مثل (یعنی انھیں الفاظ سے) روایت کی۔ ابن حجر نے فرمایا کہ ابن کثیر کا قول ہے کہ یہ حدیث علی وابن عباس وجابر بن عبد اللہ وابوسعید خدری سے بھی مروی ہے اور خطیب نے اسے ابن المسیب سے مرسل روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا: "اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابوبکر کے مال سے اپنا قرض ادا فرماتے جس طرح اپنے مال سے ادا فرماتے۔" اور ابن عساکر نے متعدد سندوں سے حضرات عائشہ وعروہ سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر جس دن اسلام لائے ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے، اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار درہم تھے، تو ابوبکر نے انھیں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اٹھا دیا اھ۔

قلت ومروی ایضا من حدیث سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

میں کہتا ہوں یہ حدیث سیدنا انس بن مالک سے بھی مروی ہے جیسا کہ امام عدی نے

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/۱۹۱

[2] الصواعق المحرقۃ الباب الثانی الفصل الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۱۲

كما اخرجه الامام ابن عدی فی الكامل
انبأنا المولىٰ الثقة الحجة مفتی
الحنفية بمكة المحمية امام الفقهاء و
المحدثين سيدی واستاذی مولانا عبد الرحمٰن
بن عبد الله بن عبد الرحمٰن السراج عن
جمال العلماء السلف الخير فی منصب الافتاء
مولانا جمال بن عبد الله بن عمر المكی عن
خاتمة الحفاظ والمحدثين مولانا محمد
عابد بن الشيخ احمد علی السندی ثم
الزبيدی ثم المدنی عن المولىٰ محمد صالح
الفلانی العمری عن الشيخ محمد بن السنة
الفلانی الفاروقی عن مولای السيد
الشريف محمد بن عبد الله عن الفاضل
المحدث سيدی علی الاجهوری عن الامام
شمس الدين الرملی عن شيخ الاسلام
زين الدين زكريا الانصاری عن علامة
الورىٰ جبل الحفظ شهاب الدين ابی الفضل
احمد بن حجر العسقلانی عن ابی علی محمد بن
احمد المهدوی عن يونس بن ابی اسحٰق عن
ابی الحسن علی بن المقير انا ابو الكريم
الشهرزوری انا اسمٰعيل بن مسعدة
الجرجانی انا ابو القاسم حمزة بن
يوسف السهمی الجرجانی وابو عمرو
عبد الرحمٰن بن محمد الفارسی
انا ابو احمد عبد الله بن عدی الجرجانی

کامل میں اپنی سند سے روایت کیا ہے (سند
حدیث مذکور) ہمیں خبر دی مولیٰ ثقہ حجۃ مفتی حنفیہ
بمکہ محمیہ پیشوائے فقہاء و محدثین سیدی و استاذی
عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سراج نے انھوں
نے جمال علماء سلف خیر فی منصب الافتاء
(یعنی منصب افتاء میں مفتیوں کے لئے اچھے
پیشرو) مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر مکی سے
روایت کی انھوں نے خاتمۃ الحفاظ والمحدثین
مولانا محمد عابد بن شیخ احمد علی سندی ثم زبیدی
ثم مدنی سے روایت کی انھوں نے مولیٰ محمد صالح
فلانی عمری سے انھوں نے شیخ محمد بن السنۃ
فلانی فاروقی سے انھوں نے مولائی سید
شریف محمد بن عبد اللہ سے انھوں نے فاضل محدث
سیدی علی اجہوری سے انھوں نے امام
شمس الدین رملی انھوں نے شیخ الاسلام
زین الدین زکریا انصاری سے انھوں نے علامۂ
عالم کوہِ حفظ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن
حجر عسقلانی سے انھوں نے ابو علی محمد بن احمد
مہدوی سے انھوں نے یونس بن اسحاق سے
انھوں نے ابو الحسن علی بن مقیر سے انھوں نے
کہا ہمیں خبر دی ابو کریم شہر زوری نے ہمیں خبر
دی اسمٰعیل بن مسعدہ بن جرجانی نے ہمیں
خبر دی ابو القاسم حمزہ بن یوسف سہمی
جرجانی اور ابو عمرو عبد الرحمٰن بن محمد الفارسی نے
ہمیں خبر دی ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی

نا الحسین بن عبد الغفار الازدی نا سعید ابن کثیر بن غفیر نا الفضل بن مختار عن ابان عن انس قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لأبی بکر ما اطیب مالك منه بلال مؤذنی و ناقتی التی ھاجرت علیھا وزوجتنی ابنتك و واسیتنی بنفسك ومالك کانی انظر الیك علٰی باب الجنۃ تشفع لامتی۔[1]

ہم سے حدیث بیان کی حسین بن عبد الغفار ازدی نے ہم سے حدیث بیان کی سعید بن کثیر بن غفیر نے ہم سے حدیث بیان کی فضل بن مختار نے ابان سے انھوں نے روایت کی انس سے انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا: تمھارا مال کتنا ستھرا ہے اسی سے میرا مؤذن بلال ہے اور میری اونٹنی ہے جس پر میں نے ہجرت کی اور تم نے اپنی دختر میرے نکاح میں دی اور اپنی جان و مال سے میری مدد کی گویا میں تمھیں دیکھ رہا ہوں جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو میری امت کیلئے شفاعت کر رہے ہو۔

ھذا وقد استقصینا الکلام علٰی ھٰذین الفصلین الذین اشار الیھما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تلك الاحادیث اعنی مواساۃ الصدیق للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنفسہ ومالہ فصلین من الباب الثانی من کتابنا الکبیر فی التفضیل علٰی غایۃ التحقیق والتفصیل فارجع الیہ ان احببت، ھذا تقریر ما ذکر الفاضل الرازی وقد اوردہ الامام ابن حجر ایضًا فی الصواعق

یہ تو ہوا اور ہم نے ان دونوں فصلوں پر (یعنی صدیق کا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدد جان و مال سے کرنا) جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اشارہ فرمایا۔ کامل گفتگو اپنی کتاب کبیر جو باب تفضیل میں ہے کے باب دوم کی دو فصلوں میں نہایت تحقیق و تفصیل کے ساتھ کی ہے اس کا مطالعہ کرلو اگر چاہو، یہ کلام اس کلام کی تائید ہے جو فاضل رازی نے ذکر کیا، اور امام رازی کا یہ کلام امام ابن حجر میں صواعق محرقہ میں بھی لائے

---

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ ابان بن ابی عیاش دار الفکر بیروت ۱/ ۳۷۵
الکامل لابن عدی ترجمہ الفضل بن مختار البصری " " " ۶/ ۲۰۴۱

وادّعائه۔

قلت وللمناقش ان يناقش فيه بأربعة وجوه ينتظمها وجهان الاوّل انا لا نسلم أن ابا بكر لم يكن عليه لأحد نعمة تجزى فان من اعظم المنعمين على الانسان والديه قال تعالى، "ان اشكرلى ولوالديك[1]" ومعلوم ان لا شكر الا بمقابلة النعمة ونعم الوالدين من النعم الدنيوية التى تجرى فيها المجازاة دون الدينية التى قال الله تعالى فيها "قل ما اسئلكم عليه من اجر[2]" "ان اجرى الا على رب العلمين[3]" على انا نعتقد أن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم قد تمت له خلافة الله العظمى ونيابته الكبرى فيده الكريمة عليا وأيدى العلمين سفلى جعل سبحنه وتعالى خزائن رحمته ونعمه وموائد جوده وكرمه طوع يديه، ومفوضة اليه صلى الله تعالى عليه وسلم ينفق

اور اسے پسند فرمایا۔

میں کہتا ہوں کسی کو مجال ہے کہ اس میں چار وجہ سے بحث کرے جن کو دو وجہیں گھیرے ہیں پہلی وجہ یہ کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ ابوبکر پر کسی کا ایسا احسان نہ تھا جس کا بدلہ دیا جائے اس لئے کہ انسان پر بڑے محسنوں میں اسکے ماں باپ ہیں۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: "حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔" اور یہ معلوم ہے کہ شکر نعمت کے مقابل ہی ہوتا ہے اور والدین کے احسانات ان دنیوی احسانات سے ہیں جن میں بدلہ دینا جاری ہے اور دینی احسانات نہیں ہیں جن کی بابت اللہ کا فرمان ہے (حضور اکرم نے فرمایا) "میں تم سے اس پر کچھ اُجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو جہانوں کے پروردگار پر ہے۔" اس کے علاوہ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالٰی کی خلافتِ عظمٰی اور نیابتِ کبرٰی کامل ہوچکی تو ان کا دستِ کرم بالا اور سب جہانوں کے ہاتھ پست، اللہ تعالٰی نے اپنی رحمت اور کل نعمت کے خزانے اور اپنے فیض وکرم کے خوان ان کے ہاتھوں کے مطیع کر دیئے، اور یہ سب انھیں سونپ دیا جیسے چاہیں خرچ کریں،

---

[1] القرآن الکریم ۳۱/۱۴ [2] القرآن الکریم ۲۵/۵۷ و ۳۸/۸۶
[3] " " ۲۶/۱۰۹ و ۱۲۷ و ۱۴۵ و ۱۶۴ و ۱۸۰۔

كيف يشاء وهو خزانة السر وموضع
نفوذ الامر فلا تنال بركة الا منه
ولا ينقل خير الا عنه كما قال صلى
الله تعالٰى عليه وسلم انما انا قاسم
والله المعطي[1]، فهو الذي يقسم الخيرات
والبركات وسائر النعماء والآلاء في
الارض والسماء والملك والملكوت
والاول والأخر والباطن والظاهر
أيقنت بها جماهير الفضلاء العظام
ومشاهير الاولياء الكرام كما حققته في
رسالتي الملقبة بسلطنة المصطفٰى صلى الله
تعالٰى عليه وسلم وفيها من المباحث
الفائقة والمدارك الشائقة ما تقر به
الاعين وتلذ به الاذان وتنشرح به الصدور
والحمد لله رب العٰلمين فاذن ماكان لابي بكر اوغيره
من مال وبلوغ أمال الا بعطاء النبي صلى الله
تعالٰى عليه وسلم فلم تنحصر النعم النبوية على
صاحبها الصلوٰة والتحية في النعم الدينية التي
لا تجزى فكما أن عليا لم يصلح مورد اللاٰية
فكذٰلك ابوبكر سواء بسواء۔
اقول والجواب عنه امّا اوّلًا فلانه

اور وہ رازِ الٰہی کا خزانہ اور اس کے حکم کی جائے نفاذ
ہیں تو برکت انھیں سے ملتی ہے اور خیر انھیں سے
حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے
فرمایا: "میں تو بانٹتا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔" تو
وہی خیرات و برکات اور ساری نعمتیں آسمان و
زمین و ملک و ملکوت اول و آخر باطن و ظاہر
میں بانٹتے ہیں اس پر فضلاء عظام اور
مشہور اولیائے کرام کے جمہور کا یقین ہے جیسا کہ میں نے
اپنے رسالہ "سلطنۃ المصطفٰی" میں تحقیق کی اس میں
کچھ ایسے مباحث فاضلہ اور پسندیدہ دلائل ہیں کہ
ان سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور کان لطف اندوز
ہوتے ہیں اور سینے کھلتے ہیں، تو جب یہ بات ہے
(کہ ساری برکت و نعمت مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء
کے سبب ہے) تو ابوبکر کو جو کچھ مال و منال حاصل
ہوا وہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عطا سے
ہی حاصل ہوا لہذا نبوی احسانات علٰی صاحبہا
الصلوٰۃ والتحیۃ ان دینی احسانات میں منحصر نہیں
جن کا بدلہ نہیں دیا جاتا تو جس طرح علی (رضی اللہ
تعالٰی عنہ) آیت کے مصداق نہ ٹھہرے اسی طرح
ابوبکر بھی یکساں طور پر آیت کے مصداق نہیں۔
میں کہتا ہوں اس اعتراض کا جواب اوّل

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من یرد اللہ خیرا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶
" " کتاب الجہاد باب قول اللہ تعالٰی فان قدمہ الخ " " " ۱/۴۳۹
" " کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی " ۲/۱۰۸۷

ان صح ما ذکرتم لتعطلت الآیة رأسا ولم یوجد لها مصداق ابدا اذ لیس فی الصحابة من لم یلده ابواه أو لم ینعم علیه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی دینه ودنیاه۔

تو یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہو جو آپ نے ذکر کیا تو آیت سرے سے معطل ہو جائے گی اور کبھی اس کا کوئی مصداق نہ پایا جائے گا اس لئے کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جو اپنے ماں باپ سے پیدا نہ ہوا یا اس پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین و دنیا کا کوئی احسان نہ فرمایا ہو۔

واما ثانیا وھو الحل فلأن نعم الدنیا لیست کلها مما تجزی اذ المجازاة ھو المکافأة وحاصل نعمة الوالدین أن اللہ سبحٰنه وتعالٰی جعلهما سببا لایجاده وخروجه من ظلمة العدم الی نور التکون وبهما جعله بشرا حسینا بعد أن کان ماء مهینا وھٰذا مما لا یمکن أن یجازی اذ لیس فی وسع احد ان یحیی ابویه او یکونهما بعد ان لم یکونا ولذلك قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لا یجزی ولد والده الا ان یجده مملوکا فیشتریه فیعتقه اخرجه مسلم وابوداؤد

اور جواب دوم اور وہی حل ہے یہ کہ دنیا کے سب احسان ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جاتا ہو اس لئے کہ احسان کا بدلہ یہ ہے کہ احسان کے مساوی اس کی جزا دے، اور والدین کے احسان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی نے انھیں بچّہ کی ایجاد اور عدم کی ظلمت سے نورِ ہستی میں آنے کا سبب بنایا ہے اور ان کے سبب سے اس کے بعد کہ وہ بے وقعت پانی تھا خوبصورت انسان بنایا، اور یہ احسان کا بدلہ نہیں ہوسکتا، یوں کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے والدین کو زندہ کردے، یا عدم کے بعد انھیں موجود کردے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی بچہ اپنے ماں باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتا مگر یہ کہ اُسے غلام پائے تو اسے خرید کر آزاد کردے۔" یہ حدیث مسلم وابوداؤد

لہ صحیح مسلم کتاب العتق باب فضل عتق الوالد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۹۵
سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی برالوالدین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۴۳

والترمذی[1] ونسائی وابن ماجة
فاشار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الٰی
بعض المجازاۃ علٰی حسب
مایدخل تحت الامکان فان الرق
موت حکما اذ بہ تتعطل الاھلیۃ
ویلتحق الانسان العاقل البالغ
بالبھائم فالعتق کانہ احیاء لہ و
اخراج من ظلمۃ البھیمیۃ الٰی نور
الانسانیۃ فعن ھٰذا عد اداء لبعض
حقوقھما وکذٰلک النعم النبویۃ
علٰی صاحبھا الصلٰوۃ والتحیۃ علٰی
حسب ماقررنا علیک لیست مما تجزی
وتجزی فیہ ذالک بھذا لانہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم فی ذٰلک المقام
الرفیع والمنصب البدیع انما یتصرف
علٰی خلافۃ الملک المقتدر تبارک و
تعالٰی ونعم الملک لاتجزی فان الاحسان
لایجازی الابالاحسان کما نطق بہ القراٰن
العظیم ومایجازی بہ العبد لابد ان
یکون ایضا من عطایاہ صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم فکان مکافأت عطائہ و

وترمذی ونسائی وابن ماجہ نے اپنی سندوں سے
روایت کی تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تھوڑے
بدلہ کی طرف (جو موافق مقدور بشر ہو) اشارہ
فرمایا اس لئے کہ غلامی موت کے حکم میں ہے اس
وجہ سے کہ اس کے سبب آدمی کی اہلیت معطل
ہوجاتی ہے اور عاقل بالغ انسان جانوروں سے مل جاتا ہے
لہذا اسے آزاد کرنا گویا کہ اسکو زندہ کرنا اور بہیمیت کی تاریکی
سے انسانیت کی روشنی میں لے آنا ہے اسی لئے ماں
باپ کو آزاد کرنا ان کے بعض حقوق کی ادائیگی میں
شمار ہوا، اسی طرح نبوی احسانات علٰی صاحبہا
الصلٰوۃ والتحیۃ جیسا کہ ہم نے تمہارے لئے ثابت
کیا ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جائے اور ان میں یہ
مقولہ جاری ہو کہ یہ اس احسان کا بدلہ ہے اس
لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو اس
مقام رفیع اور اس منصب بے نظیر میں بادشاہ
قادر تبارک وتعالٰی کی خلافت پر فائز ہو کر متصرف
ہیں اور بادشاہ کی نعمتوں کا بدلہ نہیں ہوتا،
اس لئے کہ بدلہ بغیر احسان کے نہیں ہوتا، جیسا
کہ اس پر قرآن عظیم ناطق ہے، اور بندہ احسان کا
جو بدلہ دے گا لامحالہ وہ بھی سرکار علیہ الصلٰوۃ و
السلام کی عطا سے ہوگا تو سرکار کی عطا کی مکافات

---

[1] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی حق الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/۱۳
سنن ابن ماجۃ ابواب الادب باب برالوالدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۸
مشکوٰۃ المصابیح کتاب العتق باب اعتاق العبد المشترک الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۹۴

بعطائه وهو غير معقول وعن هذا
نعتقد ان اداء شكر الله سبحنه وتعالیٰ
بمعنی فراغ الذمة منه محال
عقلاً اذ الشكر نعمة اخری فليشكرها
حتی يخرج عن عهدته ويتسلسل الی
مالا يتناهی فثبت ان الدليل لاغبار عليه
من هذا الوجه۔

الثانی ان المقدمة القائلة
ان الامة مجمعة علی ان افضل الخلق بعد
رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم
اما ابوبكر او علی رضی الله تعالیٰ عنهما۔
مدخول فيها اذ هناك فرقتان
اخريان تدعی احدهما تفضيل
سيدنا الفاروق رضی الله تعالیٰ عنه
علی جميع الامة، ومستندها ما يروی عن
النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، انه قال ما طلعت
الشمس علی رجل خير من عمر[1] وعنه صلی الله
تعالیٰ عليه وسلم: لوكان بعدی نبی لكان عمر بن خطاب[2]۔
وعنه صلی الله تعالیٰ عليه وسلم
ان الله تعالیٰ باهی باهل عرفة
عامة وباهی لعمر خاصة[3]

سرکاری عطا سے ہوگی، اور یہ معقول نہیں۔ یہیں
سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ
کا شکر بہ معنیٰ برأت ذمہ از شکر عقلاً
محال ہے اس لئے کہ شکر نعمت دیگر ہے تو بندہ
اس دوسری نعمت کا شکر کرے کہ عہدہ برآ
ہو اور یہ سلسلہ شکر کا نہایت کو نہ پہنچے، تو ثابت
ہوا کہ دلیل اس وجہ سے بے غبار ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مقدمہ جس کا مضمون
یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم
کے بعد افضل یا ابوبکر ہیں یا علی رضی اللہ تعالیٰ
عنہما۔ اس پر اجماع امت ہے۔
اس پر اعتراض کو مجال ہے اس لئے
کہ یہاں دو فرقے اور ہیں، ان میں کا ایک دعویٰ
کرتا ہے کہ سیدنا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ساری امت سے افضل ہیں، اور اسکی دلیل وہ
حدیث ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "حضرت عمر سے
بہتر کسی آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا" اور آپ سے مروی ہے
کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے"۔
اور حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے
روایت ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے عرفات میں جمع
ہونے والوں پر عام طور سے فخر فرمایا اور عمر سے خاص طور

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۷۳۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۷
[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۹
[3] کنز العمال حدیث ۳۲۷۲۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۵
" " ۳۵۸۵۸ " " ۱۲/ ۵۹۶

وان کان الاستدلال بہا و بامثالہا لا یقوم علی ساق اما روایۃً او درایۃً او معا کاستمساک المفضلۃ بحدیث علی خیر البشر وحدیث الطیر وحدیث الاستخلاف فی غزوۃ تبوک وما ضاھاھا فمنہا کذب مختلق ومنہا منکر واہ ومنہا ما لا یفید ھم شیئا وکذلک مضت سنۃ اللہ فی کل مبتدع یحتج ولا حجۃ ویجنح حیث لا محجۃ۔

سے مباہات فرمائی۔" اگرچہ اس روایت سے اور اس کے مشابہ روایتوں سے دلیل پائے ثبات پر قائم نہیں ہوتی یا بلحاظ روایت یا بلحاظ درایت یا دونوں کے لحاظ سے، جیسے تفضیلیہ کا حدیث علیٌّ خیر البشر علی سب انسانوں سے افضل ہیں اور حدیث طیر اور غزوۂ تبوک کے زمانہ میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو اپنا خلیفہ مقرر فرمانے کی روایت سے تمسک کا حال ہے کہ ان میں کچھ تو نری تراشیدہ جھوٹ ہیں اور کچھ منکر واہی (راویان ثقہ کے مقابل راویان غیر ثقہ کی روایات ضعیف ہیں) اور کچھ انھیں بالکل فائدہ مند نہیں اور یونہی اللہ تعالٰی کی سنت ہر بد مذہب کے حق میں ہوئی کہ وہ استدلال کرے حالانکہ دلیل نہیں اور وہاں کا قصد کرے جہاں راستہ نہیں۔

والفرقۃ الاخری تدعی تفضیل سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما وکان ملحظہم وان لم یعط فضھم قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیہ ان عم الرجل صنو أبیہ، وھو حدیث حسن اخرجہ الترمذی[1] وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولا شک

اور دوسرا فرقہ سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما کو سب سے افضل کہتا ہے، گویا ان کے مدنظر اگرچہ انکی مراد نہیں دیتا اس بارے میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بابت قول ہے کہ "آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہے"۔ اور یہ حدیث حسن ہے جسے ترمذی وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور کچھ شک نہیں کہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم العباس امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۷

انه رضی الله تعالیٰ عنه شیخ المسلمین
وسیدهم ومقدمهم وقائدهم
وعز نفوسهم وتاج رؤسهم حتی الخلفاء
الاربعة من هذا الوجه كما
ان حضرة البتول الزهراء واخاها
السید الكریم ابراهیم علیٰ ابیهما وعلیهما
الصلوٰة والتسلیم افضل الامة مطلقًا
من جهة النسب والجزائیة وكرامة الجوهر
والطینة۔

وبالجملہ فلا یتعین احد
من الشقوق الاربعة الا بابطال
الثلٰثة الباقیة جمیعا فكیف قلتم ان
الاٰیة لما لم تلتئم علیٰ علی تعین ابوبكر
مصداقا لها علی ان المسائل السمعیة
لا تنال الا من قبل السمع۔

فالناظر المتفحص لامذهب له
قبل ان ینظر فی دلیل فیظهر له سبیل
فان كان تمام الدلیل موقوفا علی
(التمذهب) بمذهب لزم الدور
وهذا نظیر ما اجبنا به عن استدلال
الائمة الشافعیة علی افتراض
الترتیب فی الوضوء بدخول الفاء

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیخ المسلمین ہیں
اور ان کے سردار ہیں اور ان کے صدر و قائد
اور اُن کی آبرو اور ان کے سروں کا تاج ہیں۔
اس وجہ سے چاروں خلفاء پر بھی انھیں فضیلت
ہے۔ جیسے حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے بھائی
سیدابراہیم ان کے والد اور ان پر صلوٰۃ و
سلام ہو، بروئے نسب وجزئیت وکرامت
جوہر وطینت تمام امت سے افضل
ہیں۔

بالجملہ ان چار شقوں سے کوئی شق باقی
تین وجوہ کو باطل کئے بغیر متعین نہیں ہوگی تو
آپ نے کیونکر فرمایا کہ آیت کریمہ جب علی پر
صادق نہ آئی تو ابوبکر اس کا مصداق متعین ہوگئے
علاوہ اس کے مسائل سمعیہ دلیل سمعی ہی سے
حاصل ہوتے ہیں۔

تو صاحبِ نظر وجستجو کا کوئی مذہب اس سے
پہلے نہیں ہوتا کہ وہ دلیل میں غور کرے تو کوئی راہ
اس کو روشن ہوجائے تو اگر دلیل کا تام ہونا کسی
مذہب سازی پر موقوف ہو تو دور لازم آئے گا
اور یہ اس جواب کی نظیر ہے جو ہم نے ائمہ شافعیہ
کی اس دلیل کے جواب میں کہا جو انھوں نے
وضو میں فرضیتِ ترتیب پر آیت کریمہ میں وجوہ

على الوجوه وعدم القائل بالفصل كما هو
مذكور في الخلافيات۔

اقول والجواب عنه ان مستندنا
الاول الذي عليه المعول في هذا الباب
اجماع الصحابة و التابعين لهم باحسان
رضي الله تعالىٰ عنهم اجمعين كما نقله
الامام الشافعي ثم البيهقي ثم أخرون
و دلت عليه احاديث عند البخاري وغيره
كما فصلته في الكتاب و اقمت الدليل
الجليل علىٰ أن الاجماع تام كامل
لم يثبت شذوذ منه ولا ندور و ان
الخلاف الذي ذكره ابو عمر بن عبد البر
فليس مما يعرج عليه او يلتفت
اليه لا رواية ولا دراية وان سلمنا
فالسواد الاعظم متبوع و اتباع
الشاذ ممنوع، وهذا القدر
يكفينا للتمذهب فانتفى الدور
نعم حديث الفرقتين قوي
صحيح لكن لا يخل بالمقصود
فان عمر و عباسا رضي الله تعالىٰ عنهما لم يكونا
مسلما حين نزول
الأية كما يظهر بالرجوع
الى التاريخ، فلم يقصدا
بالأية قطعا و به بطل
الشقان الباقيان و أل الدليل

پر دخولِ غار اور قائل بالفصل کے معدوم ہونے سے
قائم کی جیسا کہ خلافیات میں مذکور ہے۔

میں کہتا ہوں اور اس اعتراض کا جواب
یہ ہے کہ اس باب میں ہماری اولین سند جس پر
ہمارا اعتماد ہے جملہ صحابہ اور اچھے طریقے پر ان کے
تمام پیروانِ کار تابعین کا اجماع ہے جیسا کہ
امام شافعی پھر بیہقی پھر دیگر ائمہ نے اسے نقل کیا
اور اس پر بخاری وغیرہ کی احادیث دلالت کرتی
ہیں جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں مفصل بیان
کیا ہے اور اس امر پر میں نے دلیل جمیل قائم
کی کہ اجماع تام کامل ہے اور اس سے کسی کا خلاف
ثابت نہیں اور یہ کہ جو خلاف علامہ ابو عمر بن عبد البر
نے ذکر کیا نہ روایت کے لحاظ سے نہ درایت کے
لحاظ سے وہ اس قابل ہے کہ نظر اس پر گزرے
یا اس کی طرف مڑ کے دیکھا جائے۔ اور اگر ہم مان
لیں تو سوادِ اعظم ہی کی اتباع ہوگی اور شاذ و نادر
کی اتباع ممنوع ہوگی اور اتنی بات ہمیں مذہب
قرار دینے کو کافی ہے تو دور نہ رہا، ہاں ان
دو فرقوں کی (جو حضرت عمر و عباس کی فضیلت
پاتے ہیں) حدیث قوی و صحیح ہے، لیکن مقصود میں
خلل انداز نہیں اس لئے کہ عمر و عباس آیت
کے نزول کے وقت مسلمان نہ تھے، جیسا کہ
مطالعۂ تاریخ سے ظاہر ہے، تو یہ دونوں قطعی
آیت کے مقصود ہی نہ ہوئے، اور اسی وجہ سے
باقی دو شقیں باطل ہو گئیں اور آخر کار دلیل

الى الاحسان والارصان والحمد لله ولی الاحسان غاية الأمر ان الفاضل المستدل لم يطلع على هٰذين القولين اولم يعتد بهما لتناهيهما فى السقوط والشذوذ على أنا بحمد الله بعد ما ثبت الاجماع على ان الصديق هو المراد فى غنى عن هذه التجشمات كما لا يخفٰى اذا ثبت هذا **فنقول** وصف الله سبحٰنه وتعالى الصديق بأنه اتقى و وصف الاتقى بأنه اكرم انتجت المقدمتان أن الصديق اكرم عند الله تعالٰى والأفضل والاكرم والارفع درجة والاعلى مكانة كلها الفاظ معتورة على معنى واحد فثبت الفضل المطلق الكلى للصديق والله تعالٰى ولى التوفيق، هذا تقرير الدليل بحيث يشفى العليل ويروى الغليل والحمد للمولى الجليل واعلم أن هذا الاحتجاج اطبقت عليه كلمات العلماء سلفا وخلفا وارتضوه وتلقوه بالقبول تليدا وطارفا ولا شك انه لجدير بذلك لكن المفضلة لهم كلام فيه بثلثة وجوه نذكرها نردها بحيث لا يبقى ولا يذر بتوفيق الله العلى الاكبر۔

فنقول الشبهة الاولٰى ان من المفسرين من فسر الاتقى بالتقى

مضبوط و مستحکم رہی، اس معاملہ کی نہایت کار یہ کہ فاضل مستدل کو تو ان دونوں مذہبوں کا علم نہ ہوا یا اس وجہ سے کہ سقوط و ندرت میں حد کو پہنچے ہونے کی وجہ سے انھیں شمار ہی نہیں فرمایا، مزید برآں بحمداللہ اس پر اجماع کہ صدیق ہی مراد آیت ہیں کے ثابت ہونے کے بعد ہم ان تکلفات سے بے نیاز ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے جب یہ بات ثابت ہو چکی تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے صدیق کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اتقی ہیں اور اتقی کا وصف بتایا کہ وہ اکرم ہے ان دو مقدموں نے نتیجہ دیا کہ صدیق اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم (سب سے افضل) ہیں اور افضل واکرم اور ارفع درجۃ اور اعلیٰ منزلۃ یہ سب الفاظ ایک ہی معنیٰ پر صادق آتے ہیں، لہذا فضل مطلق کلی صدیق کیلئے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے اور تم جان لو کہ اس استدلال پر جملہ علماء سلف و خلف کا اتفاق ہے اور سب نے اسے پسند کیا اور قبول کے ہاتھوں لیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ اس کے قابل ہے، لیکن تفضیلیہ کو اس میں تین وجوہ سے کلام ہے ہم ان وجہوں کو خدائے بزرگ و برتر کی توفیق کے سہارے ذکر کرتے ہیں اور ان کا ایسا رد کرتے جو کوئی شبہہ باقی نہ چھوڑے اور کوئی شک نہ رہے۔

ہم کہتے ہیں کہ پہلا شبہہ یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اتقی کی تفسیر تقی (صفت

كما في المعالم والبيضاوي وغيرهما
من التفاسير فسقط الاحتجاج
عن اصله اقول ولا علينا
ان نمهد اولا مقدمات
تعينك ان شاء الله تعالٰى
في الجواب عن هٰذا الارتياب
ثم نرفع الحجاب عن
وجه الصواب بتوفيق العليم الوهاب
فاستمع لما يلقى
عليك۔

المقدمة الاولٰى ما تظافرت
الادلة من العقل والنقل و
ناهيك بهما امامين علٰى ان الالفاظ
لا تصرف عن ظواهرها ما لم تمس حاجة
شديدة لا تندفع الا به والا لم يكن
هذا تاويلا بل تغييرا وتبديلا، ولو فتح
باب التصرفات من دون ضرورة تلجئ
لارتفع الامان عن النصوص كما
لا يخفٰى وهذا لغاية ظهوره اغنانا
عن تجشم اقامة الدليل عليه
حتى ان بعض العلماء ادرجوه
في متون العقائد، وانه لحقيق
به فان قصارى همم المبتدعين
عن اٰخرهم انما هو صرف النصوص عن
الظواهر وارتكاب تاويلات

مشبہ جس میں فضیلت دوسرے پر ملحوظ نہیں
کہ صرف تقویٰ سے اتصاف ہے) سے کی
جیسا کہ معالم و بیضاوی وغیرہما تفاسیر میں ہے
تو استدلال جس کی بنیاد اتقیٰ کے اسم تفضیل
ہونے پر تھی) جڑ سے اکھڑ پڑا۔ میں کہتا ہوں
ہمارا کوئی حرج نہیں اس میں کہ ہم پہلے کچھ
ایسے مقدمات کی تمہید اٹھائیں جو جواب میں
ان شاء اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کریں پھر ہم خدائے
دانا و بخشندہ کی توفیق کے سہارے چہرۂ صواب
سے حجاب اٹھائیں تو سنو جو تم سے کہا جائے۔

پہلا مقدمہ عقل و نقل کی بکثرت دلیلیں
(اور یہ دونوں امام تمھیں کافی ہیں) اس پر متفق
ہیں کہ الفاظ کو اپنے ظاہری معنیٰ سے پھیرنا
منع ہے جب تک کہ سخت حاجت نہ ہو جو لفظ
کو ظاہری معنیٰ سے پھیرے بغیر دفع نہ ہو ورنہ
یہ بے ضرورت پھیرنا تاویل نہ ہوگا بلکہ تغییر و تبدیل
ٹھہرے گا اور اگر بے ضرورت پھیرنے کا دروازہ
کھل جائے تو نصوص شرعیہ سے امان اٹھ جائے
جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور یہ مسئلہ چونکہ نہایت
ظاہر ہے اس لئے اس نے ہمیں دلیل قائم
کرنے کی زحمت سے بے نیاز کر دیا۔ بعض علماء
نے اسے عقائد کے متون میں رکھا اور یہ مسئلہ اس کا
سزاوار ہے اس لئے کہ سب بدمذہبوں کی
ساری کوشش یہی ہے کہ عبارات شرعیہ کو
ان کے ظاہری معنیٰ سے پھیر دیں اور فاسد

فاسدة واحتمالات كاسدة واعذار باردة فوجب علينا حسم مادتها بايجاب حمل النصوص على ما يعطيه ظاهرها الا بضرورة ابدًا وهذا ظاهر جدًّا۔

المقدمة الثانية ليس كل ما يذكر في اكثر التفاسير المتداولة واجب القبول وان لم يساعده معقول ويؤيده منقول، والوجه في ذٰلك ان التفسير المرفوع وهو الذي لا محيص عن قبوله ابدًا انذر يسير جدا لا يبلغ المجموع منه جزء أو جزئين۔

قال الامام الجويني علم التفسير عسير يسير اما عسره فظاهر من وجوه اظهرها انه كلام متكلم لم يصل الناس الى مراده بالسماع منه، ولا امكان للوصول اليه بخلاف الامثال والاشعار ونحوها فان الانسان يمكن علمه منه اذا تكلم بأن يسمع منه او ممن سمع منه، واما القرآن فتفسيره على وجه القطع لا يعلم الا بان يسمع من الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم وذٰلك متعذر الا في

تاویلوں اور کھوٹے احتمالوں اور نہ چلنے والے بہانوں کے مرتکب ہوں تو ہم پر واجب ہے کہ نصوص شرعیہ کو مقامِ ضرورت کے سوا ہمیشہ ان کے ظاہری معنیٰ پر رکھنا واجب بتا کر ان تاویلات کا مادہ کاٹ دیں، اور یہ بات خوب ظاہر ہے۔

دوسرا مقدمہ بہت سی متداول تفسیروں میں جو مذکور ہوتا ہے وہ سب ایسا نہیں جس کا قبول کرنا ضروری ہو اگرچہ نہ کوئی دلیل عقلی اس کی معین ہو نہ کوئی دلیل شرعی اسکی مؤید ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر مرفوع (جو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمائی) وہ بہت تھوڑی ہے جس کا مجموعہ دو جزء بلکہ ایک جزء کو بھی نہیں پہنچتا۔

امام جوینی کا قول ہے علمِ تفسیر مشکل اور کم ہے، اس کا مشکل ہونا تو کئی وجوہ سے ظاہر ہے، ان میں روشن تر وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے متکلم (عزّ جلالہ) کا کلام ہے جس کی مراد کو لوگ اس سے سُن کر نہ پہنچے اور نہ اس کی طرف رسائی کا امکان ہے بخلاف امثال واشعار اور ان جیسی اور باتوں کے کہ انسان کو بولنے والے کی مراد معلوم ہو سکتی ہے جب وہ بولے بایں طور کہ وہ اس سے خود سُنے یا اس سے سُنے جس نے اس سے سُنا ہو۔ رہی قرآن کی قطعی طور پر تفسیر تو وہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنے بغیر معلوم نہ ہو گی اور وہ (جو سرکار

أيات متعددة قلائل، فالعلم بالمراد يستنبط بأمارات ودلائل، والحكمة فيه ان الله تعالٰى اراد ان يتفكر عباده فی كتابه، فلم يامر نبيه صلى الله تعالٰى عليه وسلم بالتنصيص على المراد فی جميع أياته[1] اھ۔

علیہ الصلٰوۃ والسلام سے سنا گیا) چند گنتی کی آیتوں کے ماسوا میں متعذر ہے تو مراد الٰہی کا علم اُمارات ودلائل سے مستخرج ہوتا ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے چاہا کہ اس کے بندے اس کی کتاب میں غور وفکر کریں لہٰذا اپنے نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو اپنی تمام آیات کی مراد واضح طور پر بتانے کا حکم نہ دیا اھ۔

وقال الامام الزركشی فی البرهان للناظر فی القراٰن لطلب التفسير مآخذ كثيرة أمهاتها اربعة الأول النقل عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وهذا هو الطراز الاول لكن يجب الحذر من الضعيف فيه والموضوع فانه كثير[2] الخ۔ قال الامام السيوطی الذی صح من ذلك قليل جدا بل اصل الموضوع منه فی غاية القلة، وكذلك المأثور عن الصحابة الكرام و التابعين لهم باحسان قلائل لهذه الطوامير الكبر والاقاويل الذاهبة شذر مذر فيها لا خبر ولا اثر وانما حدثت بعدهم لما كثرت الاٰراء و تجاذبت الاهواء قام كل لغوى و نحوى و بيانى و كل من له

اور امام زرکشی نے برہان میں فرمایا جو شخص قرآن میں تفسیر کے حصول کیلئے نظر کرتا ہے اس کے لئے بہت سے مراجع ہیں جن کے اصول چار ہیں، اول وہ تفسیر جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہو اور یہی پہلا نمایاں طریقہ ہے لیکن اس میں ضعیف وموضوع سے احتراز واجب ہے اس لئے کہ وہ (ضعیف وموضوع) زیادہ ہے الخ۔ اور اسی طرح وہ تفسیر جو صحابہ کرام اور ان کے تابعین نیکوکار سے منقول ہے وہ ان بڑے طوماروں اور ان اقوال کے مقابل کم ہیں جو مختلف راہوں میں چلے گئے اور ان کے لئے کوئی حدیث یا صحابی وتابعی کا قول نہیں، یہ اقوال تو صحابہ وتابعین کے بعد ظاہر ہوئے۔ جب خیالات بسیار ہوئے اور مذاہب میں

---

[1] الاتقان بحوالہ الجوینی فصل الحاجۃ الی التفسیر دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۳۰
[2] البرہان فی علوم القرآن فصل فی امہات مآخذ التفسیر للناظر فی القرآن دار الفکر بیروت ۲/۱۵۶

ممارسة بشيء من انواع علوم القرآن يفسر الكلام العزيز بما سمح به فكره وادى اليه نظره ثم جاء الناس مهرعين و بجمع الاقوال مولعين فنقلوا ما وجدوا وقليلا ما نقدوا وافعن هذا جاءت كثرة الاقاويل ختلاط الصواب بالأباطيل۔

وذكر ابن تيمية كما نقله الامام السيوطي قائلا انه نفيس جدا لذلك وجهين احدهما قوم اعتقدوا معاني، ثم ارادوا حمل الفاظ القرآن عليها. والثاني قوم فسروا القرآن بمجرد ما يسوغ ان يريده من كان من الناطقين بلغة العرب من غير نظر الى المتكلم بالقرآن والمنزل عليه والمخاطب به، فالاولون راعوا المعنى الذى راوه من غير نظر الى ما يستحقه الفاظ القرآن من الدلالة والبيان۔ والأخرون راعوا مجرد اللفظ و ما يجوز ان يريد به العربي من غير نظر الى ما يصلح للمتكلم وسياق الكلام۔

کشاکش ہوئی تو ہر لغوی ہر نحوی اور ہر عالم بلاغت اور ہر وہ شخص جسے علوم قرآن کی قسموں سے کسی قسم کے علم کی ممارست تھی اس کلام سے کلام عزیز کی تفسیر کرنے لگا جو اس کی سمجھ تک تھا اور جس کی طرف اس کی نظر پہنچی - پھر لوگ رواں دواں اقوال کو جمع کرنے کے شائق ہوئے تو جو انھوں نے پایا اُسے نقل کر دیا اور تحقیق کم کی تو اسی سے اقوال کی کثرت اور حق کی ناحق سے آمیزش آئی۔

اور ابن تیمیہ نے جیسا کہ امام سیوطی نے اس کا کلام یہ کہہ کر نقل کیا کہ وہ بہت نفیس ہے اس کی دو وجہیں ذکر کیں، پہلی وجہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کچھ معانی کو عقیدہ ٹھہرا لیا، پھر انھوں نے قرآن کے الفاظ کو ان پر رکھنا چاہا۔ اور دوسری وجہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے قرآن کی تفسیر محض ان الفاظ سے کی جو کسی عربی زبان بولنے والے کی مراد ہو سکتے ہیں انھوں نے قرآن کے متکلم (باری تعالیٰ) اور جس پر اترا اور جو اس کا مخاطب ہے کی طرف نظر نہ کی تو پہلی جماعت نے تو اس معنیٰ کی رعایت کی جو ان کا عقیدہ تھا، انھوں نے قرآن کے الفاظ کی دلالت اور بیان جس کے وہ الفاظ سزاوار ہیں کو نظر انداز کر دیا۔ اور دوسروں نے صرف لفظ اور جو عربی کی مراد ہو سکتا ہے اس کا لحاظ کیا قطع نظر اس سے کہ متکلم کے شایان کیا ہے اور سیاق کلام کیا ہے۔

ثم هؤلاء کثیرًا ما یغلطون فی احتمال اللفظ لذلك المعنی فی اللغة کما یغلط فی ذلك الذین قبلهم کما ان الاولین کثیرا ما یغلطون فی صحة المعنی الذی فسروا به القرأن کما یغلط فی ذلك الأخرون وان کان نظر الاولین الی المعنی اسبق ونظر الآخرین الی اللفظ اسبق، والأولون صنفان تارة یسلبون لفظ القرأن مادل علیه وارید به وتارة یحملونه علی مالم یدل علیه ولم یرد به، وفی کلا الامرین قد یکون ما قصدوا نفیه او اثباته من المعنی باطلا فیکون خطأهم فی الدلیل والمدلول وقد یکون حقا فیکون خطؤهم فیه فی الدلیل لا فی المدلول (الی ان قال) وفی الجملة من عدل عن مذاهب الصحابة والتابعین وتفسیرهم الی مایخالف ذلك کان مخطئا فی ذلك بل مبتدعا لانهم کانوا اعلم بتفسیره ومعانیه کما انهم اعلم بالحق الذی بعث اللہ به رسوله[1] اھ ملخصًا۔

پھر یہ لوگ بسا اوقات لغت کے اعتبار سے لفظ کے اسی معنی کو (جو انھوں نے مراد لئے) محتمل ہونے میں خطا کرتے ہیں جیسا کہ ان کے پہلے والے بھی یہی غلطی کرتے ہیں جس طرح یہ اگلے اسی معنی کی صحت میں غلطی کرتے ہیں جس سے انھوں نے قرآن کی تفسیر کی جیسا کہ دوسرے لوگ بھی خطا کرتے ہیں اگرچہ پہلے والوں کی نظر معنی کی طرف پہلے پہنچتی ہے اور دوسروں کی نظر لفظ کی طرف سبقت کرتی ہے، اور پہلی جماعت دو صنف ہے کبھی تو لفظِ قرآن سے اس کا مدلول و مراد چھین لیتے ہیں اور کبھی لفظ کو اس پر رکھتے ہیں جو اس کا معنی و مطلب نہیں اور دونوں باتوں میں کبھی وہ معنی جس کی نفی اثبات ان کا مقصود ہوتی ہے باطل ہوتا ہے تو ان کی خطا لفظ و معنی دونوں میں ہوتی ہے اور کبھی حق ہوتا ہے تو ان کی خطا لفظ میں ہوتی ہے نہ کہ معنی میں۔ (ابن تیمیہ نے یہاں تک کہا) مختصر یہ کہ جو صحابہ و تابعین اور ان کی تفسیر سے پھر کر ان کا خلاف اختیار کرے گا وہ اس میں بر سرِ خطا ہوگا بلکہ بدمذہب ہوگا اس لئے کہ صحابہ و تابعین کو قرآن کی تفسیر اس کے مطالب کا علم سب سے زیادہ تھا، جس طرح انھیں اس حق کی جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا خبر سب سے زیادہ تھی اھ ملخصًا۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۱ و ۴۴۲

ولذا قال الامام ابو طالب طبری فی اوائل تفسیرہ فی القول فی آداب المفسر، ویجب ان یکون اعتمادہ علی النقل عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ و وسلم وعن اصحابہ ومن عاصرھم ویتجنب المحدثات الخ[1]۔ وقال ابن تیمیۃ ایضا کان النزاع بین الصحابۃ فی تفسیر القرآن قلیلا جدا وھو (و)ان کان بین التابعین اکثر منہ بین الصحابۃ فھو قلیل بالنسبۃ الی ما بعدھم[2] الخ۔ وقال السیوطی بعد ما ذکر تفاسیر القدماء " ثم الف فی التفسیر خلائق فاختصروا الاسانید ونقلوا الاقوال بترا فدخل من ھذا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل، ثم صار کل من سنح لہ قول یوردہ، ومن یخطر ببالہ شیء یعتمدہ، ثم ینقل ذلک عنہ من یجیء بعدہ ظانا ان لہ اصلا غیر ملتفت الی تحریر ما ورد عن السلف الصالح ومن یرجع الیھم فی التفسیر حتی رأیت

اور اسی لئے امام ابو طالب طبری نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں آداب مفسر کے بیان میں فرمایا کہ ضروری ہے کہ مفسر کا اعتماد اس پر ہو جو نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے منقول ہے اور نئی باتوں سے بچے۔ نیز ابن تیمیہ کا قول ہے صحابہ کے درمیان قرآن کی تفسیر میں بہت کم اختلاف تھا اور تابعین میں اگرچہ اختلاف صحابہ سے زیادہ ہوا مگر ان کے بعد والوں کی بہ نسبت تھوڑا تھا، اور سیوطی علیہ الرحمہ نے قدماء کی تفسیروں کا ذکر فرما کے فرمایا، "پھر تفسیر میں بہت لوگوں نے کتابیں تصنیف کیں تو انھوں نے سندوں کو مختصر کر دیا اور ناتمام اقوال نقل کئے تو اس وجہ سے دخیل گھسا اور صحیح و غیر صحیح مخلوط ہو گئے پھر ہر شخص جس کے دل میں کوئی بات آئی اس کو ذکر کرنے لگا۔ اور جس کے فکر میں جو خطرہ گزرا وہ اس پر اعتماد کرنے لگا۔ پھر اس کے بعد جو آتا رہا وہ اس کے یہ خیالات نقل کرتا رہا اس گمان میں کہ اس کی کوئی اصل ہے، سلف صالحین اور ان لوگوں سے جو تفسیر میں مرجع ہیں اور جو وارد ہوا اس کی تحقیق کی طرف توجہ نہ کی یہاں تک کہ میں نے

عہ سقطت ھذہ الواو من قلم الناسخ وزدناھا فی القوسین بعد ما رأینا الاتقان فوجدناھا فیہ۔ الازہری غفرلہ

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۳۵

[2] " " " " بحوالہ ابن تیمیہ ۲/۴۳۷

من حکی فی تفسیر قولہ تعالٰی "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" نحو عشرۃ اقوال، وتفسیرھا بالیھود والنصارٰی ھو الوارد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وجمیع الصحابۃ والتابعین واتباعھم حتی قال ابن ابی حاتم لا اعلم فی ذٰلک اختلافا بین المفسرین[1] (الٰی ان قال) فان قلت فای التفاسیر ترشد الیہ وتأمر الناظر ان یعول علیہ۔

قلت تفسیر الامام ابی جعفر بن جریر الطبری الذی اجمع العلماء المعتبرون علی انہ لم یؤلف فی التفسیر مثلہ[2] الخ

وفی المقاصد والبرھان والاتقان وغیرھا عن الامام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ثلٰثۃ لیس لھا اصل المغازی والملاحم والتفسیر[3] اھ۔ قلت وھذا ان لم یکن جاریا علی اطلاقہ لما یشھد بہ الواقع الا انہ

ایسے شخص کو دیکھا جس نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر میں تقریباً دس قول نقل کئے حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے یہی منقول ہے کہ اس سے یہود ونصارٰی مراد ہیں یہاں تک کہ ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ مجھے مفسرین کے درمیان اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں (یہاں تک انھوں نے کہا) اب اگر تم کہو تو کون سی تفسیر کی طرف آپ رہنمائی فرماتے ہیں اور ناظر کو کس پر اعتماد کا حکم دیتے ہیں۔

میں کہوں گا "تفسیر امام ابوجعفر بن جریر طبری" کی تفسیر معتمد علماء نے جس کے لئے بالاتفاق فرمایا کہ تفسیر میں اس جیسی کوئی تالیف نہیں ہوئی الخ

اور مقاصد، برہان اور اتقان وغیرہ میں امام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا، تین کتابوں کی کوئی اصل نہیں، کتب سیر وغزوات وتفسیر اھ۔

میں کہتا ہوں اگرچہ یہ بات اپنے اطلاق پر جاری نہیں جیسا کہ واقعہ اس کا گواہ ہے مگر یہ بات

عہ لعلہ کما - الازہری غفرلہ

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۷۴ و ۴۷۵

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/۴۷۶

[3] 〃 〃 〃 النوع الثامن والسبعون 〃 〃 〃 ۲/۴۴۰

لم ينقله مالم ير الخلط غالبا عليها كما لايخفى وهذا فى زمانه فكيف بما بعده وفى مجمع بحار الانوار عن رسالة ابن تيمية "وفى التفسير من هذه الموضوعات كثيرة كما يرويه الثعلبى والواحدى والزمخشرى فى فضل السور، الثعلبى فى نفسه كان ذاخير ودين لكن كان حاطب ليل ينقل ماوجد فى كتب التفسير من صحيح وضعيف وموضوع والواحدى صاحبه كان ابصر منه بالعربية لكن هو ابعد عن اتباع السلف، والبغوى تفسيره مختصر من الثعلبى لكن صان تفسيره عن الموضوع والبدع اھ[1] وفيه عن جامع البيان لمعين بن صيف قد يذكر محى السنة البغوى فى تفسيره من المعانى والحكايات ما اتفقت كلمة المتاخرين على ضعفه بل على وضعه اھ[2] وفيه عن الامام احمد رحمة اللہ تعالٰی علیہ انہ قال فى تفسير الكلبى

یقینی ہے کہ امام احمد نے یہ بات نہ کہی جب تک ان کتابوں میں صحیح وسقیم کے خلط کا غلبہ نہ دیکھ لیا جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ قرآن کے زمانہ میں تھا تو ان کے بعد کیسی حالت ہوتی ہوگی۔ اور مجمع بحار الانوار میں رسالہ ابن تیمیہ سے منقول ہے اور تفسیر میں ان موضوعات سے بہت ہے جیسے وہ حدیثیں جو ثعلبی اور واحدی اور زمخشری سورتوں کی فضیلت میں روایت کرتے ہیں اور ثعلبی اپنی صفات میں صاحب خیر و دیانت تھے، لیکن رات کے لکڑہارے کی طرح تھے کہ تفسیر کی کتابوں میں صحیح، ضعیف، موضوع جو کچھ پاتے نقل کردیتے تھے، اور ان کے ساتھی واحدی کو عربیت میں ان سے زیادہ بصیرت تھی لیکن وہ سلف کی پیروی سے بہت دُور تھا، اور بغوی کی تفسیر ثعلبی کی تلخیص ہے، لیکن اُنھوں نے اپنی تفسیر کو موضوعات اور بدعتوں سے بچایا ہے اور اسی میں جامع البیان مصنفہ معین بن صیفی سے ہے "کبھی محی السنۃ بغوی اپنی تفسیر میں وہ مطالب حکایات ذکر کرتے ہیں جسے متاخرین نے یک زبان ضعیف بلکہ موضوع کہا ہے۔ اور اسی میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے کہ انھوں نے فرمایا: تفسیر کلبی میں شروع سے

---

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین لبعض الوضاع وکتبھم مکتبہ دارالایمان مدینۃ المنورۃ ۵/۲۳۱

[2] " " " " " " " " " " " " " " " " "

من اوله الى اخره كذب لا يحل النظر فيها[1] اھ۔

وقد عد الخليلي في الارشاد اجزاء قلائل من التفسير صحت اسانيدها وغالبها بل كلها لا توجد الآن اللھم الا نقول عنها في اسفار المتاخرين" قال وهذه التفاسير الطوال التي اسندوها الى ابن عباس غير مرضية ورواتها مجاهيل كتفسير جويبر عن الضحاك عن ابن عباس[2] الخ

وقال فاما ابن جريج فانه لم يقصد الصحة وانما روى ما ذكر في كل اية من الصحيح والسقيم، وتفسير مقاتل بن سليمان فمقاتل في نفسه ضعفوه وقد ادرك الكبار من التابعين والشافعي اشار الى ان تفسيره صالح[3] اھ قال المولى السيوطي قدس الله سره واوهى طرقه (يعني تفسير ابن عباس رضي الله تعالى عنهما) طريق الكلبي عن ابي صالح عن ابن عباس فان انضم الى ذلك رواية محمد بن مروان السدي

آخر تک جھوٹ ہے اس کا مطالعہ حلال نہیں اھ۔

اور بیشک خلیلی نے ارشاد میں تھوڑے تفسیر کے جُز ایسے شمار کئے جن کی سندیں صحیح ہیں اور ان کا اکثر بلکہ وہ سب اب نہیں ملتا۔ الٰہی! تیری مدد ہو، مگر چند نقول ان کی متاخرین کی کتابوں میں ہیں، ابن تیمیہ نے کہا اور یہ لمبی تفسیریں جن کی نسبت لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کی ہے ناپسندیدہ ہیں اور اس کے راوی مجہول ہیں جیسے تفسیر جویبر بروایت ضحاک عن ابن عباس الخ۔ اور کہا رہے ابن جریج تو انھوں نے صحیح روایتوں کا قصد نہ کیا انھوں نے ہر آیت کی تفسیر میں جو کچھ صحیح وسقیم مذکور ہوا روایت کردیا۔ اور مقاتل بن سلیمان کو علماء نے فی نفسہٖ ضعیف بتایا حالانکہ انھوں نے اکابر تابعین سے اور امام شافعی سے ملاقات کی یہ اشارہ ہے کہ ان کی تفسیر لائق قبول ہے اھ امام سیوطی قدس سرہٗ نے فرمایا اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سب سے کمزور سند کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس ہے پھر اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان سدی صغیر کی روایت مل جائے

---

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبھم مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۵/ ۲۳۰

[2] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ الخلیلی النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۰

[3] " " " " " " " " " " " " ۲/ ۴۷۱

الصغير فهي سلسلة الكذب وكثيرا
ما يخرج منها الثعلبي والواحدي.
ولكن قال ابن عدي في الكامل للكلبي
احاديث صالحة وخاصة عن ابي صالح
وهو معروف بالتفسير وليس لاحد
تفسير اطول منه ولا اشبع، وبعده
مقاتل بن سليمان الا أن الكلبي
يفضل عليه لما في مقاتل من
المذاهب الرديئة وطريق الضحاك بن
مزاحم عن ابن عباس منقطعة فان
الضحاك لم يلقه فان انضم الى
ذلك رواية بشر بن عمارة عن
ابي روق عنه فضعيفة لضعف بشر،
وقد اخرج من هذه النسخة كثيرا
ابن جرير وابن ابي حاتم وان كان
من رواية جويبر عن الضحاك فأشد
ضعفا لان جويبرا شديد الضعف
متروك[1] الخ قال ورأيت في فضائل
الامام الشافعي لابي عبد الله محمد
بن احمد بن شاكر القطان أنه اخرج
بسنده من طريق بن عبد الحكم قال
سمعت الشافعي يقول لم يثبت عن
ابن عباس في التفسير الا شبيه

تو یہ جھوٹ کا سلسلہ ہے، اور ایسا بہت ہوتا
ہے کہ ثعالبی اور واحدی اس سلسلہ سے روایت کرتے ہیں۔
لیکن ابن عدی نے کامل میں فرمایا کلبی کی احادیث
قابل قبول ہیں اور خصوصاً ابو صالح کی روایت سے
اور وہ تفسیر کے سبب معروف ہیں اور کسی کی
تفسیر ان سے زیادہ طویل اور بھرپور نہیں،
اور ان کے بعد مقاتل بن سلیمان ہیں، مگر کلبی کو
ان پر اس لئے فضیلت ہے کہ مقاتل کے یہاں
ردی خیالات ہیں اور سند ضحاک بن مزاحم عن
ابن عباس منقطع ہے اس لئے کہ ضحاک نے
ابن عباس سے ملاقات نہ کی پھر اگر اس کے
ساتھ روایت بشر بن عمارہ عن ابی روق مل جائے
تو بوجہ ضعف بشر ضعیف ہے، اس نسخہ سے
بہت حدیثیں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے
تخریج کیں اور اگر جویبر کی کوئی روایت ضحاک
سے ہو تو سخت ضعیف ہے اس لئے کہ جویبر
شدید الضعف متروک ہے، انھوں نے کہا
اور میں نے فضائل امام شافعی مصنفہ ابو عبد اللہ
محمد بن احمد بن شاکر قطان میں دیکھا کہ انھوں
نے اپنی سند بطریق ابن عبد الحکم روایت کیا
کہ ابن عبد الحکم نے فرمایا میں نے امام شافعی
کو فرماتے سنا کہ ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ
عنہ) کی تفسیر میں تقریباً سو حدیثیں

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۷۱ و ۴۷۲

بمائة حديث.[1]

قلت وهذه معالم التنزيل للامام البغوى مع سلامة حالها بالنسبة الى كثير من التفاسير المتداولة ودنوها الى المشرع الحديثى يحتوى على قناطير مقنطرة من الضعاف والشواذ والواهيات المنكرة وكثيرا ماتدور اسانيدها على هٰؤلاء المذكورين بالضعف والجرح كالثعلبى والواحدى والكلبى والسدى ومقاتل وغيرهم ممن قصصنا عليك اولم نقصص فما ظنك بالذين لااعتناء لهم بعلم الحديث ولااقتدار على نقد الطيب من الخبيث كالقاضى البيضاوى وغيره ممن يحذو حذوه، فلا تسئل عما عندهم من اباطيل لازمام لها ولاخطام دع عنك هذا أياليتهم اقتصروا على ذٰلك لكن بعضهم تعدوا ماهنالك وسلكوا مسالك تجر الى مهالك فادلجوا فى تفسير القرآن ما تقف له الشعر و تنكره القلوب و تمجه الاذان اذ قرى و اقصص الانبياء الكرام والملٰئكة العظام عليهم الصلوٰة والسلام

ثابت ہیں۔

میں کہوں گا اور یہ معالم التنزیل ہے جو امام بغوی کی تصنیف ہے، باوصف یہ کہ بہت سی رائج تفسیروں کے مقابل غلطیوں سے محفوظ ہے اور طرز حدیث سے قریب ہے بہت ضعیف و شاذ اور واہی منکر روایتوں پر مشتمل ہے اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ اس کی روایت کی سندیں ان پر دورہ کرتی ہیں جن کا نام ضعف وجرح کے ساتھ لیا جاتا ہے جیسے ثعلبی، واحدی، کلبی، سدی اور مقاتل وغیرہم جن کا ہم نے تم سے بیان کیا اور جن کا بیان نہ کیا تو تمہارا گمان انکے ساتھ کیسا ہے جنھیں علم حدیث کا اہتمام نہیں اور ستھرے کو میلے سے الگ کرنے کی قدرت نہیں جیسے قاضی بیضاوی اور ان کے علاوہ جو بیضاوی کے طریقہ پر چلتے ہیں، تو ان کے پاس ان باطل اقوال کا حال نہ پوچھو جن کے لئے نہ لگام ہے نہ بندش کی رسّی، اس خیال کو اپنے سے دور رہنے دو، کاش یہ لوگ اسی پر بس کرتے، مگر ان میں سے کچھ لوگ اس سے آگے بڑھے اور ایسے رستے چلے جو ہلاکتوں کی طرف کھینچ کر لے جائیں تو انھوں نے قرآن کی تفسیر میں ایسی باتیں داخل کر دیں جن سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل انھیں ناپسند کرتے اور کان انھیں پھینکتے ہیں اس لئے

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۴/۲۰۲

بما ينقض عصمتهم وينقص او يزيل
عن قلوب الجهال عظمتهم كما
يظهر على ذلك من راجع قصة آدم
وحواء وداؤد واوريا و سليمان
والجسد الملقى والالقاء فى الامنية
والغرانقة العلى وهاروت و
ماروت وما ببابل جرى
فبالله التعوذ واليه المشتكى
فاصابهم فى ذلك ما
اصاب اهل السير والملاحم
فى نقل مشاجرات الصحابة، اذ جاء
كثير منها منا قضا للدين
وموهنا لليقين و ازداد خنا
على خنى وهنات على
هنات ان اطلع على
كلامهم لبعض من ليس
عنده آثارة من علم
ولامتانة من حلم فضل و
أضل اما اغترارًا بكلماتهم
جهلا منه بما فيه من
الوبال البعيد والنكال الشديد
واما ظلمًا وعلوًّا لاجترائه بذلك
على ابانة ما فى قلبه المرض
من تنقيص الانبياء وتفسيق الاولياء
فمضى عليه الكبير ونشاء عليه الصغير

انبیاء کرام و ملائکہ عظام کے قصوں میں ایسی باتوں
کو مقرر رکھا جن سے اس کی عصمت نہیں رہتی
اور جاہلوں کے دل میں ان کی عظمت کم ہو جاتی
ہے یا زائل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بات آدم و
حوا و داؤد و اوریا اور سلیمان اور ان کی کرسی
پر پڑے ہوئے جسم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی تلاوت کے دوران شیطان کے القاء اور
غرانیق علی کے واقعات اور ہاروت و ماروت
اور بابل کا ماجرا کا مطالعہ کرنے والے پر ظاہر
ہے تو اللہ ہی کی پناہ اور اسی سے انکی شکایت
ہے تو ان کو ان باتوں سے وہ مرض لگا جو
مصنفین واقعات سیرت و مغازی کو صحابہ کے
اختلافات کو نقل کرنے سے لگا اس لئے کہ
بہت باتیں دین کے مخالف اور ایمان کو کمزور
کرنے والی ان لوگوں سے ظاہر ہوئیں اور فساد پر
فساد اور خطاؤں پر خطائیں یوں بڑھ گئیں کہ ان
لوگوں کے کلام کی اطلاع کچھ ان لوگوں کو ہوگئی جن
کے پاس نہ کچھ بچا کھچا علم تھا نہ عقل کی پختگی، تو
وہ خود گمراہ ہوئے اور اوروں کو گمراہ کیا یا تو ان
کے کلمات سے دھوکا کھا کر اس کے وبال شدید
وسخت عذاب سے بے خبری میں یا ظلم و سرکشی کی
وجہ سے اس لئے کہ ان باتوں سے انھیں اس
کے اظہار کی جرأت ہوئی جو انبیاء کی تنقیص اور
اولیاء کی تفسیق ان کے دل میں تھی تو اس پر
بڑے گزرے اور چھوٹے پروان چڑھے اور یہ

فاختل دين كثير من الناقصين وصاروا
شراً من العوام العامين اذ لم يقدروا على
مطالعتها فنجوا عن فتنتها وقد بذل
علماءنا النصح للثقلين فشددوا النكير
على كلا الفريقين اعنى التفاسير الواهية
والسير الداهية فاعلنوا انكارها وبيّنوا اعوارها
كالقاضى فى الشفاء والقارى
فى الشرح والخفاجى فى
النسيم والقسطلانى فى المواهب
والزرقانى فى الشرح والشيخ
فى المدارج وغيرهم فى غيرها
رحمة الله عليهم اجمعين، والحمد
لله رب العالمين، ولقد الان
القول ابوحيان اذ قال كما
نقل الامام السيوطى ان المفسرين
ذكروا مالا يصح من اسباب
نزول واحاديث فى الفضائل و
حكايات لا تناسب وتواريخ اسرائيلية
ولا ينبغى ذكر هذا فى علم
التفسير[1] انتهى، واعلموا ان هناك
اقواما يعتريهم نزغة فلسفية لما افنوا
عمرهم فيها وظنوها شيئا شهيا
فيولعون بابداء احتمالات

عامی لوگوں سے بدتر ہو گئے
کہ عامیوں کو ان کتابوں کے مطالعہ کی
قدرت نہ تھی تو وہ ان کے فتنہ سے بچے رہے اور
بے شک ہمارے علماء نے دونوں فریقوں کو بھرپور
نصیحت کی چنانچہ انھوں نے دونوں فریق کی
سخت مذمت کی یعنی واہی تفاسیر اور سیرت
کی ناپسندیدہ کتابوں کی تو انھوں نے ان کتابوں کا
ناپسندیدہ ہونا ظاہر کیا اور ان کا عیب کھولا جیسے
علامہ قاضی عیاض نے شفا میں اور علامہ خفاجی
نے نسیم الریاض میں اور علامہ قسطلانی نے مواہب
میں اور علامہ زرقانی نے اسکی شرح میں اور علامہ قاری
نے شرح شفا میں اور شیخ (محقق عبدالحق محدث
دہلوی) نے مدارج میں اور دوسروں نے دوسری
تصانیف میں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین والحمد للہ رب
العلمین، اور یقیناً ابوحیان نے بات کو سہل و نرم
کیا کہ انھوں نے کہا جیسا کہ امام سیوطی نے نقل
کیا کہ مفسرین نے ایسے اسباب نزول اور فضائل
میں وہ حدیثیں ثابت نہیں اور نامناسب حکایات
اور تواریخ اسرائیلی کو ذکر کیا ہے حالانکہ اس کا ذکر
تفسیر میں مناسب نہیں، اور تم جان لو کہ اس جگہ
کچھ لوگ ایسے ہیں جنھیں فلسفی وسوسے آتے ہیں
اس لئے کہ انھوں نے اپنی عمر اس میں فنا کی
اور اسے مرغوب شے گمان کیا تو ان کو دور از کار

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۶۳

بعيدة ولو لم يكن فيها حلاوة ولا عليها طلاوة حتى ذكر بعضهم فى قوله تعالٰى "وانشق القمر[1]" ما تعلقت به جهلة النصارٰى وأخرون ممن يتلجلجون فى الايمان فيلهجون بكلمة الاسلام وفى قلوبهم من بغض النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم وانكار معجزاته جبال عظام فانا لله وانا اليه راجعون هذا الذى أعيى السيوطى حتى تبرأ عنها كلها واقتصر على الارشاد الى تفسير ابن جرير كما مر نقله كما تضجر الذهبى عن خلاعة أكثر السير والتواريخ فعافها عن اٰخرها واطمأن الى دلائل البيهقى قائلا انه النور كله وقد دبت هذه الفتنة الصماء والبلية العمياء الى كثير من متاخرى المتكلمين الذين اشتد عنايتهم بالتفلسف الخبيث ولم يحصلوا بصيرة فى صناعة الحديث حتى انهم يذكرون فى بعض المسائل فضلا عن الدلائل ما ليس من السنة فى شئ واما

احتمالوں کو ظاہر کرنے کی لت ہے اگرچہ ان میں شیرینی ہو نہ ان پر رونق ہو، یہاں تک کہ کسی نے قول باری تعالٰی وانشق القمر (اور چاند شق ہوگیا) کی تفسیر میں وہ بات ذکر کی جس سے جاہل نصرانی اور دوسرے وہ لوگ جو ایمان میں ثابت نہیں اس لئے زبان سے کلمۂ اسلام پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عداوت اور ان کے معجزات کے انکار کے بڑے پہاڑ ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے) یہی سبب تھا کہ سیوطی اس درجہ عاجز ہوئے کہ تمام تفسیروں سے بیزاری فرمائی اور صرف تفسیر ابن جریر کی طرف رہنمائی پر بس کیا جیسا کہ اس کی حکایت گزری جس طرح ذہبی سیرت اور تاریخ کی اکثر کتابوں کی بے شرمی سے پریشان ہوئے تو انھوں نے اول سے آخر تک سب کو چھوڑا اور دلائل بیہقی پر مطمئن ہوئے اور فرمایا وہ سراسر نور ہے، اور یہ شدید فتنہ اور ہمہ گیر بلا بہت سے متاخر متکلمین کی طرف سرایت کرگئی (جن کی زیادہ توجہ خبیث فلسفہ پر تھی) اور انھوں نے فن حدیث میں بصیرت حاصل نہ کی یہاں تک کہ یہ لوگ کچھ مسائل میں چہ جائیکہ دلائل میں وہ باتیں ذکر کرتے ہیں جو باتیں سنت سے نہیں۔ رہ گیا

---

[1] القرآن الکریم ۵۴/۱

35

مابینهم من قیل وقال وکثرة السوال و الشبه والجدال ع
فکن حذرًا ولا تسئل عن الخبر ودع علی الله الشکوٰی۔

فلقد بلغ الامرالیٰ ان الناظر فی تلک الکتب لایکاد یعرف ان هذا اما جاء به ارسطو وافلاطون او ما جاء به محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وقد ثقل صنیعهم هذا علی العلماء المحتمین للدین ان الامام العامل بعلمه سیدی الشیخ المحقق لما رأی ذٰلك منهم فی مسئلة المعراج لم یتمالك نفسه ان اغلظ القول فیهم الیٰ سماهم ان سماهم ضالین مضلین ولم یکن بدعًا فی ذٰلك بل سبقه فی اقامة الطامة الکبریٰ علیهم ائمه تشار الیهم بالبنان وتقوم بهم ارکان الایمان کما فصله الملا علی القاری فی شرح الفقه الاکبر ان شئت فطالعه فانك اذا رأیت ثم رأیت عجبا کبیرا ومن هذا القبیل ما ذکره بعضهم فی مشاجرات الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم اذنسب القول بتفسیق کثیر منهم حتی بعض العشرة المبشرة ایضًا

جو کچھ ان کے درمیان قیل وقال اور کثرتِ سوالٔ شبہات وجدال ہیں۔
ان سے بہت ڈرتے رہو اور ان کی حالتٔ پوچھو آہ اللہ ہی سے فریاد ہے۔

اس لئے کہ نوبت یہاں پہنچی کہ ان کتابوں کو دیکھنے والا یہ جانتا ہوا نہیں لگتا ہے کہ یہ بات ارسطو اور افلاطون لائے یا یہ وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم لائے اور ان کا یہ معاملہ دین کے لئے حمیت والے علماء پر شاق گزرا یہاں تک کہ امام عالم باعمل سیدی شیخ محقق (عبد الحق محدث دہلوی) نے مسئلہ معراج میں جب ان کی یہ روش دیکھی تو انھیں اپنے اوپر قابو نہ رہا اُنھوں نے ان لوگوں کے بابت سخت کلام فرمایا یہاں تک کہ انھیں گمراہ و گمراہ گر کا نام دیا اور اس میں وہ نیت نئے نہیں بلکہ ان سے پہلے ان پر قیامت کبریٰ ان پیشواؤں نے قائم کی جن کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں اور جن سے ایمان کے ستون قائم ہیں جیساکہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اس کو مفصل بیان فرمایا ہے تم چاہو تو اس کا مطالعہ کرو اس لئے کہ جب تم اس مقام کو دیکھو گے تو بڑی عجیب بات دیکھو گے، اور اسی قبیل سے وہ ہے جو بعض لوگوں نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اختلافات میں ذکر کیا ہے کہ اُنھوں نے بہت صحابہ کے یہاں تک کہ دس صحابہ مژدہ یافتگان

الی کثیر من اهل السنة والجماعة وهم والله ما قالوا ولا اذنوا فالحق ان الدين لا يقوم الا بالحديث والحديث مضلة الا للفقيه والفقه لا يحصل باتباع الشبه وتحكيم العقل السفيه نجانا الله والمسلمين عن شر الجهل و شر العلم فان شر العلم ادهى وأمرّ ولا حول ولا قوة الا بالله العزيز الحكيم وانما اطبنا الكلام في هذا المقام حوطًا على السنن وكراهة للفتن ان تروج على المؤمنين او تزعزع الى الدين فيفسد اليقين الا فعض عليه بالنواجذ فالنصيح غير مفتون و اياك ان تخالفه وان افتاك المفتون۔

جنت میں سے کچھ کے فسق کا قول بہت سُنّی علماء کی طرف منسوب کیا حالانکہ انھوں نے قطعاً خدا کی قسم یہ بات نہ کہی نہ کسی کے لئے روا رکھی تو حق یہ ہے کہ دین کا نظام تو حدیث سے ہے اور حدیث سے فقیہ کے سوا سب کو گمراہی کا اندیشہ ہے اور فقہ اثبات شبہات اور نادان عقل کو حاکم بنا کر حاصل نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو جہل کی شر اور علم کی شر سے بچائے اس لئے کہ علم کی شر بہت سخت اور بہت تلخ ہے اور برائی سے پھرنا اور نیکی کی قدرت اللہ ہی سے ہے جو غلبے والا حکمت والا ہے اور ہم نے اس مقام میں کلام طویل سنّت کی حفاظت کے لئے اور اس بات کی کراہیت کے سبب کیا کہ فتنے مسلمانوں میں رواج پائیں یا دین کی طرف چلے آئیں تو ایمان بگڑ جائے، سُنتا ہے تو اس کو مضبوطی سے پکڑ لو کہ نصیحت پکڑنے والا گمراہ نہیں ہوتا، اور خبردار اس کی مخالفت نہ کرنا اگرچہ فتویٰ دینے والے فتویٰ دیں۔

ایقاظ‌هم اعيذك بالله ان يستفزك الوهم عن الذی القينا عليك فتفتری علينا غيره او يوسوسك قلة الفهم انا لا نكترث للتفسير ولا نلقی له

ضروری تنبیہ: میں تمھیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں اس بات سے کہ تمھیں وہم اس بات سے ڈگمگا دے جو ہم نے تم پر القا کیا، تو تم ہم پر اس سے جدا بات کا بہتان باندھو یا فہم کی کمی یہ وسوسہ ڈالے کہ ہم تغیر کی پرواہ نہیں کرتے اور

بالأولا نسلوله خيره وانما المعنى أن غالب الزبر المتداولة لا تسلو من الدخيل وتجمع من الاقوال كل صحيح وعليل فمجرد حكايتها لا يوجب التسليم ولا يصد الناقد عن نقد السقيم فما هي عندنا أسوء حالا من أكثر كتب الاحاديث اذ نعاملها مرة بالترك ومرة بالاحتجاج لما نعلم انها ترد كل مورد فتحمل تارة عذبا فراتا وتاتي مرة بملح اجاج، وبالجملة فالامر يدور على نظافة الحديث سندًا ومتنًا فانما وجدنا الرطب اجتنيناه وان كان في منابت الحنظل وحيثما رأينا الحنظل اجتنبناه وان نبت في مسيل العسل۔

ولقد علمت أن أكثر هذا الداء العضال انما دخل التفاسير من باب الاعضال وفي امثال تلك المحال اذا لم يعرف السند يؤل الامر الى نقد المقال فما كان منها يناضل النصوص ويرد المنصوص اوفيه ازراء بالرسل والانبياء او غير ذلك مما لا يحتمل علمنا انه قول مغسول

اس کا ہمیں کوئی خیال نہیں اور ہم اس کی اچھی بات بھی نہیں مانتے، مقصد صرف اتنا ہے کہ اکثر کتب متداولہ دخیل سے محفوظ نہیں اور وہ ہر صحیح وسقیم قول کو اکٹھا کرتی ہیں تو ان کتابوں میں کسی قول کی مجرد حکایت اس کو مان لینا واجب نہیں کرتی اور پرکھنے والوں کو کھوٹے کی پرکھ سے نہیں روکتی تو یہ ان کتابوں کا حال ہمارے نزدیک حدیث کی اکثر کتابوں سے زیادہ بُرا نہیں اس لئے کہ ہم ان کے ساتھ کبھی کسی قول کو چھوڑنے اور کبھی کسی کو حجت بنانے کا معاملہ کرتے ہیں یوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ ہر گھاٹ پر اترتی ہیں تو کبھی میٹھا پانی اٹھا لیتی ہیں اور کبھی سخت کھاری پانی جس سے منہ جل جائے لاتی ہیں، بالجملہ مدارِ کار حدیث کی نظافت (پاکیزگی) سند ومتن کے لحاظ سے ہے تو جہاں کہیں ہم میٹھا پھل پائیں گے اسے چُن لیں گے اگرچہ وہ کسی خراب جگہ اگا ہو اور جہاں کہیں کڑوا پھل دیکھیں گے تو اس کو چھوڑ دیں گے اگرچہ وہ شہد کی نہر میں اگا ہو۔

اور یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ اس لاعلاج مرض کا بیشتر حصہ تفاسیر میں جہالت سند کے دروازہ سے گھسا اور ایسے مقامات میں جب سند معروف نہ ہو تو مآل کار بات کو پرکھنا ہے تو جو بات نصوص سے ٹکراتی اور منصوص کو رَد کرتی ہو یا اس میں رُسل وانبیاء کی تنقیص ہو یا اور کوئی بات جو قابلِ قبول نہ ہو ہم جان لیں گے کہ یہ قول دھو دینے کے قابل ہے اور اگر

وان كان بريئا من الآفات نقيا من العاهات قبلناه على تفاوت عظيم بين قبول وقبول وليس هذا من باب ما نهينا عنه من الاجتراء على التفسير بالآراء ومعاذ الله ان نجترئ عليه فان علم التفسير اشد عسير ويحتاج فيه الى ما ليس بحاصل ولا ميسر كما قد فصل بعضه العلامة السيوطي رحمة الله تعالى عليه وكذلك اذا اتانا منها ما فيه العدول عن ظاهر المدلول وصح ذلك عمن لا يسعنا خلافه او كانت هناك خلة لا تنسد الا به تعين القبول والا فدلالة كلام الله تبارك وتعالى احق بالتعويل من قال وقيل هذا الذي قصد فلا ننقص ولا نزد۔

قال الامام السيوطي قال بعضهم في جواز تفسير القرآن بمقتضى اللغة روايتان عن احمد وقيل الكراهة تحمل على صرف الآية عن ظاهرها الى معان خارجة محتملة يدل عليها القليل من كلام العرب ولا يوجد غالبا الا في الشعر ونحوه ويكون المتبادر خلافها اھ[۱]۔

اور اگر خرابیوں سے بری، علتوں سے پاک ہو ہم اسے قبول کرلیں گے باوجودیکہ اسے قبول کرنے میں دوسرے قول کو قبول کرنے میں عظیم تفاوت ہے اور یہ تفسیر بالرائے کے باب سے نہیں ہے جس سے ہمیں روکا گیا، اور اللہ کی پناہ اس سے کہ ہم اس پر جرأت کریں اس لئے کہ علم تفسیر سخت دشوار ہے اور اس میں اس کی حاجت ہے جو ہمیں حاصل نہیں اور نہ اس کا حاصل ہونا آسان ہے جیسا کہ ان علوم ضروریہ میں سے بعض کی تفصیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی ہے اور یونہی جب ہمیں ان میں کوئی قول ایسا پہنچے جس میں ظاہر معنیٰ سے عدول ہو اور وہ اس سے ثابت ہو جس کا خلاف ہمیں نہیں پہنچتا یا کوئی حاجت ہو جو ظاہر سے عدول کے بغیر پوری نہ ہو تو اسے قبول کرنا متعین ہے ورنہ کلام الٰہی کی دلالت قیل وقال سے اعتماد کی زیادہ حقدار ہے یہی ہمارا مقصود ہے تو اس سے نہ کم کرو نہ زیادہ۔

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا، بعض علماء نے فرمایا کہ مقتضائے لغت کے مطابق قرآن کی تفسیر کے جواز میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں اور کچھ کا قول یہ ہے کہ کراہت اس پر محمول ہے کہ آیت کو اس کے ظاہری معنیٰ سے پھیر کر ایسے معانی خارجہ محتملہ پر محمول کرے جن پر قلیل کلام عرب دلالت کرتا ہو اور وہ غالباً اور اس کے مثل کلام کے سوا عام بول چال میں نہ پائے جائیں اور ذہن کا تبادر اس کے خلاف ہو اھ۔

---

[۱] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۴۳

وقال عن برهان الزرکشی "کل لفظ احتمل معنیین فصاعداً فهو الذی لا یجوز لغیر العلماء الاجتهاد فیه، وعلیهم اعتماد الشواهد والدلائل دون مجرد الرأی، فان کان احد المعنیین اظهر وجب الحمل علیہ الا ان یقوم دلیل علی ان المراد هو الخفی اھ[1]۔

اور سیوطی نے برہان سے حکایت کیا: ہر وہ لفظ جو دو یا دو سے زائد معنی کا احتمال رکھے اس میں تو غیر علماء کو اجتہاد جائز نہیں اور علماء کو لازم ہے کہ وہ شواہد و دلائل پر بھروسہ کریں نہ کہ محض رائے پر، تو اگر دو معنی میں سے ایک ظاہر تر ہے تو اسی پر محمول کرنا واجب ہے مگر یہ کہ دلیل قائم ہو کہ مراد خفی ہی ہے اھ۔

وقال "قال العلماء یجب علی المفسر أن یتحری فی التفسیر مطابقة المفسَّر و أن یتحرز فی ذلك من نقص عما یحتاج الیه فی ایضاح المعنی أو زیادة لا تلیق بالغرض ومن کون المفسر فیه زیغ عن المعنی وعدول عن طریقه و علیه بمراعاة المعنی الحقیقی والمجازی، و مراعاة التالیف والغرض الذی سیق له الکلام[2] الخ۔

اور فرمایا: علماء کا قول ہے کہ مفسر پر واجب ہے کہ وہ تفسیر میں یہ تجویز کرے کہ تفسیر لفظ مفسر کے مطابق ہو اور اس سے کم کرنے سے بچے جس کی حاجت توضیح مراد کے لئے ہو اور ایسے لفظ کو زیادہ کرنے سے احتراز کرے جو مقصد کے مناسب نہ ہو، اور اس بات کی احتیاط رکھے کہ تفسیر میں معنی سے انحراف اور اس کی راہ سے عدول نہ ہو، اور اس پر لازم ہے کہ معنی حقیقی و مجازی کی رعایت کرے اور ترکیب اور اس غرض کی جس کے لئے کلام ذکر کیا گیا رعایت رکھے۔

المقدمة الثالثة

کثیراً ما تری المفسرین یذکر بعضهم تحت الآیة وجها من التاویل والبعض الآخرون وجها آخر وربما جمعوا وجوها کثیرة، وغالبه لیس من باب الاختلاف

مقدمہ سوم

مفسرین کو تم بہت دیکھو گے کہ ان میں سے کوئی آیت کے تحت کوئی وجہِ تاویل ذکر کرتا ہے اور بعض دوسرے دوسری وجہ ذکر کرتے ہیں اور کبھی بہت سی وجوہ جمع کر دیتے ہیں اور بیشتر وجوہ اختلاف و تردد کے

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۵۳
[2] " " " " " " " " ۲/ ۴۶۱

او التردد المانع عن التمسك بأحدها لاسيما الاظهر الانور منها و انما هو تفنن فی المرام أو بیان لبعض ما ینتظمه الکلام و ذلک ان القرآن ذو وجوه و فنون و لکل حرف منه غصون و شجون و له عجائب لا تنقضی و معان تمد و لا تنتهی فجاز الاحتجاج به علی کل وجوهه و هذا من اعظم نعم الله سبحنه و تعالی علینا و من ابلغ وجوه اعجاز القرآن و لو کان الأمر علی خلاف ذلک لعادت النعمة بلیة و الاعجاز عجزًا و العیاذ بالله تعالی وقد وصف الله سبحنه و تعالی القرآن بالمبین فلیس تنوع معاینه کتذبذب المحتملات فی کلام مبهم مختلط لا یستبین المراد منه، و لقد قال الله تبارک و تعالی قل لو کان البحر مدادًا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثله مددًا[1] و قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم علی ما اخرج ابو نعیم وغیره

باب سے نہیں جس میں سے کسی کو اخذ کرنا دوسری تمسک کا مانع ہو خصوصاً ان میں جو ظاہر تر اور روشن تر ہو بلکہ یہ وجوہ بیان مقصد میں تفنن عبارت ہے یا کلام جن وجوہ کو شامل ہے اس میں سے کچھ کو بیان کر دینا ہے اور یہ اس لئے کہ قرآن مختلف وجوہ رکھتا ہے اور اس کے ہر لفظ کے متعدد معانی ہیں اور اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور معانی بڑھتے ہیں اور کسی حد پر نہیں تھمتے، لہٰذا اس کی تمام وجوہ کو حجت بنانا جائز ہے اور یہ ہمارے لئے اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے اور قرآن کے اعجاز کے اسباب بلیغہ سے ایک سبب ہے، اور اگر معاملہ اس کے برخلاف ہوتا تو نعمت مصیبت ہو جاتی اور اعجاز عجز ہو جاتا والعیاذ باللہ تعالٰی، اور اللہ تعالٰی نے قرآن کا وصف مبین فرمایا ہے تو اس کے معانی کا قسم قسم ہونا کلام مبہم میں جس کی مراد ظاہر نہ ہو محتملات کے تردد کی طرح نہیں اور یقیناً اللہ تبارک و تعالٰی فرماتا ہے، اے محبوب! تم فرماؤ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے روشنائی ہو جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم اس جیسا اور اس کی مدد کو لے آئیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ ابو نعیم وغیرہ نے حضرت

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/۱۰۹

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما القرآن ذلول ذو وجوہ فاحملوہ علیٰ احسن وجوھه[1]۔ وقال سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کما اخرج ابن ابی حاتم عنه ان القرآن ذو شجون وفنون وظھور وبطون لاتنقضی عجائبه ولا تبلغ غایته[2] الحدیث۔

قال السیوطی قال ابن سبع فی شفاء الصدور ورد عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال لا یفقه الرجل کل الفقه حتی یجعل للقرآن وجوھا، وقد قال بعض العلماء لکل اٰیة ستون الف فھم[3] انتھی ملخصا۔ وللہ در الامام البوصیری حیث یقول ؎

لھا معان کموج البحر فی مدد
وفوق جوھرہ فی الحسن والقیم
فلا تعد ولا تحصی عجائبھا
ولا تسام علی الاکثار بالسام[4]

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا قرآن نرم و آسان ہے مختلف وجوہ والا ہے تو اسے اس کی سب سے اچھی وجہ پر محمول کرو۔

اور سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے روایت کی قرآن مختلف معانی و مطالب اور ظاہری و باطنی پہلو رکھتا ہے، اس کے عجائب بے انتہا ہیں اسکی بلندی تک رسائی نہیں (الحدیث)۔

سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ابن سبع نے شفاء الصدور میں فرمایا کہ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے مختلف وجوہ نہ جان لے اور بعض علماء کا قول ہے کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں اور امام بوصیری کی خوبی اللہ ہی کے لئے ہے کہ وہ فرماتے ہیں قرآنی آیات کے وہ معانی کثیر ہیں جیسے سمندر کی موج افزائش میں۔ اور وہ حسن و قیمت میں سمندر کے گہر سے بڑھ کر ہیں تو ان آیتوں کے عجائب کی نہ گنتی ہو سکے نہ شمار میں آئیں، اور اس کثرت کے باوجود ان سے اکتانے کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابی نعیم وغیرہ عن ابن عباس النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۶۴ و ۴۶۴

[2] 〃 〃 〃 النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۶۰

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/۴۶۰

[4] الکوکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات، ہند ص ۴۰

فثبت بحمد الله ان بعض معانيه لاينافي بعضا ولايوجب وجه لوجه رفضا من جراء هذا ترى العلماء لم يزالو محتجين على احد التاويلات ولم يمنعهم عن ذلك علمهم بان هناك وجوها اُخر لاتعلق لها بالمقام وعلام كان يصدهم وقد علموا أن القرآن حجّة بوجوهه جميعا وليس هذا الا تفننا وتنويعًا هذا هو الاصل العظيم الذى يجب المحافظة عليه انبأنا المولى السراج عن المفتى الجمال عن السند السندى عن الشيخ صالح عن محمد بن السنة وسليمان الدرعى عن الشريف محمد بن عبد الله عن السراج بن الالجائى عن البدر الكرخى والشمس العلقمى كلهم عن الامام جلال الملّة و الدين السيوطى قال فى الاتقان ناقلا عن ابن تيمية "الخلاف بين السلف فى التفسير قليل وغالب مايصح عنهم من الخلاف يرجع الى اختلاف تنوع لااختلاف تضاد۔ و ذلك صنفان ؛

احدهما ان يعبر و احد منهم عن المراد بعبارة غير عبارة صاحبه تدل على معنى في المسمى غير المعنى الاخر مع اتحاد المسمى

اب بحمد اللہ ثابت ہوا کہ اس قرآن کا کوئی معنی دوسرے کے منافی نہیں اور کوئی وجہ دوسری وجہ کو چھوڑ دینا واجب نہیں کرتی اسی وجہ سے تم دیکھو گے کہ علماء ایک تاویل پر بنائے دلیل رکھتے ہیں اور اس بات سے باز نہیں رکھتا انھیں ان کا یہ علم کہ اس جگہ دوسری وجوہ بھی جن کو ان کے مقصد سے تعلق نہیں، اور کاہے کو باز رکھے حالانکہ انھیں خبر ہے کہ قرآن اپنی تمام وجوہ پر حجت ہے اور یہ اختلافِ وجوہ تو محض تفنّنِ کلام و تلوّنِ عبارت ہے۔ ہمیں خبر دی مولیٰ سراج نے مفتی جمال سے انھوں نے سند سندی سے انھوں نے شیخ صالح سے انھوں نے محمد بن السنۃ اور سلیمان درعی سے انھوں نے شریف محمد بن عبداللہ سے انھوں نے سراج بن الالجائی سے انھوں نے بدر کرخی و شمس علقمی سے، ان سب نے جلال الملۃ والدین سیوطی سے روایت کی کہ انھوں نے اتقان میں ابن تیمیہ سے نقل فرمایا کہ تفسیر میں سلف کے درمیان اختلاف کم ہے اور اکثر اختلاف جو سلف سے ثابت ہے اختلاف طرزِ تعبیر کی طرف لوٹتا ہے متضاد باتوں کا اختلاف نہیں اور یہ (تعبیروں کا اختلاف) دو صنف ہے:

ان میں سے ایک صنف یہ کہ ان لوگوں میں سے کوئی اپنی مراد کی تعبیر ایک عبارت سے کرے جو اس کے ساتھی کی عبارت سے جداگانہ ہو اور معنی ایک ہو جیسے علماء نے

كتفسيرهم "الصراط المستقيم" بعض بالقرآن أي اتباعه وبعض بالاسلام فالقولان متفقات لأن دين الاسلام هو اتباع القرآن، ولكن كل منها نبه على وصف غير الوصف الآخر كما ان لفظ الصراط يشعر بوصف ثالث، وكذلك قول من قال هو السنة والجماعة وقول من قال هو طريق العبودية وقول من قال هو طاعة الله ورسوله و أمثال ذلك، فهٰؤلاء كلهم اشاروا الى ذات واحدة ولكن وصفها كل منهم بصفة من صفاتها۔

الصراط المستقیم کی تفسیر کسی نے قرآن کہا یعنی قرآن کی پیروی اور کسی نے اسلام تو یہ دونوں قول ایک دوسرے کے موافق ہیں اس لئے کہ دین اسلام تو قرآن کی پیروی ہے۔ لیکن ان دونوں نے ایک دوسرے کے وصف سے جُدا ایک وصف پر متنبہ کیا جیسے کہ لفظ صراط تیسرے وصف کی خبر دیتا ہے اسی طرح اس کی بات جس نے یہ کہا تھا کہ صراطِ مستقیم مسلک اہلسنت و جماعت ہے اور اس کی بات جس نے کہا کہ وہ طریقِ بندگی ہے اور اس کا قول جو بولا کہ وہ اللہ و رسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اطاعت ہے اور جیسے اس طرح کے دوسرے اقوال اس لئے کہ ان سب نے ایک ذات کی طرف رہنمائی کی لیکن ہر ایک نے اس کی ایک صفت اس کی صفات سے بیان کر دی۔

الثاني ان يذكر كل منهم من الاسم العام بعض انواعه على سبيل التمثيل وتنبيه المستمع على النوع، لا على سبيل الحد المطابق للمحدود في عمومه و خصوصه مثاله ما نقل في قوله تعالىٰ "ثم اورثنا الكتٰب الذين اصطفينا الآية فمعلوم أن الظالم لنفسه يتناول المضيع للواجبات والمنتهك للحرمات والمقتصد يتناول فاعل

دوسری صنف یہ ہے کہ ہر عالم لفظ عام کی کوئی قسم مثال کے اوپر ذکر کرے اور مخاطب کو اس نوع پر متنبہ کرے اور اس نوع کو ذکر کرنا ذات اس کے عموم و خصوص میں ذات کی حدِ تام و تعریف تمام کے طور پر نہ ہو اس کی مثال وہ جو اللہ تعالیٰ کے قول ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا الآیۃ کی تفسیر میں منقول ہوا اس لئے کہ معلوم ہے کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس کو شامل ہے جو واجبات کو ضائع کرے اور حرمتوں کو توڑے اور مقتصد

الواجبات وتارك المحرمات، و
السابق يدخل فيه من سبق
فتقرب بالحسنات مع الواجبات فالمقتصدون
اصحاب اليمين والسابقون السابقون
اولئك المقربون، ثم ان كلا منهم
يذكر هذا في نوع من انواع
الطاعات كقول القائل السابق
الذي يصلي في اول الوقت، و
المقتصد الذي يصلي في اثنائه.
والظالم لنفسه الذي يؤخر العصر
الى الاصفرار او يقول السابق المحسن
بالصدقة مع الزكوٰة، والمقتصد الذي
يؤدي الزكوٰة المفروضة فقط، والظالم
مانع الزكوٰة اهـ[1]

وعن الزركشي "ربما يحكى عنهم
عبارات مختلفة الالفاظ فيظن
من لا فهم عنده ان ذلك
اختلاف محقق فيحكيه اقوالاً، و
ليس كذلك بل يكون كل واحد
منهم ذكر معنى من الآية لكونه
اظهر عنده أو اليق بحال
السائل وقد يكون بعضهم يخبر عن
الشئ بلازمه ونظيره والاخر بمقصوده

واجبات کی تعمیل اور محرمات کو ترک کرنے والے
کو شامل ہے اور سابق میں وہ داخل ہے جو
سبقت کرے تو واجبات کے ساتھ حسنات سے
اللہ کی قربت حاصل کرے تو مقتصد لوگ دہنے ہاتھ
والے ہیں اور سابق سابق ہیں وہی اللہ کے مقرب
ہیں پھر ان میں سے ہر عالم اس مثال کو انواع
عبادات میں سے کسی قسم میں ذکر کرتا ہے جیسے کسی نے
کہا، سابق وہ ہے جو اول وقت میں نماز پڑھے
اور مقتصد وہ ہے جو درمیان وقت میں پڑھے اور
ظالم وہ ہے جو عصر کو سورج زرد ہونے تک مؤخر
کردے۔ اور کوئی کہے، سابق وہ ہے جو صدقہ نفل
زکوٰۃ کے ساتھ دے کر نیکی کرے، اور مقتصد وہ ہے
جو صرف زکوٰۃ فرض دے، اور ظالم وہ ہے جو
زکوٰۃ نہ دے اھ۔

اور سیوطی نے زرکشی سے نقل کیا بسا
اوقات علمائے مختلف عبارتیں منقول ہوتی ہیں تو جو
فہم نہیں رکھتا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ اختلاف حقیقی
ہے تو وہ اس کو کئی قول بنا کر حکایت کرتا ہے
حالانکہ بات یوں نہیں، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر عالم
آیت کا ایک معنیٰ ذکر کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس
کے نزدیک ظاہر تر یا حال سائل کے زیادہ
شایاں ہوتا ہے اور کبھی کوئی عالم شے کا لازم یا
اس کی نظیر بتاتا ہے اور دوسرا اس کا مقصود

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۴۳۸/۲

وثمرته والكل يؤل الى معنى واحد غالباً الخ۔[1]

وعن البغوی والکواشی وغيرهما التاويل صرف الأية الى معنى موافق لما قبلها وبعدها تحتمله الأية غير مخالف للكتاب والسنة من طريق الاستنباط غير محظور على العلماء بالتفسير كقوله تعالى "انفروا خفافا وثقالا" قيل شبابا وشيوخا، وقيل اغنياء وفقراء، وقيل عزابا ومتأهلين، وقيل نشاطا وغير نشاط، وقيل اصحاء ومرضى. وكل ذلك سائغ والأية تحتمله الخ،[2] وهذا فصل عميق بعيد لو فصلنا فيه الكلام خرج بناء عما نحن بصدده من المراد، وفيما اوردناه كفاية لأولى الاحلام لاسيما من له اجالة نظر فى كلمات المفسرين وتمسكات العلماء بالقرأن المبين۔

وثمرہ بتاتا ہے اور اکثر سب کا بیان ایک ہی معنی کی طرف لوٹتا ہے الخ۔

اور سیوطی علیہ الرحمۃ نے بغوی و کواشی وغیرہما سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ تاویل براہ استنباط آیت کو ایسے معنی کی طرف پھیرنا ہے جو اس کی اگلی آمد پچھلی آیت کے موافق ہو، اور آیت اس کا احتمال رکھتی ہو، اور وہ معنی کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو، ایسی تاویل ان لوگوں کو منع نہیں جنھیں تفسیر کا علم ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے قول "انفروا خفافا وثقالا" (یعنی کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے) میں کسی نے کہا: بوڑھے اور جوان۔ اور کسی نے کہا: غنی و فقیر۔ اور کسی کا قول ہے، شادی شدہ اور مجرد۔ اور کسی کا قول ہے، چست و سست۔ اور کسی نے کہا: صحت مند و بیمار (یعنی یہ سب کوچ کریں) اور یہ تمام وجوہ بنتی ہیں اور آیت سب کی محتمل ہے اور یہ فصل وسیع و عریض ہے اگر ہم اس میں مفصل کلام کریں تو وہ کلام ہمیں ہمارے اس مقصود سے باہر کر دے گا جس کے ہم درپے ہیں اور جو ہم نے ذکر کیا اس میں سمجھ والوں اور ان کے لئے جن کی نظر کلمات مفسرین اور علماء کے قرآن سے تمسکات میں رواں ہے کفایت ہے۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۴۴

[2] " " " " " " " " ۲/۴۴۸

المقدمة الرابعة هذا

التاويل الذي فتحنا ابواب الكلام على
ايهانه اعني تفسير الاتقى بالتقى
انما هو مروي عن ابي عبيدة كما صرح
به العلامة النسفي رحمة الله تعالى
في مدارك التنزيل[1] وحقائق التاويل
وابو عبيدة هذا رجل نحوي لغوي من
الطبقة السابعة اسمه معمر بن المثنى كان
يرى رأي الخوارج وكان سليط اللسان
وقاعًا في العلماء، وتلميذه ابو عبيد القاسم
بن سلام احسن منه حالاً وابصر منه بالحديث
انبأنا مفتي مكة سيدي عبد الرحمن عن جمال
بن عمر عن الشيخ محمد عابد بن احمد علي عن الفلاني
عن ابن السنة عن المولى الشريف عن محمد
ابن اركماش الحنفي عن حافظ ابن حجر
العسقلاني قال في التقريب
معمر بن المثنى ابو عبيدة
التيمي مولاهم البصري
النحوي اللغوي صدوق اخباري[2]
قد رمي برأي الخوارج من السابعة
مات سنة ثمان ومائتين
وقيل بعد ذلك وقد قارب
المائة انتهى۔

چوتھا مقدمہ یہ تاویل جس کے ضعف

بتانے کے لئے ہم نے کلام کے دروازے کھولے
(یعنی اتقی کی تفسیر تقی سے کرنا) یہ صرف ابوعبیدہ
سے منقول ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح علامہ نسفی
نے مدارک التنزیل میں کی ہے اور یہ ابوعبیدہ
ایک آدمی ہے نحو ولغت کا عالم، جو ساتویں طبقہ
پر ایک فرد ہے، اس کا نام معمر بن المثنی ہے،
خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا، اور یہ بدزبان علماء
کا بدگو تھا، اور اس کے شاگرد ابوعبید قاسم بن
سلام کا حال اس سے اچھا تھا اور انھیں حدیث
میں اس سے زیادہ بصیرت تھی۔ مجھے مفتی مکہ
سیدی عبدالرحمٰن جمال بن عمر نے خبر دی انھوں نے
شیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی سے روایت کی
انھوں نے ابن السنۃ سے انھوں نے مولی
شریف سے انھوں نے محمد بن ارکماش حنفی سے
انھوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے روایت
کی کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں فرمایا
معمر بن مثنی ابوعبیدہ تیمی بنو تیم کا آزاد کردہ،
بصری نحوی لغوی سچا ہے تاریخ کا راوی ہے
اور خوارج کے مذہب سے متہم کیا گیا، طبقہ
ہفتم کے علما سے ہے ۲۰۸ھ میں انتقال
ہوا، اور بعض کا قول ہے کہ اس کے بعد
وفات ہوئی اور عمر تقریباً سو سال ہوئی انتہی۔

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۶۳
[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۶۸۳۶ معمر بن المثنی دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۰۳

وقد قال ابن خلکان کما
نقل الفاضل عبد الحی فی مقدمۃ[عہ] الہدایۃ
ابو عبید بغیر تاء مذکور فی باب الجنایات
من کتاب الحج اسمہ القاسم بن سلام
ذا باع طویل فی فنون الأدب والفقہ،
قال القاضی احمد بن کامل کان
ابو عبید فاضلاً فی دینہ متفننا فی
اصناف العلوم من القراءات والفقہ
والعربیۃ والأخبار حسن الروایۃ صحیح
النقل روی عن ابی زید والاصمعی وابی
عبیدۃ وابن الأعرابی والکسائی والفراء
وغیرہم وروی الناس من کتبہ المصنفۃ
بضعۃ وعشرین فی الحدیث والقراءات و
الامثال ومعانی الشعر وغریب الحدیث وغیر
ذٰلک ویقال انہ اول من صنف فی
غریب الحدیث، وقال الہلال منّ اللہ
تعالیٰ علیٰ ہذہ الامۃ باربعۃ فی زمانہم
بالشافعی فی فقہ الحدیث
وباحمد بن حنبل فی المحنۃ
ولولاہ لکفر الناس وبیحیٰی
بن معین فی ذب
الکذب عن الاحادیث
وبابی عبید القاسم بن

اور ابن خلکان نے کہا جیسا کہ فاضل
عبدالحی نے مقدمہ ہدایہ میں کہا: ابو عبید بغیر تار
کتاب الحج کے باب الجنایات میں مذکور ہوا ان
کا نام قاسم بن سلام ہے ادب کے
فنون وفقہ میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔
قاضی احمد بن کامل نے فرمایا: ابو عبید اپنے
دین میں فاضل مختلف علوم قرارت وفقہ و
عربیت وتاریخ کے ماہر تھے ان کی روایت
حسن ہے اور نقل صحیح ہے انھوں نے ابو زید
واصمعی وابو عبیدہ وابن الاعرابی وکسائی و
فرار وغیرہم سے روایت کی اور لوگوں نے ان
کی تصنیفات سے حدیث وقرارت وامثال
ومعنی شعر واحادیث غریبہ وغیرہا میں تیئیس ۲۳
سے انتیس ۲۹ تک کتابوں کو روایت کیا، اور
کہتے ہیں قاسم بن سلام نے سب سے پہلے غریب
الحدیث میں تالیف فرمائی۔ اور ہلال نے فرمایا
اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنے زمانہ
میں چار شخصوں سے منت رکھی، شافعی سے
فقہ حدیث میں اور احمد بن حنبل سے ان کی
آزمائش کے سبب (یعنی وہ آزمائش جس
میں حضرت امام احمد بن حنبل زمانہ مامون
میں مخالفت عقیدۂ خلق قرآن کے سبب مبتلا
ہوئے) اور اگر امام احمد نہ ہوتے تو لوگ

عہ فی الاصل بیاض وعبارۃ المقدمۃ منقولۃ من المترجم ۱۲ النعمانی

سلام في غريب الحديث و
كانت وفاته بمكة وقيل بالمدينة
سنة اثنتين او ثلث
وعشرين ومائتين وقال
البخاري سنة اربع وعشرين.
ويوجد في بعض نسخ
الهداية في الموضع المذكور
ابوعبيدة بالتاء واسمه معمر بن
المثنى وقد ذكرنا ترجمته في الاصل
وقال العيني في شرحه ابوعبيد
اسمه معمر بن المثنى التيمي،
وفي بعض النسخ ابوعبيدة بالتاء
واسمه القاسم بن سلام البغدادي،
والأول اصح انتهى، وهذا مخالف
لما في تاريخ ابن خلكان وغيره
من التواريخ المعتمدة من ان اباعبيد
بغير التاء كنية القاسم وبالتاء كنية معمر والله اعلم[1]
واما قدماء العلماء ككنيف ملئ
علما حامل تاج المسلمين نعال رسول
الله صلى الله تعالى عليه وسلم سيدنا
عبد الله بن مسعود وحبر الامة سلطان
المفسرين عبد الله بن عباس وعروة بن زبير
وشقيقه عبد الله وافضل التابعين سعيد

کافر ہو جاتے۔ اور یحییٰ بن معین سے یوں منت رکھی
کہ انھوں نے احادیث سے دروغ کو الگ کر دیا
اور ابو عبید بن قاسم بن سلام سے غریب احادیث
کو جمع کرنے میں، ان کی وفات مکہ میں
ہوئی، اور ایک قول پر مدینہ میں ۲۲۳ھ یا ۲۲۲ھ
میں ہوئی اور بخاری نے سن وفات ۲۲۴ھ میں
فرمایا، اور ہدایہ کے بعض نسخوں میں یوں ہے
موضع مذکور میں ابوعبیدۃ بالتاء اور ان کا نام
معمر بن مثنی ہے اور ہم نے اس کے حالات
اصل میں ذکر کئے اور عینی نے شرح ہدایہ میں
فرمایا ابوعبید معمر بن مثنی بن تیمی ہے۔ اور بعض
نسخوں میں ابوعبیدۃ بالتاء ہے اور ان کا نام
قاسم بن سلام بغدادی ہے۔ اور پہلا قول
اصح ہے۔ اور یہ بات اس کے مخالف ہے جو
تاریخ خلکان وغیرہ تواریخ معتمدہ میں ہے کہ عبید
بغیر تاء قاسم کی کنیت ہے اور تاء کے ساتھ
معمر کی کنیت ہے۔

رہے علمائے متقدمین جیسے علم سے بھرے
ہوئے ظرف حامل تاج مسلمانان نعش پائے رسول اللہ
صلے اللہ تعالے علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن مسعود
اور عالم امت سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس
اور عروہ بن زبیر اور ان کے سگے بھائی عبداللہ
اور افضل التابعین سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم

---

[1] مذیلۃ الدرایۃ لمقدمۃ الہدایۃ لعبد الحی مع الہدایۃ   المکتبۃ العربیۃ کراچی   ص ۴

بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فقد
رویناالک ماقالوا فی الآیۃ۔

المقدمۃ الخامسۃ

لعلک یا من یفضل علیا علی الشیخین رضی اللہ
تعالیٰ عنہم اجمعین تفرح وتمرح ان
ھٰؤلاء المفسرین انما عدلوا عن الاتقی
الی التقی کیلا یلزم تفضیل الصدیق رضی
اللہ تعالیٰ عنہ علی من عداہ وحاشاھم
عن ذٰلک الاتری انھم کما فسروا
الاتقی بالتقی کذلک اولوا الاشقی
بالشقی فاین ھذا من قصدک الذمیم
الذی ترید لاجلہ تغییر
القرآن العظیم وانما الباعث لھم علی
ذالک ما ذکرہ ابوعبیدۃ بنفسہ۔

انبأنا سراج العلماء عن المفتی
ابن عمر عن عابد سندی عن
یوسف المزجاجی عن ابیہ محمد
بن العلاء عن حسن العجیمی عن
خیرالدین الرملی عن العلامۃ
احمد بن امین الدین بن عبد العال
عن ابیہ عن جدہ عن
العز عبد الرحیم بن
الفرات عن ضیاء الدین
محمد بن محمد الصنعانی عن
قوام الدین مسعود بن ابراھیم الکرمانی عن

توہم آیت کریمہ کی تفسیر میں ان کے اقوال تمہارے
لئے روایت کرچکے۔

پانچواں مقدمہ

اے تفضیلیہ شاید
تو خوش ہو اور فخر کرے کہ یہ مفسرین اتقی سے
تقی کی طرف اسی لئے پھرے کہ صدیق رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی فضیلت ان کے ماسوا دوسرے
صحابہ پر لازم نہ آئے اور وہ اس خیال سے
بری ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ انھوں نے جس
طرح اتقی کی تفسیر تقی سے کی یونہی اشقی کی
تاویل شقی سے کی تو مفسرین کی اس روش کو
تیرے اس بد ارادے سے کیا علاقہ ہے جس
کے لئے تو قرآن عظیم کو بدلنا چاہتا ہے، ان
کے لئے اس تفسیر پر ابوعبیدہ کا قول مذکور
باعث ہوا۔

ہمیں سراج العلماء نے خبر دی مفتی ابن عمر
سے انھوں نے روایت کی عابد سندی سے
انھوں نے یوسف مزجاجی سے روایت کی
انھوں نے اپنے باپ محمد بن علاء سے انھوں
نے حسن العجیمی سے روایت کی
انھوں نے خیرالدین رملی سے انھوں نے علامہ احمد
بن امین الدین بن عبدالعال سے انھوں نے
اپنے باپ سے پھر اپنے دادا سے انھوں نے
عز عبدالرحیم بن فرات سے انھوں نے ضیاء الدین
محمد بن محمد صنعانی سے انھوں نے قوام الدین
مسعود بن ابراہیم کرمانی سے انھوں نے مولے

المولیٰ حافظ الدین ابی البرکات محمود النسفی قال فی مدارک التنزیل "قال ابو عبیدة الاشقی بمعنی الشقی وھو الکافر، والاتقی بمعنی التقی وھو المؤمن لانہ لا یختص بالصلی اشقی الاشقیاء ولا بالنجاۃ اتقی الاتقیاء وان زعمت انہ تعالٰی نکر النار فاراد نارًا مخصوصۃ بالاشقی، فما تصنع لقولہ وسیجنبہا الاتقی الذی لأن التقی یجنب تلك النار المخصوصۃ لا الاتقی منہم خاصۃ انتہی۔"[1]

حافظ الدین ابو البرکات محمود نسفی سے روایت کیا کہ (علامہ نسفی نے) مدارک التنزیل میں فرمایا ابو عبیدہ نے کہا اشقی بمعنی شقی کے ہے اور وہ کافر ہے، اور اتقی تقی کے معنی میں ہے اور اس سے مراد مومن ہے، اس لئے کہ آگ میں جانا سب اشقیائے سے بڑھ کر شقی کی خصوصیت نہیں ہے اور نجات پانا سب پرہیزگاروں سے افضل کے لئے مخصوص نہیں ہے اور اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایا (اور نکرہ جب محلِ اثبات میں ہو تو اس سے مراد فردِ مخصوص ہوتا ہے) تو اللہ تعالٰی کی مراد ایک مخصوص نار ہے تو تم (یعنی اس سے بہت دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیزگار) کے ساتھ کیا کرو گے اس لئے کہ ہر متقی اس نار مخصوص سے دُور رکھا جائے گا نہ کہ خاص کر سب سے بڑا متقی۔

وتلخیص المقام ان قولہ سبحٰنہ وتعالٰی "فانذرتکم نارا تلظی لا یصلٰہا الا الاشقی الذی کذب وتولی"[2] لا یمکن اجراءہ علی ظاہرہ لانہ یقتضی قصر دخول النار علی اشقی الاشقیاء من الکفار فیلزم ان

مقام تلخیص یہ ہے کہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کے قول فانذرتکم نارا تلظی لا یصلٰہا الا الاشقی الذی کذب و تولی (تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) کو اس کے ظاہری معنی پر جاری رکھنا ممکن نہیں اس لئے

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر المدارک) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

[2] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۴ تا ۱۶

لا يدخلها احد غيره كالفجار والكافرين القاصرين عنه في الشقاء والاستكبار وهذا باطل قطعاً فاختار الواحدي و الرازي والقاضي والمحلي وابو السعود وآخرون ما ملحظه أن ليس المراد بالاشقى رجل مخصوص يكون أشقى الاشقياء بل المعنى من كان بالغا[عه] في الشقاء

کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوزخ میں وہی جائے جو کافروں میں سب بدنصیبوں سے بڑا بدنصیب ہو تو لازم آئے گا کہ وہ فجار و کفار جو بدنصیبی اور گھمنڈ میں اس سے کم رتبے کے بدنصیب ہوں دوزخ میں نہ جائیں، اور یہ قطعاً باطل ہے، لہذا واحدی و رازی و قاضی و محلی و ابو السعود اور دیگر مفسرین نے یہ اختیار کیا جن میں یہ لحاظ ہے کہ اشقی سے مراد کوئی خاص نہیں جو سب سے بڑا اشقی ہو بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شقاوت میں حد کو پہنچا ہوا ہو اور

عه قوله بالغا في الشقاء الخ انت خبير بانا قررنا كلامهم بحيث يندفع عنه ايراد قوي كان يتخالج في صدري تقرير الايراد ان المؤمن الفاجر له قسط من الشقاوة كما ان له قسطا عظيما من السعادة، وليس ان الشقاء يختص بالكفرة، ألا ترى أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم سمى الخبيث الشقي عبدالرحمن بن ملجم الذي قتل السيد الكريم المرتضى رضي الله تعالى عنه وخضب لحيته الكريمة بدم رأسه الاقدس اشقى الآخرين كما ورد بطرق عديدة عن سيدنا علي كرم الله تعالى وجهه وانما كان هذاك

(قولہ بدبختی میں حد کو پہنچا ہوا الخ) تم خبردار ہو کہ ہم نے ان علماء کے کلام کی تقریر اس طور پر کی جس سے وہ قوی اعتراض جو میرے سینے میں متردد تھا دفع ہو جائے۔ اس اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مومن فاجر کے لئے بدبختی سے ایک حصہ ہے جیسا کہ اس کے لئے سعادت سے عظیم بہرہ ہے اور ایسا نہیں کہ بدبختی کافروں کیلئے خاص ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس خبیث شقی عبدالرحمن بن ملجم کو جس نے سید کریم مرتضٰی (علی) رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کیا اور ان کی ریش مبارک کو ان کے سر اقدس کے خون سے رنگین کیا پچھلوں کا سب سے بڑا بدبخت فرمایا جیسا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے متعدد سندوں سے روایت ہے اور یہ خبیث

(باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الخبيث رجلاً من الخوارج واذا كان
الامر هكذا فما لهؤلاء اولوا الاشقى
بالشقي ثم خصوه بالكافر حتى
عاد الاعتراض بخروج الفجار
مع ان بعضهم يدخل
النار قطعا، فلو انهم
اجروه على العموم ليسلموا من ذالك
وتقرير الجواب انهم لما فطموا
الافعل عن معناه الحقيقي اعني
الزائد في الاتصاف بالمبدء على كل
من عداه كرهوا ان يذهبوا
به مذهبا ابعد من حقيقته كل
البعد، فارادوا به البالغ
في الشقاء المتناهي فيه
ابقاء لمعنى الزيادة المدلول
عليها بصيغة التفضيل، والوجه في
ذلك ان هناك ثلثة امور، الاول
الاتصاف بالمبدء، وهو مفاد اسم
الفاعل، والثاني الكثرة فيه و
هو مدلول صيغة المبالغة، و
الثالث الزيادة فيه عن غيره و ۱۱

تو خارجیوں میں کا ایک شخص تھا، یعنی کافر نہ تھا بلکہ
گمراہ تھا) اور جب بات ایسی ہے تو ان لوگوں کو
کیا ہوا جنھوں نے اشقی کی تاویل شقی سے
کی پھر اسے کافر کے لئے مخصوص کیا تو اعتراض
لوٹا کہ فاجر مسلمان اس حکم سے نکل گئے حالانکہ
بعض فاجر مسلمان یقیناً جہنم میں جائیں گے تو اگر
انھوں نے حکم عام رکھا ہوتا تو اس اعتراض سے
بچ جاتے، اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ جب انھوں نے
افعل (اسم تفضیل) کو اس کے حقیقی معنی سے
مجرد کیا یعنی جو مصدر سے متصف ہونے میں
اپنے ہر ما سوا سے زائد ہو تو انھیں یہ پسند نہ ہوا
کہ اسم تفضیل کو ایسے مذہب پر لے جائیں جو
اس کے حقیقی معنی سے بالکل دور ہو لہذا انھوں
نے اشقی سے مراد لیا کہ بدبختی میں حد کو پہنچا ہو تاکہ
زیادتی کا مفہوم جس پر صیغۂ افعل تفضیل دلالت کرتا
ہو باقی رکھیں، اور اس کی وجہ
یہ ہے کہ اس جگہ تین امور ہیں، پہلا مصدر سے موصوف
ہونا اور یہ اسم فاعل کا مفاد ہے اور دوسرا امر
اس وصف میں کثرت اور یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفہوم
ہے، اور تیسرا امر اس وصف میں دوسرے سے
بڑھ جانا اور یہ وہ مفہوم ہے جس کے لئے اسم تفضیل

(باقی بر صفحہ آئندہ)

أخوهم لانسلاخهم عن السعادة بالمرة، اما المؤمن الفاجر فان كان له وجه الى الشقاء الزائل فوجهه الأخر الى السعادة الابدية وهى الايمان، وهؤلاء القائلون لما رأوا مادة الايراد لم تنحسم اذ دخول بعض الفجار ايضًا مقطوع فزعوا الى تاويل الصلى باللزوم، و زعم الواحدى انه معناه الحقيقى فقال كما نقل الرازی معنى "لايصلاها" لايلزمها فى حقيقة اللغة. يقال صلى الكافر النار اذا لزمها مقاسيا شدتها وحرها وعندنا ان هذه الملازمة لا تثبت الا الكافر اما الفاسق فاما ان لا يدخلها او ان دخلها تخلص منها[1] انتهى.

سعادت سے بالکل محروم ہیں۔ رہا مومنِ فاجر تو اس کا ایک پہلو شقاوتِ فانیہ کی طرف ہے تو دوسرا ابدی سعادت کی طرف ہے اور وہ سعادتِ ابدی ایمان ہے۔ اور ان لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ اعتراض کا مادہ بالکل ختم نہ ہوا اس لئے کہ بعض بدعمل مسلمانوں کا دوزخ میں جانا ہی قطعی امر ہے۔ لہذا یہ لوگ صلی کی تاویل لزوم سے کرنے کی طرف راغب ہوئے۔ واحدی نے کہا کہ لزوم اس کا حقیقی معنی ہے جیسا کہ امام رازی نے نقل کیا ہے کہ "لایصلاھا" کا معنیٰ حقیقت لغت میں "لایلزمھا" ہے۔ کہتے ہیں کہ صَلِیَ الکافرُ النارَ جب وہ اس حال میں آگ کو لازم پکڑے درانحالیکہ اس کی شدت وحرارت کو برداشت کرے اور ہماری رائے یہ ہے کہ یہ ملازمت فقط کافر کیلئے ثابت ہے رہا فاسق تو وہ یا تو اس میں داخل ہی نہ ہوگا یا داخل تو ہوگا مگر اس سے چھٹکارا پالے گا انتہیٰ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

هو الموضوع له اسم التفضيل فالثانى كالوسط بين الاول والثالث والعدول عن طرف الى طرف ابعد من الميل عن طرف الى الوسط فهذا الذى حملهم على ذلك فيما اظن والله تعالى اعلم منه عفا الله تعالى عنه امين.

کی وضع ہے تو دوسرا جیسے اول وسوم کے درمیان ہے اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف پھرنا ایک کنارے سے درمیان کی طرف مائل ہونے سے زیادہ دور ہے تو میرے گمان میں یہی ان کو اس پر باعث ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم منہ عفا اللہ تعالیٰ عنہ آمین!

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۲/۱۵ ۱۹۱۵ء المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۴

اقول وما احسن هذا تاويلا او اصفاه لولا ان يكدره ما سأذكره قريبًا فارتقب وركن الرازی الی وجه آخر من التاويل وهو ان يخص عموم هذا الظاهر بالآيات الدالة علی وعيد الفساق[1]

میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل کس قدر اچھی ہے اور یہ رنگ کتنا صاف تھا اگر اس کو اس بات نے مکدر نہ کیا ہوتا جو میں عنقریب ذکر کروں گا، تو انتظار کرو، اور رازی ایک دوسری تاویل کی طرف مائل ہوئے، اور وہ یہ کہ اس کے ظاہری معنی کا عموم ان آیات کے ساتھ خاص ہو جو فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہو۔

اقول هذا جمع بين التاويل والتخصيص وهو مستغنی عنه اذ لو قيل بالتخصيص فكما دلت الآيات علی وعيد الفساق كذلك دلت علی ايعاد سائر الكفار بدلالة اظهر واجلی. اللهم الا ان يقال فيه تكثير التخصيص جدًا والقصر علی فرد واحد اشد بعدًا[عه] هذا ولقد سلك

میں کہتا ہوں یہ تاویل و تخصیص کو یکجا کرنا ہے اور اس کی حاجت نہیں اس لئے کہ اگر تخصیص کا قول کیا گیا تو جس طرح آیات فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہیں یونہی تمام کافروں کی وعید پر روشن اور صاف تر دلالت فرماتی ہیں۔ الٰہی! تو مدد فرما، مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں بہت زیادہ تخصیص لازم آئے گی، اور ایک فرد پر منحصر کر دینا بہت زیادہ مستبعد ہے یہ لو، اور

عه اعلم ان العبد الضعيف لما فرغ من تحرير هذه المقدمات الخمس وبلغ الی آخر ما كتبنا فی جواب الشبهة الاولی استعار تفسير فتح العزيز المتعلق بجزء عم يتساءلون من

تمہیں معلوم ہو کہ بندۂ ناتواں جب ان پانچ مقدمات کی تحریر سے فارغ ہوا اور پہلے شبہہ کے جواب میں جو ہم نے لکھا اس کے آخر تک پہنچا تو ایک دوست سے تفسیر فتح العزیز جو جزء عم یتساءلون سے متعلق ہے عاریت لی تو

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۲/۱۵ ۱۲۹۱ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۰۴/۳

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعض الاصدقاء فطالعت فیہ من
ھذا المقام و رأیت المولی الفاضل
استاذ استاذی عبد العزیز ذکر الدفع
ھذا الایراد اعنی نقض الحصر
فی الکفار بدخول بعض الفجار
النار بوجھین أخرین جیدین
الاول ان المراد بالنار نار
مخصوصۃ بالکفار، والثانی ان دخول
بعض المومنین لما کان تطھیرا، وتادیبا
کان کلا دخول وانما الدخول کل
الدخول دخول لیس بعدہ خروج
فالحصر بھذا المعنی وھو حق صحیح
بلا امتراء انتھی
بالحاصل **اقول** ما انعمھما من وجھین
وادفعھما لکل شین لکنک یا عریف
انت خبیر بانھما یجریان ایضا بعد
شئ من تغییر العبارۃ فیما اذا حملنا
الاشقی علی معناہ الحقیقی
کما ستسمع منا ان شاء اللہ تعالیٰ
فیالیت المولی الفاضل لما تنبہ
علی ھذین کما تنبھنا تجنب
التاویل کما اجتبینا اذ البدایۃ
بتاویل الاشقی بالشقی ثم التحصن
بھذین الحصنین المانعین

میں نے اس میں اس مقام کا مطالعہ کیا اور میں
نے دیکھا کہ مولیٰ فاضل استاذ استاذی عبد العزیز
نے اس اعتراض کے دفع کے لئے یعنی اس
حصر کا کفار میں بعض فجار کے آتش جہنم میں داخل
ہونے سے منقوض ہونا دو اور بہتر وجہیں
ذکر کیں، پہلی یہ کہ نار سے مراد وہ نار ہے جو
کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری یہ کہ
بعض مسلمانوں کا آگ میں جانا جبکہ ان کی تطہیر و
تہذیب کے لئے ٹھہرا۔ تو یہ آگ میں جانا نہ جانے
کے مثل ہے اور آگ میں بالکل جانا وہ جانا ہے جس
کے بعد آگ سے نکلنا نہ ہوگا تو آیت کا حصر
کفار میں اس معنی پر ہے اور بے شک حق و
صواب ہے۔

الحاصل میں کہتا ہوں یہ دونوں وجہیں کس قدر
اچھی ہیں اور ہر خرابی کی کیسی دافع ہیں، لیکن اے
جاننے والے! تم خبردار کہ یہ دونوں وجہیں
عبارت کی قدرے تغییر کے بعد اس صورت
میں بھی جاری رہتی ہیں جب ہم اشقی کو اس کے
معنی حقیقی پر رکھیں جیسا کہ تم ہم سے سنو گے
ان شاء اللہ۔ تو کاش مولائے فاضل جب ہماری
طرح ان دونوں وجہوں پر متنبہ ہوئے اسی طرح
تاویل سے بچتے جیسے ہم بچے، اس لئے کہ پہلے
اشقی کی تاویل شقی سے کرنا پھر ان دو محکم
وجہوں جو اصل تاویل سے مانع ہیں سے تمسک

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اثره عنه الفخر الرازی فی مفاتیح الغیب[1] حیث حاول ابقاء الاشقی علی معناه الحقیقی اعنی من لا یدانیه احد فی الشقاء و ذکر لتصحیح الحصر وجهین یرتاح بهما اللبیب و ینحفض کل شك مریب؛

میں نقل کیا ہے ایک اچھا مسلک اختیار کیا اس لئے کہ انھوں نے اشقی کو اس کے حقیقی معنی پر باقی رکھنے کی کوشش کی اور حصر کی صحت کیلئے دو وجہیں ایسی ذکر کیں جن سے دانشمند چین پائے اور دھوکے میں ڈالنے والا ہر شک زائل ہو جائے؛

الاول ان یکون المراد بقوله تعالٰی "نارًا تلظّٰی" نارًا مخصوصة من النیران لانها درکات بقوله تعالٰی "ان المنٰفقین فی الدرك الاسفل من النار" فالاٰیة تدلّ علٰی ان تلك النار المخصوصة لا یصلٰها سوی هٰذا الاشقی، ولا تدل علٰی أن الفاسق وغیر من هذا صفته من الکفار لا یدخل سائر النیران[1] انتہی۔

پہلی وجہ یہ کہ قول خدا تعالٰی نارًا تلظّٰی سے دوزخ کی آتشوں سے ایک مخصوص آتش مراد ہو اس لئے کہ آگ کے مختلف طبقے ہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "بے شک منافق آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہیں"۔ اب آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مخصوص آگ میں یہی اشقی جائے گا اور اس کا یہ معنی نہیں کہ اس بڑے بدنصیب کے سوا دوسرے کافر اور فاسق آگ کے باقی طبقوں میں نہ جائیں انتہی۔

اقول فکان کقوله تعالٰی "ویتجنبها الاشقی الذی یصلی النار الکبرٰی"[2] ای اعظم النیران جمیعًا علی احد وجوه التاویلات

میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کے فرمان "ویتجنبها الاشقی الذی یصلی النار الکبرٰی" (دور رہے گا اس سے وہ بڑا بدنصیب جو بڑی آگ میں دھنسے گا) یعنی ایک تاویل پر سب سے بڑی آگ دلیل ہوگئی'

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عن اصل التاویل مما یفضی الی العجب فکان کمن تمنی غرضا و رمی غرضا فاخطأ بعد ما کاد ان یصیب، و ما توفیقی الا باللّٰه علیه توکلت و الیه انیب ۱۲ منه عفا اللّٰه تعالٰی عنه اٰمین۔

ایسی چیز ہے جو تعجب کا سبب ہے تو یہ ایسا ہوا جیسے کوئی ایک نشانہ چاہے اور دوسرے کو مارے تو نشانے پر تیر پہنچنے کے قریب ہو کر چوک جائے' اور میری توفیق اللہ ہی سے ہے اس پر میں بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف جھکتا ہوں۔

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹۲/۱۴ و ۱۵ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/۲۰۴

[2] القرآن الکریم ۸۷/۱۱ و ۱۲

ورده الرازي بان قوله تعالٰى "نارًا تلظّٰى"[1] يحتمل ان يكون ذٰلك صفة لكل النيران وان يكون صفة لنار مخصوصة لكنه تعالٰى وصف كل نار جهنم بهٰذا الوصف في اٰية اخرٰى فقال "انها لظٰى نزاعة للشوٰى[2]".

اقول يتراءى من هٰذه العبارة للايراد وجهتان :

الاولٰى ان المورد كانه ظن ان القاضي الامام يدعي تخصيص النار بصفة التلظي كما يتخصص الغلام في قولنا جاءني غلام عاقل بصفة العقل، ومن هٰذا الطريق يقول ان المراد نار مخصوصة اعظم النيران فالايراد ح ظاهر الورود اذ الاوصاف انما تخصص اذا كانت خصائص توجد في فرد دون اٰخر والتلظي لا يختص بنار دون نار الا ترى ان الله سبحٰنه وتعالٰى وصف النار مطلقا بانها لظٰى نزاعة للشوٰى[2] ولكن لم يكن القاضي الامام

اور رازی نے اس قول کو یوں رد کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول "نارًا تلظّٰی" میں احتمال ہے کہ وہ سب آتشوں کی صفت ہو اور ممکن ہے کہ مخصوص آتش کی صفت ہو۔ لیکن اللہ تعالٰی نے جہنم کی سب آتشوں کا یہی وصف دوسری آیت میں فرمایا اس کا ارشاد گرامی ہے "انها لظى نزاعة للشوى" (وہ تو بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی)

میں کہتا ہوں اس عبارت سے اعتراض کی دو جہتیں نظر آتی ہیں :

پہلی تو یہ ہے کہ گویا معترض نے یہ گمان کیا کہ قاضی امام ابوبکر آتشِ جہنم کے لپٹ مارنے کی صفت سے مخصوص ہونے کے مدعی ہیں اس طور پر جیسے غلام ہمارے قول جاءنی غلام عاقل میں صفتِ عقل سے مخصوص ہے ـــــ اور اس طریقے سے وہ فرماتے ہیں کہ مراد خاص آگ ہے جو سب سے بڑی آگ ہے، تو اعتراض کا ورود اس صورت میں ظاہر ہے اس لئے کہ اوصاف ذات کے ساتھ اسی وقت خاص ہوتے ہیں جبکہ وہ اس فرد کا خاصہ ہوں کہ دوسرے میں نہ پائے جائیں اور لپٹ مارنا ایسا نہیں کہ ایک آگ کی خاص صفت ہو دوسری کی نہ ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی مطلقاً آتشِ جہنم کا وصف بیان فرماتا ہے، انها لظى نزاعة للشوى (یعنی وہ تو

---

[1] القرآن الکریم ۷۰/ ۱۵ و ۱۶

[2] القرآن الکریم ۷۰/ ۵۴ ۵۵

ليريد هذا و انما ملحظه الى أن التنكير للتعظيم فقوله تعالى نارٌا[1] اى نارًا عظيما ليس كمثله نار كانه اشير بالتنكير الى انها بشهرة امرها و شيوع فزعها و اخذ اهوالها بمجامع القلوب صارت بمثابة لا تسبق الأذهان الا اليها، فاغنت شهرتها و انتشار ذكرها عن تعريف اسمها كما يفيد ذلك تنكير المليك فى قوله تعالى فى مقعد صدق عند مليك مقتدر[2] و تنكير الظلم فى قوله تعالى الذين اٰمنوا و لم يلبسوا ايمانهم بظلم[2] اى ظلم لا ظلم كمثله و هو الشرك۔

بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی)

لیکن حضرت قاضی امام یہ معنٰی مراد لینے والے نہیں ان کا اشارہ تو اس طرف ہے کہ نکرہ تعظیم کیلئے ہے تو اللہ تعالٰے کے فرمان نارٌا کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی آگ ہے اس جیسی کوئی آگ نہیں، گویا وہ اپنی حالت کی شہرت اور اس کی ہیبت کے عام چرچے اور اس کی ہولناکیوں کی پورے دلوں پر پکڑ کے سبب اس مقام پر ہے کہ ذہن اسی کی طرف سبقت کرتے ہیں، تو اس کی شہرت اور اس کے عام ذکر نے اس سے بے نیاز کر دیا کہ اس کا نام لے کر اسے معین کیا جائے، جس طرح یہی فائدہ لفظ مليك اللہ تعالٰے کے قول "فى مقعد صدق عند مليك مقتدر" (یعنی سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور) کا نکرہ ہونا دیتا ہے اور لفظ ظلم اللہ تعالٰی کے قول "الذين اٰمنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم" میں یہی فائدہ دیتا ہے یعنی ایسا ظلم کہ کوئی ظلم اس جیسا نہیں اور وہ ظلم شرک ہے۔

أنبأنا مولانا السيد حسين جمل الليل امام الشافعية بمكة المحمية عن خاتمة المحدثين محمد عابد السندى عن صالح الفلانى عن

ہمیں خبر دی مولانا سید حسین جمال اللیل نے جو مکہ میں امام شافعیہ ہیں وہ روایت کرتے ہیں خاتمۃ المحدثین محمد عابد سندی سے انہوں نے روایت کیا صالح فلانی سے انہوں نے روایت کی

---

[1] القرآن الکریم ۶/۸۲ — [1] القرآن الکریم ۵۴/۵۵

محمد بن بنتة عن احمد العجلی عن قطب الدین النهروالی عن ابی الفتوح عن یوسف الهروی عن محمد بن شاه بخت عن ابی النعمان الختلانی عن الفربری عن محمد بن اسمٰعیل البخاری ثنا ابوعدی ثنا شعبة عن سلیمان عن ابراهیم عن علقمة عن عبد الله لما نزلت الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم اولٰئك لهم الامن وهم مهتدون[1]، قال اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اینا لم یظلم فنزلت الله ان الشرك لظلم عظیم۔

محمد بن بنتہ سے انھوں نے احمد عجلی سے انھوں نے قطب الدین نہروالی سے انھوں نے ابوالفتوح سے انھوں نے یوسف ہروی سے انھوں نے محمد بن شاہ بخت سے انھوں نے ابوالنعمان ختلانی سے انھوں نے فربری سے انھوں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری سے بخاری نے فرمایا ہم سے ابوعدی نے حدیث بیان کی انھوں نے کہا ہم سے شعبہ نے حدیث بیان کی انھوں نے سلیمان سے انھوں نے ابراہیم سے انھوں نے علقمہ سے علقمہ نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ جب یہ آیت کریمہ "الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانهم اولٰئك لهم الامن وهم مهتدون" (یعنی وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انھیں کے لئے امان ہے اور وہی راہ پر ہیں) نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اصحاب بولے ہم میں کون ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا، اللہ تعالٰی نے آیہ کریمہ "ان الشرك لظلم عظیم" (بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔ت) نازل فرمائی۔

انبانا شیخ العلماء مولانا السید زین دحلان المکی الشافعی عن العلامة عثمان بن حسن الدمیاطی

ہمیں شیخ العلماء مولانا سید احمد زینی دحلان مکی شافعی نے خبر دی انھوں نے علامہ عثمان بن حسن دمیاطی شافعی ازہری سے انھوں نے امیر کبیر

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الانعام باب قولہ تعالٰی ولم یلبسوا ایمانهم بظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۶۶
انوار التنزیل واسرار التاویل (تفسیر البیضاوی) ۲/ ۸۲ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۲۵ و ۴۲۶

الشافعی الازھری عن الامیر الکبیر العلامۃ محمد المالکی الازھری والشیخ عبد اللہ الشرقاوی الشافعی وسیدی محمد الشنوانی الشافعی واٰخرین باسانیدھم الی الامام مسلم بن الحجاج النیسابوری بسندہ الی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فیہ قالوا اینا لایظلم نفسہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیس ھو کما تظنون انما ھو کما قال لقمان لابنہ "یابنی لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم[1]" وھکذا اخرجہ الامام احمد والترمذی وقد اختار الرازی بنفسہ عین ھذا التوجیہ فی قولہ تعالٰی "ارایت الذی ینھی عبدًا اذا صلّٰی[2]" قال "التنکیر فی عبدًا یدل علی کونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاملاً فی العبودیۃ کانہ تعالٰی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبد لایفی العالم بشرح

علامہ محمد مالکی ازہری اور شیخ عبداللہ شرقاوی الشافعی اور سیدی محمد شنوانی شافعی اور دیگر علماء سے ان کی سندوں کے ساتھ جو امام مسلم بن حجاج نیشاپوری تک پہنچتی ہیں انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ تک اپنی سند سے روایت کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا صحابہ نے عرض کی ہم میں کس نے ظلم نہ کیا، تو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ ظلم نہیں جو گمان کرتے ہو یہ تو اس طرح ہے جیسے لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹے! اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اور مسلم کی حدیث کے مثل امام احمد و ترمذی نے بھی روایت کیا اور خود رازی نے توجیہ اللہ تعالٰی کے قول "ارایت الذی ینھی عبدًا اذا صلّٰی" (بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔ت) میں اختیار کی انھوں نے فرمایا کہ عبدًا کا نکرہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمام جہان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حقیقت کے بیان اور عبودیت میں ان کے اخلاص کی توصیف کا حق ادا نہیں

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب صدق الایمان واخلاصہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۷
جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الانعام امین کمپنی دہلی ۲/۱۳۲
مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۲۴
[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۶/۹ و ۱۰ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۲/۲۲

بیانیہ وصفۃ اخلاصہ فی عبودیتہ انتہی۔[1]

والثانیۃ أن توصیفہ بالتلظی ینافی ھذا التخصیص لانہ وصف مطلق النار لا نار مخصوص۔ اقول ولیس بشیئ اذ لا یمتنع توصیف فرد عظیم من جنس بوصف عام نشترک فیہ الأفراد جمیعا و انما الممتنع عکسہ اعنی توصیف جمیع الافراد بما یختص بہ فرد خاص، الاتری الی قولہ تعالٰی "ما محمد الا رسول"[2] مع انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعظم الرسل واکرمھم بالاطلاق، والرسالۃ وصف عام یشترک فیہ المرسلون جمیعا، ولیس فی الاٰیۃ ما یدل علی القصر ینافی العموم، علی ان التلظی مقول بالتشکیک فیجوز ان یراد ھنا تلظ خاص لیس کمثلہ تلظ کما قال اللہ سبحنہ و تعالٰی "یایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم"[3] اطلق الضلال و

کرسکتا۔

دوسری یہ کہ آگ کو تلظّی (بھڑکنے) سے موصوف فرمانا اس تخصیص کے منافی ہے اس لئے کہ بھڑکنا مطلقاً ہر آگ کی صفت ہے نہ کہ کسی خاص آگ کی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض کوئی چیز نہیں اس لئے کہ کسی جنس کے عظیم فرد کو ایسے عام وصف سے جس میں سارے افراد شریک موصوف کرنا ممتنع نہیں، ممتنع تو اس کا عکس ہے یعنی تمام افراد کو ایسی صفت سے موصوف کیا جائے جو کسی خاص فرد کی صفت ہو کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے اس قول کی طرف "اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں" حالانکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب رسولوں سے مطلقاً افضل و اعلٰی ہیں اور رسالت ایک وصف عام ہے جس میں سب رسول شریک ہیں، اور آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو کہ عموم کے منافی ہو، مزید برآں تلظّی (بھڑکنا) کلی مشکک ہے لہذا جائز ہے کہ اس جگہ خاص تلظّی (بھڑکنا) مراد ہو جس کے مثل کوئی تلظّی نہ ہو، جیسے اللہ سبحنہ وتعالٰی نے فرمایا: "اے ایمان والو! تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ پر ہو"

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیہ ۹۲/ ۱۰۹ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۲/ ۲

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۴۴

[3] " " ۵/ ۱۰۵

اراد الضلال البعید وھو الکفر۔

ضلال بولا اور ضلال بعید مراد لیا اور وہ کفر ہے۔

اخرج الامام احمد والطبرانی وغیرھما عن ابی عامر الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ھٰذہ الاٰیۃ فقال لایضرکم من ضل من الکفار اذا اھتدیتم۔[1]

امام احمد وطبرانی وغیرہما نے ابوعامر اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دریافت کیا اس آیت کے بارے میں تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تمھارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا (یعنی کافر لوگ) جبکہ تم راہ پر ہو۔

والعجب ان الرازی جنح بنفسہ الٰی نحو من ھذا فی قولہ تعالٰی "نارٌ حامیۃ" قال والمعنی ان سائر النیران بالنسبۃ الیھا کانھا لیست حامیۃ وھذا القدر کاف فی التنبیہ علٰی قوۃ سخونتھا نعوذ باللہ منھا الخ[2] فما للشعیر یوکل ویذم۔

اور تعجب تو یہ ہے کہ فخر رازی خود اس کے قریب توجیہ کی طرف مائل ہوئے اللہ تعالٰی کے قول نارٌ حامیۃ کی تفسیر میں انھوں نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ ہر آگ جہنم کی آگ کے مقابل گویا گرم ہی نہیں اور اتنی بات آتش جہنم کی سخت گرمی پر متنبہ فرمانے کو کافی ہے ہم اللہ کی اس سے پناہ مانگتے ہیں جَو کھایا جائے اور بُرا بھی کہا جائے۔

اقول لك ان تقول ان لظی من المجرد وتلظی من المزید وزیادۃ اللفظ تدل علی زیادۃ المعنی کما قالوا فی الرحمٰن والرحیم وغیر ذٰلک مع ما فیہ من التشدید

میں کہتا ہوں اور تمھیں پہنچتا ہے کہ تم کہو کہ لظی مجرد کے قبیل سے ہے اور تلظی مزید کے قبیل سے ہے اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ رحمٰن ورحیم وغیرہ میں علماء نے فرمایا اس کے ساتھ تلظی

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی عامر الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۴/۱۲۹ و ۲۰۱
مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب التفسیر سورۃ المائدۃ دار الکتاب ″ ۷/۱۹
[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۱۰۱/۱۱ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۲/۷۴

لفظا المنبئ عن الشدة معنى کما فی قتل وقتّل وقاتل وقتّال مع أن باب الادعاء واسع وقصر الوصف علٰی اعظم من یوصف شائع قال تعالٰی فی المهاجرین "اولٰئك هم الصادقون[1]" ویمکن أن تجعل من هذا القبیل امثال قوله تعالٰی "انه هو السمیع العلیم[2]"، وقد حققنا المسألة فی خاتمة رسالتنا سلطنة المصطفٰی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بما لا مزید علیه هذا وکان قلب ابی عبیدة رکن الی هذا الوجه الذی ذکر القاضی الامام شیئا قلیلا ثم بدا له ما بدا فانحجم کما حکینا لك کلامه ستسمع مناجوابه ان شاء الله تعالٰی۔

الثانی من وجهی القاضی" أن المراد بقوله تعالٰی "نارا تلظی" النیران اجمع، ویکون المراد بقوله تعالٰی لا یصلٰها الا الاشقی ای هذا الاشقی به احق، وثبوت هذه الزیادة فی الاستحقاق

میں لفظی شدت ہے جو معنوی شدت کی خبر دیتی ہے جیسے لفظ قتل اور قتّل اور قاتل و قتّال میں، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ادعاء کا باب واسع ہے اور صفت کو سب موصوفین سے بڑے موصوف پر مقصور رکھنا عرف شائع ہے۔ اللہ تعالٰی کا مہاجرین کے بارے میں ارشاد ہے اولٰئك هم الصادقون[1] (یہی لوگ سچے ہیں) اور ممکن کہ تم اللہ تعالٰی کے قول (بیشک وہی ہے سنتا جانتا ہے) کو اس قبیل سے قرار دو، اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتمہ میں ایسے کلام سے جس میں زیادتی نہیں ہوسکتی کی ہے اور اس توجیہ کی طرف جو قاضی امام نے بیان فرمائی ابوعبیدہ کا دل کچھ مائل ہوا تھا پھر اس کو سوجھی جو سوجھی تو وہ اس سے منحرف ہوگیا جیسا کہ ہم تم سے اس کا کلام ذکر کرچکے اور عنقریب تم ہم سے اس کا جواب سنو گے ان شاء اللہ تعالٰی۔

قاضی کی ارشاد فرمودہ دو وجہوں میں سے دوسری یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول نارا تلظّی سے مراد تمام آتشیں ہیں، اور اللہ تعالٰی کے قول لا یصلٰها الا الاشقی (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت) سے مراد یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا بدبخت ان تمام آزمائشوں کے

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/۸

[2] " " ۴۱/۳۶

غیر حاصل الا لهذا الاشقى انتهى[1].

والى نحو من هذا يميل ما جزم به الزمخشرى فى الكشاف مقتصرا عليه ونقله الامام النسفى رامزا اليه من ان "الاٰية واردة فى الموازنة بين حالتى عظيم من المشركين وعظيم من المؤمنين فاريد ان يبالغ فى صفتيهما المتناقضتين فقيل الاشقى وجعل مختصا بالصلى كان النار لم تخلق الا له، وقيل الاتقى وجعل مختصا بالنجاة كان الجنة لم تخلق الا له" انتهى[2].

اقول وهذا هو الحصر الادعائى الذى وصفنا لك ولا شك انه دائر سائر بين البلغاء يشهد بهذا من تتبع دواوين العرب وكلامهم فى المدح والهجاء ومعلوم ان الزمخشرى له يد طولى وكعب علیا فى فنون الادب وصنائع الادباء فقول الرازى انه ترك الظاهر من غير دليل[3] انتهى غير مستحسن

سب سے زیادہ سزاوار ہے اور استحقاق کی زیادتی اسی سب سے بڑے بدبخت کو حاصل ہے انتہی۔ اور اس سے قریب توجیہ کی طرف وہ توجیہ مائل ہے جس پر زمخشری نے جزم کیا کشاف میں اس پر اکتفا کرتے ہوئے اور زمخشری کی وہ توجیہ امام نسفی نے اس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے نقل فرمائی وہ توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے ایک عظیم اور مومنین کے ایک عظیم کے دو متناقض صفتوں میں مبالغہ فرمایا جائے تو اشقی فرمایا گیا اور اسے آتش جہنم میں جانے کیلئے مخصوص ٹھہرایا گیا گویا جہنم کی آگ اسی کے لئے پیدا ہوئی ہے اور اتقی فرمایا گیا اور نجات کے لئے مخصوص فرمایا گیا گویا جنت اسی کے لئے بنی ہے انتہی۔

میں کہتا ہوں یہی وہ حصر ادعائی جس کا بیان ہم نے تم سے کیا اور کوئی شک نہیں کہ یہ بلغاء میں دائر وسائر ہے اس کی گواہی عرب کے دیوانوں کو اور مدح وہجو میں ان کے کلام کو خوب مطالعہ کرنے والا دے گا، اور یہ معلوم ہے کہ زمخشری کو فنون ادب اور ادیبوں کی صنعتوں میں بڑی دسترس ہے اور اونچا درجہ حاصل ہے تو فخر رازی کا زمخشری پر یہ اعتراض کہ اس کی یہ توجیہ ظاہر کو بے دلیل چھوڑنا ہے انتہی خوب نہیں

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۲/۱۵و۱۶ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۴

[2] مدارک التنزیل ″ ″ ۹۲/۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۶۳

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) ″ ″ ″ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۴

واى شئ اكبر دلالة من الاحتياج الى تصحيح الكلام وليس تاويل الأشقى بالشقى اقرب الى الظاهر من هذا الحصر مع شيوعه و كثرة وقوعه نظماً و نثراً وتصحيح الكلام قرينة كافية فى امثال هذا المقام الاترى إنك اذا سمعت رجلا يقول زيد هو الكريم علمت اوّل وهلة من دون تأمل ولا مهلة ان مراده ان ليس كريم مثله لا أن لاكريم مثله وهذا ظاهر جدا، هذا ما يتعلق بحكم الاشقى، ولا شك أن الكلام ههنا محتاج بظاهره الى تاويل اوتوجيه لكن اباعبيدة زاد فى الشطرنج بغلة ثم تتابع فى قوم من المتاخرين ينقلون كلامه من دون تنقيح كما حكينا لك ديدنهم من كلام الامام العلامة السيوطى رحمه الله تعالیٰ حمله على ذلك أن ظن ان اية الاتقى ايضاً محتاجة الى التاويل حيث قال و ان زعمت انه تعالیٰ نكر النار الى اخر الخ ما نقلنا عنه فلم يثبت أن اخذ الاتقى بمعنى التقى ليشمل كل مؤمن ووافقه على ذلك الزمخشرى وغيره لكنهم

اورکلام کی تصحیح کی حاجت سے بڑی کون سی دلیل ہے؟ اور اشقی کی تاویل شقی سے اس حصر کی بہ نسبت ظاہر سے نزدیک تر نہیں باوجود اس کے یہ حصر عرف میں شائع ہے اور نظم و نثر میں بکثرت واقع ہے اور تصحیح کلام کی حاجت اس جیسے مقامات میں قرینہ کافیہ ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جب تم کسی کو یہ کہتے سنو کہ زید ہی کریم ہے تو پہلی فرصت میں تم جان جاؤ گے کہ زید جیسا کوئی کریم نہیں نہ یہ کہ زید کے سوا کوئی کریم نہیں، اور یہ خوب ظاہر ہے، یہ تو حکم اشقی سے متعلق تھا اور کوئی شک نہیں کہ اس مقام پر کلام اپنے ظاہر سے تاویل یا توجیہ کا محتاج ہے لیکن ابوعبیدہ نے شطرنج کے مہروں میں بغلہ (خچر) بڑھا دیا پھر متاخرین میں سے کچھ لوگ پے در پے اس کا کلام بغیر تنقیح کے نقل کرتے رہے، جیسا کہ ہم نے تم سے امام علامہ سیوطی کے کلام سے ان کی عادت کی حکایت کی۔ اس کے لئے اس کا سبب یہ ہوا کہ اس نے یہ گمان کیا کہ وہ آیت بھی جس میں اتقی وارد ہوا تاویل کی حاجتمند ہے اس لئے کہ اس نے کہا کہ اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ نے نار کو نکرہ فرمایا الخ تو کچھ دیر نہ ٹھہرا کہ اتقی کو بمعنی تقی کے لیا تاکہ آیت ہر مومن کو شامل ہو جائے اور اسی بات میں زمخشری وغیرہ نے اس سے اتفاق کیا مگر اس کی تاویل

لم يوافقه على التاويل كما سمعت و وهذا الكلام لا يقوم على ساق اذ ليس فى قوله تعالىٰ وسيجنبها الاتقى ما يدل على الحصر والقصر وانما يصف الله سبحٰنه وتعالىٰ عبدًا له اتقى بأنه يجنب النار و يبعد عنها لانه لا يجنب النار الا هو ورحم الله الرازى حيث تفطن لهذا فذكر فى الاشقى قولا انه بمعنى الشقى ولم يذكره فى الاتقى راسا بل صرح بخلافه حيث قال "هذا لا يدل على حال غير الاتقى الا على سبيل المفهوم والتمسك بدليل الخطاب[1] الخ"

اقول بل ولا يتمشى على مذهب القائلين بمفهوم الصفة ايضًا فان الكلام مسوق لمدح الاتقى كما يدل عليه سبب النزول و مقام المدح والذم مستثنىٰ عندهم ايضًا كما هو مذكور فى كتب الاصول فيا للعجب من القاضى البيضاوى الشافعى

میں ان لوگوں نے اسکی موافقت کی جیسا کہ تُو نے سُنا اور یہ کلام پائے ثبات پر قائم نہیں اس لئے اللہ تعالٰی کے قول وسیجنبہا الأتقی میں کوئی لفظ نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو اللہ تعالٰی تو اپنے ایک بندے کا وصف بیان فرماتا ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہو یوں کہ وہ جہنم کی آتش سے بہت دور رکھا جائے گا یہ مطلب نہیں کہ جہنم کی آگ سے وہی بچایا جائے گا۔ اور اللہ تعالٰی علامہ رازی پر اپنی رحمت فرمائے کہ انھوں نے اس امر کو سمجھ لیا لہذا اشقی میں ایک قول ذکر کیا کہ وہ بمعنی شقی کے ہے اور اتقی میں اسے بالکل ذکر نہ کیا بلکہ اس کے خلاف کی تصریح کی اُنھوں نے فرمایا یہ آیت کریمہ جس میں اتقی کے لئے بشارت ہے غیر اتقی کے حال پر دلالت نہیں کرتی مگر اپنے مفہوم کے اعتبار سے اور دلیل خطاب سے تمسک کے طور پر الخ۔

میں کہتا ہوں بلکہ یہ بات ان کے مذہب پر بھی نہیں چلتی جو مفہوم صفت کے قائل ہیں اس لئے کہ کلام مدحتِ اتقی کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ اس پر سببِ نزول دلالت کرتا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک مقام مدح و ذم بھی مستثنیٰ ہے جیسا کہ کتبِ اصولِ فقہ میں مذکور ہے تو قاضی بیضاوی شافعی پر تعجب ہے اُنھوں نے

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۹۲/۱۷ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/۲۰۴

كيف تمسك ههنا بالمفهوم، مع انه ليس محله بالاتفاق و أشد العجب من القاضي الامام ابي بكر الشافعي اذ زل قلمه فمال الى افادة الحصر مع انه يخالف ائمته في القول بالمفهوم رأسا، وهكذا يرينا الله اٰياته في الآفاق وفي انفسنا كيلا يغتر مغتر بدقة انظاره ولا يسخر ساخر من عاثر في افكاره، اذ نرى كل صارم ينبو و كل جواد يكبو فعلام يزهو من يزهو وسقى الله عهد من قالوا وما ادرٰك من قالوا سادة كرام قادة الامة ابراهيم النخعي و مالك بن انس وغيرهما من الائمة اذ قالوا، ولنعم ما قالوا كل احد ماخوذ من كلامه و مردود عليه الا صاحب هٰذا القبر[2] صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، نسأل الله الوقاية في البداية و النهاية، والحمد لله رب العالمين۔

کیونکر مفہوم سے استدلال کیا حالانکہ بالاتفاق یہ اس کا محل نہیں، اور سخت تعجب تو قاضی امام ابوبکر شافعی پر ہے کہ ان کے قلم نے لغزش کی تو وہ اس طرف مائل ہوئے کہ آیت حصر کا فائدہ دیتی ہے حالانکہ وہ قول بالمفہوم میں اپنے ائمہ کے بالکل مخالف ہیں[1] اور یونہی اللہ ہمیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ہمارے نفوس میں دکھاتا ہے تاکہ کوئی اپنی باریک بینی پر مغرور نہ ہو اور کوئی ہنسنے والا اپنے افکار میں لغزش کرنے والے سے نہ ہنسے، اس لئے کہ ہر تلوار اچٹتی ہے اور ہر گھوڑا گرتا ہے تو گھمنڈ کرنیوالا کاہے کو گھمنڈ کرے، اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانے کو سیراب کرے جنھوں نے فرمایا اور تمھیں کیا خبر وہ کون لوگ ہیں جنھوں نے فرمایا سرداران بزرگ اُمت کے مقتدا ابراہیم نخعی و مالک بن انس وغیرہ ائمہ کہ اُنھوں نے فرمایا اور کیا خوب فرمایا کہ ہر شخص کی کوئی بات مقبول ہوتی ہے اور کوئی نامقبول مگر اس قبر شریف کے ساکن یعنی حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کہ اُن کی ہر بات قبول ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے حفاظت مانگتے ہیں ابتداء وانتہاء میں، والحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] الیواقیت والجواہر المبحث التاسع والاربعون داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۸ ۴

[2] الانصاف لولی اللہ دہلوی مکتبہ حقیقۃ دار الشفقت استنبول ترکی ص ۱۳

والآن أن أن نستكمل الرد على أبي عبيدة فيما فر عنه و فيما اطمأن عليه فأقول و بالله التوفيق نزعم الرجل أولاً أن تأويل الاشقى بالشقى ينجيه عما فيه اذ آل الكلام الى ان لا يصلى النار الا الكافر و هذا حق لا غبار عليه ۔

اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم ابوعبیدہ کا رد اس میں جس سے اس نے فرار اختیار کیا اور جس پر وہ مطمئن ہوا تمام کریں، تو میں کہتا ہوں اور اللہ سے ہی توفیق ہے اس شخص نے پہلے خیال یہ کیا کہ اشقی کی تاویل شقی سے اسے اس آفت سے نجات دے دے گی جس میں وہ مبتلا ہے اس لئے کہ کلام کا مآل یہ ہوا کہ دوزخ کی آگ میں کافر ہی جائے گا۔ اور یہ بات حق ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔

قلنا نظرت الموصوف و تركت الصفة يقول الله سبحنه و تعالى لا يصلها الا الاشقى الذى كذب و تولى[1]، و معلوم ان من الكفار من لم يكذب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم مدة عمره لا بجنانه و لا بلسانه و انما اكفره ان سبق الكتاب و خذل التوفيق والعياذ بوجه المولى الكريم۔

ہم کہیں گے کہ تم نے موصوف کو دیکھا اور صفت کو چھوڑ دیا اللہ سبحنہ و تعالیٰ فرماتا ہے لا يصلها الا الاشقى الذى كذب وتولى (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) اور یہ معلوم ہے کہ کافروں میں وہ بھی ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ جھٹلایا نہ اپنے دل سے نہ اپنی زبان سے، اس کا کفر تو یوں ہوا کہ اللہ کا لکھا غالب آیا اور توفیقِ الٰہی نے اس کا ساتھ نہ دیا اور مولائے کریم کی ذات کی پناہ ہے۔

اقول وهذا ابو طالب عم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أفنى عمره في حفظه وحمايته و بلغ الغاية القصوى

میں کہتا ہوں یہ ہیں ابوطالب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا جنھوں نے اپنی عمر حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت و حمایت میں فنا کر دی اور وہ حضور صلے اللہ تعالیٰ

---

[1] القرآن الكريم ۹۲/۱۵و۱۶

من محبته وولايته قد كان حبه صلى الله تعالى عليه وسلم أخذ بمجامع قلبه حتى كان يفضله على الاطفال الصغار من بني صلبه، و لما بعث الله تعالى نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم فدعا المشركين الى التوحيد وهجم عليه الاعداء من كل شاء وبعيد، قام بنا ضل عنه صلى الله تعالى عليه وسلم فاعظم بره ولازم نصره وقاسى ماقاسى من شدائد لا تحصى في مهاجرة المشركين من عشيرته الاقربين. وهوالذي لما تمالأت قريش على المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم ونفوا عنه من يريد الاسلام انشاء قصيدة تدل على عظم حبه للمصطفى وشدة بغضه اعدائه اللئام كما روى ابن اسحٰق وغيره من الثقات ومنها هٰذه الابيات ؎

اعبد مناف انکم خیر قومکم
فلا تشرکوا فی امرکم کل واغل

فقد خفت ان لم یصلح الله امرکم
تکونوا کما کانت احادیث وائل

اعوذ برب الناس من کل طاعن
علینا بسوء او ملح بباطل

علیہ وسلم کی محبت اور نصرت کی انتہائی حد کو پہنچے، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت نے ان کے پورے دل کو ایسا پکڑ لیا تھا کہ اپنے صلبی کم سن بچوں پر حضور علیہ السلام کو فضیلت دیتے تھے اور جب اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو سرکار نے مشرکین کو وحدانیت کی طرف بلایا اور دین کے دشمن ہر سمت دور دراز سے حملہ آور ہوئے ابوطالب ان کی حمایت کو کافروں سے لڑنے کو کھڑے ہو گئے تو سرکار کے ساتھ بڑی نیکی کی اور ہمیشہ ان کی مدد کی اور اپنے قریبی رشتہ دار مشرکوں کی طرف سے کیسی بے شمار سختیاں جھیلیں ۔ یہ وہی ابوطالب تھے کہ جب سارے قریش مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے مخالف ہوئے اور اسلام کے خواہشمند ول کو سرکار علیہ السلام سے دور کیا تو انھوں نے ایک قصیدہ کہا جو مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بڑی محبت اور ان کے کمین دشمنان سے شدید عداوت کی دلیل ہے، جیسا ابن اسحٰق نے معتمد راویوں سے روایت کیا ہے۔ اسی قصیدہ کے یہ شعر ہیں:

اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنی قوم میں سب سے بہتر ہو، تو تم اپنے معاملہ میں ہر خسیس کو شریک نہ کرو۔ بیشک مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اللہ نے تمہارا حال ٹھیک نہ کیا تو تم وائل کے افسانوں کی طرح افسانہ ہو جاؤ گے۔ میں لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں ہر برائی کا طعنہ دینے والے اور باطل پر اصرار کرنے والے سے

ومن کاشح یسعٰی لنا بعیبة
ومن ملحق فی الدین ما لم یحاول

اور کینہ پرور سے جو ہم پر گھمنڈ کی کوشش کرے، اور اس سے جو دین میں ایسی بات شامل کرے جو دین میں کبھی نہ پائی گئی ہو۔

وثور ومن اُرسٰی ثبیرًا مکانه
وراق لبرٍّ فی حراء ونازل

اور کوہِ ثور سے اور اس سے جس نے کوہِ ثبیر کو اپنی جگہ جمایا اور کوہِ حرا میں عبادت کے لئے چڑھنے اور اُترنے والے سے۔

وبالبیت حق البیت فی بطن مکة
وباللّٰه ان اللّٰه لیس بغافل

اور اللہ تعالیٰ کے سچّے گھر کی قسم اور اللہ کی قسم بیشک اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔

کذبتم وبیت اللّٰه نبزی محمدًا
ولما نطاعن دونه ونناضل

اللہ کے گھر کی قسم! اے کافرو! تم جھُوٹے ہو اس گمان میں کہ ہم محمد (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو چھوڑ دیں گے۔

ونسلمه حتی نصرع حوله
ونذهل عن ابنائنا والحلائل

حالانکہ ابھی ہم نے حضور علیہ السلام کے گرد نیزوں اور تیروں سے جنگ نہ کی اور کیا ہم محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمہارے سپرد کر دیں گے جب تک کہ اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل نہ ہو جائیں۔

لعمری لقد کلفت وجدا بأحمد
وأحببته داب المحب المواصل

مجھے اپنی جان کی قسم! مجھے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شدید محبت ہے اور میں انھیں ایسا چاہتا ہوں جس طرح پیہم چاہنے والے کی عادت ہوتی ہے۔

فمن مثله فی الناس ای مؤمل
اذا قاسه الحکام عند التفاضل

جب فیصلہ کرنے والے مقابلے کے وقت کسی کو ان پر قیاس کریں تو ان جیسا لوگوں میں کون ہے جس کے لئے یہ امید ہو کہ وہ ان کا ہم پلّہ ہوگا۔

حلیم رشید عاقل غیر طائش
یوالی الاهالیس عنه بغافل

حلم والے، رُشد والے، عقل والے، طیش والے نہیں وہ بیوقوف و بے قدر سے محبت رکھتے ہیں جو ان سے غافل نہیں۔

فواللہ لولا ان اجئ بسبة
تجرّ علی اشیاخنا فی المحافل

تو خدا کی قسم اگر اس کا اندیشہ نہ ہو تا کہ میں ایسا کام کروں جو ہمارے بزرگوں پر محافل میں ملامت کا سبب بنے۔

لکنا اتبعناہ علی کل حالة
من الدھر جدًا غیر قول التھازل

تو ہم نے زمانہ کی ہر حالت میں ان کی پیروی کی ہوتی تو یہ بات سنجیدگی سے بے مذاق کے کہتا ہوں۔

فاصبح فینا احمد فی أرومة
تقصر عنھا سورة المتطاول

تو احمد صلے اللہ تعالے علیہ وسلم ہمارے اندر ایسے عالی نسب ہیں جس کو فخر کرنے والے کی محبت پانے سے عاجز ہے۔

حدبت بنفسی دونہ وحمیتہ
ودافعت عنہ بالذرا والکلاکل[1]

میں نے اپنی جان کو ان کے سپرد کر دیا اور ان کی حمایت کی اور سرداروں اور گروہوں کے ذریعہ (یا سروں اور سینوں کے ذریعہ) دشمنوں سے حضور کا بچاؤ کیا۔

ولقد کان یتبرک بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویتوسل بہ الی اللہ تعالٰی فی الدعاء کما یدل علیہ ماروی العلماء من سنة قریش وحدیث الاستسقاء[2]، وقد حث الناس علی اتباعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واخبر عن امور لم تقع فصدق

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے برکت طلب کرتے اور دعا میں آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وسیلہ بناتے چنانچہ اس پر قریش کی قحط سالی اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ جسے علماء نے روایت فرمایا ہے دلالت کرتا ہے اور بیشک ابو طالب نے لوگوں کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع پر اُبھارا اور ان باتوں کی خبر دی جو واقع نہ ہوئی تھیں تو ایسا ہی

---

[1] السیرة النبویة لسید احمد زینی دحلان باب وفاة عبدالمطلب المکتبة الاسلامیة بیروت ۱/۹۳
السیرة النبویة لابن ہشام شعر ابی طالب فی استعطاف قریش دار ابن کثیر بیروت الجزء الاول والثانی ص ۲۷۲ تا ۲۸۰
[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۶

سبحٰنہ وتعالٰی ظنہ ووقع کمثل اخبارہ فوقع ولقد کان لہ موقع عظیم فی قلب النبی الکریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم حتی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لما جاءہ اعرابی فقال یارسول اللہ اتیناك وما لنا صبی یغط ولا بعیر یئط وانشد ابیاتا فقام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یجر رداءہ حتی صعد المنبر ورفع یدیہ الی السماء فواللہ مارد یدیہ بکریمتین حتی التقت السماء بأبراقھا وجاءوا یضجون الغرق، فضحك صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی بدت نواجذہ وتذکر قول ابی طالب فی مدحہ حیث یقول: ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتامٰی عصمۃ للارامل[1]

فقال للہ در أبی طالب لوکان حیا لقرت عیناہ من ینشدنا قولہ، فقال علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ یارسول اللہ

ہُوا جیسا اُنھوں نے خبر دی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں ان کے لئے مقام عظیم تھا یہاں تک کہ جب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر عرض کی کہ ہم سرکار کے پاس آئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ضعف سے ہمارے بچّوں کی آواز نہیں نکلتی اور ہمارے اونٹ لاغری سے کراہتے نہیں اور اس اعرابی نے سرکار کی مدح میں کچھ اشعار پڑھے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام چادر اقدس کو گھسیٹتے ہُوئے اٹھے اور منبر پر صعود فرمایا اور آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو خدا کی قسم ابھی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھ نیچے نہ کئے تھے کہ آسمان بجلیوں سے بھر گیا اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ پکارتے ہُوئے آئے کہ ہم ڈوبے، تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبسم فرمایا یہاں تک کہ دندان اقدس چمکے اور آپ کو اپنی تعریف میں ابو طالب کا قول یاد آیا جب انھوں نے عرض کیا تھا کہ:

سرکار گورے ہیں جن کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کی ٹیک اور بیواؤں کا سہارا ہیں۔

پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ کے لئے ابو طالب کی خوبی ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتیں کون ہمیں ان کے شعر سنائے گا، تو حضرت علی

---

[1] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷
دلائل النبوۃ للبیہقی باب استسقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۴۱

كانك تريد قوله وابيض يستسقى، و
وذكر ابياتاً فقال صلى الله تعالٰى
عليه وسلم اجل كما اخرجه
البيهقى فى دلائل النبوة[1] عن
سيدنا انس رضى الله تعالٰى
عنه فانظروا الٰى قوله
صلى الله تعالٰى عليه
وسلم "لله درّ ابى طالب"
وقوله صلى الله تعالٰى عليه
وسلم "لوكان حيا لقرت
عيناه" وقوله صلى الله
تعالٰى عليه وسلم "من
ينشدنا قوله" ولم ينقل عنه
مرة انه رد على النبى
صلى الله تعالٰى عليه وسلم
وكذبه فيه بل هو
القائل فى تلك
القصيدة مخاطبا لقريش ؎
لقد علموا ان ابننا لامكذب
لدينا و لايعنى بقول الاباطل[2]

ولذا كان اهون اهل

کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے عرض کیا گویا سرکار کی مراد
ان کا وہ قصیدہ ہے جس میں انھوں نے عرض کی
"وہ گورے رنگ والے جن کے چہرے کے
ذریعہ بارش طلب کی جاتی ہے۔" اور سیدنا علی
کرم اللہ وجہہ نے چند شعر پڑھے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا، ہاں میں یہی چاہتا تھا۔
جیسا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں سیدنا انس
رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا تو سرکار
ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول "لِلّٰہِ
دَرُّ ابی طالب" (اللہ کے لئے ابو طالب کی
خوبی ہے) کو دیکھو اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم کے اس فرمان کو دیکھو کہ "اگر ابو طالب زندہ
ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔" اور
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد پر
نظر کرو کہ "ہمیں کون ابو طالب کے شعر سنائے گا؟"
اور ایک بار بھی منقول نہ ہوا کہ ابو طالب نے سرکار
کی کسی بات کو رد کیا ہو یا سرکار کو جھٹلایا ہو، بلکہ
خود اسی قصیدہ میں قریش سے مخاطب ہو کر کہتے
ہیں کہ "خدا کی قسم لوگ جانتے ہیں کہ ہمارا فرزند
ہمارے نزدیک ایسا نہیں کہ جھٹلایا جائے اور
نہ اسے جھوٹی باتوں سے کام ہے۔"

اور اسی وجہ سے ابو طالب پر تمام دوزخیوں

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب استسقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۱۴۱
[2] السیرۃ النبویۃ سید احمد زینی دحلان باب وفاۃ عبد المطلب المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۸۳

الناس عذابا کما فی الصحاح و
نفعته شفاعة الشفیع المرتجی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی اخرج
الٰی ضحضاح[1] علی خلاف من سائر
الکافرین الذین لا تنفعہم شفاعة
الشافعین، ویالیته لو اسلم
لکان من افضل اصحاب النبی صلی
اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولکن قضاء
اللہ لا یرد وحکمہ لا یعقب وللہ
الحجة السامیة ولا حول ولا قوة الا
باللہ العزیز الحکیم وقد فصلنا المسئلة
فی بعض فتاوٰنا واظہرنا
بطلان قول من قال باسلامہ
واذا کان ذلک کذلک ظہر ان
الحصر فی الشقی المکذب
ایضا غیر مستقیم الٰی ہذا اشار
القاضی الامام حیث قال "لا یمکن
اجراء ہذہ الاٰیة علٰی
ظاہرہا" ویدل علٰی
ذلک ثلثة اوجہ،

احدہا انه یقتضی
ان لا یدخل النار" الا الاشقی
الذی کذب وتولّی" فوجب فی الکافر

سے ہلکا عذاب ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہوا
اور شفیع مرتجٰی (امیدگاہِ عاصیاں) صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم کی شفاعت نے انھیں نفع دیا تو ان پر
تخفیف کے لئے انھیں جہنم کے بالائی سرے پر
رکھ دیا گیا اور یہ معاملہ ان کے ساتھ سارے کافروں
کے برخلاف ہے جنھیں شفیعوں کی شفاعت کام
نہ دے گی اور کاش وہ ایمان لاتے تو نبی صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم کے افضل صحابہ سے ہوتے. لیکن
اللہ کا لکھا نہیں ٹلتا اور اس کا حکم نہیں بدلتا اور
اللہ ہی کے لئے حجت بلند اور معصیت سے پھرنے
کی قوت اور طاعت کی طاقت اللہ عزیز حکیم کے
دئے بغیر نہیں، اور ہم نے اس مسئلہ کو اپنے
بعض فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کیا اور ابوطالب
کے اسلام کے قائل کی رائے کا بطلان ظاہر کیا ہے
اور جب یہ بات یوں ہے تو ظاہر ہوا کہ حصر شقی
مکذِّب (جھٹلانے والے) میں بھی درست نہیں
اسی طرف امام ابوبکر نے اشارہ کیا چنانچہ انھوں
نے فرمایا کہ اس آیت کو اس کے ظاہری معنٰی
پر جاری کرنا ممکن نہیں اور اس پر تین وجوہ دلالت
کرتی ہیں:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حصر اس کا
مقتضی ہے کہ جہنم میں وہی کافر جائے گا جو سب
سے بڑا بدبخت ہو جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۴۸

الذی لم یکذب و لم یتول ان لا یدخل النار[۱] الخ۔

کی تکذیب کی ہو اور ان کی سچائی کے دلائل میں نظر سے اعراض کرتا ہو، تو لازم آیا کہ وہ کافر جس سے تکذیب و اعراض سرزد نہ ہوا (جیسے ابوطالب) جہنم میں نہ جائے۔

قلت و بما قررنا المقال بان لك انخساف ما قال الرازی متعقبا للامام القاضی ان کل کافر لابد و ان یکون مکذبًا للنبی فی دعواہ و یکون متولیًا عن النظر فی دلالة صدق ذٰلك النبی[۲] الخ

میں کہتا ہوں جس طور پر ہم نے اپنے مقالہ کی تقریر کی اس سے امام رازی کے اس قول کا ضعف ظاہر ہوگیا جو انھوں نے امام قاضی پر بطور اعتراض کیا ہے کہ ہر کافر کا نبی کو اس کے دعوے میں جھٹلانا ضروری ہے اور اس نبی کے دلائل صدق میں نظر سے رُوگردانی اسے لازم ہے۔

وظھر ایضا أن ھٰذا التاویل الذی ارتضاہ کثیر من المتاخرین ولا یسد خلة ولا یشفی غلة و علیك بتلطیف القریحة۔

اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ تاویل جسے بہت سے متاخرین نے پسند کیا کوئی حاجت پوری نہیں کرتی نہ تشنگی کو اُکساتی بجھاتی ہے اور تم لطافت طبع کو لازم پکڑو۔

وزعم ثانیًا ان اٰیة الأتقی ایضا تفتقر الی التاویل لقرینتھا فارتکب ماکان فی مندوحة عنه کما حققنا۔

اور ثانیًا اُسے گمان کیا کہ وہ آیت جو اتقی کے بارے میں ہے وہ بھی اپنے ساتھ والی آیت کی طرح محتاجِ تاویل ہے، تو اس کا ارتکاب کیا جس سے وہ بے نیاز تھے جیسا کہ ہم نے تحقیق کی۔

وزعم ثالثًا ان تاویله الاتقی بالتقی مما یفیدہ ویغنی زعما منه ان غیر التقی المذکور

اور ثالثًا گمان کیا کہ اس کا اتقی کو تقی کی طرف مؤول کرنا اسے فائدہ دے گا اور غنا بخشے گا اس گمان کی بنا پر کہ اس کے نزدیک

---

[۱] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹۲/۱۵ و ۱۶ المطبعة البھیة المصریة مصر ۳۱/۲۰۳

[۲] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۳۱/۲۰۴

فی الآیۃ لایجنب النار۔

آیت میں مذکور تقی کے سوا کوئی آتشِ دوزخ سے نہ بچایا جائے گا۔

اقول ولا یرد علیہ ما سیظن أن این رحمۃ اللہ تعالٰی علی العصاۃ وقد اذنت نصوص قواطع ان کثیرا من الفجار والمثقلین بالاوزار والھا لکین علی الاصرار لایسمعون حسیس النار بمحض رحمۃ العزیز الغفار وفیض شفاعۃ الشفیع المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ التقوٰی درجات وفنون اولھا اتقاء الکفر وھذا یستوی فیہ المومنون وقد افصح ابوعبیدۃ عن مرادہ اذ قال الاتقی بمعنی التقی وھو المؤمن[1] انتھی۔

میں کہتا ہوں اور اس پر وہ سوال وارد نہیں ہوتا جس کا عنقریب وہ گمان کریگا کہ پھر اللہ تعالٰی کی رحمت گنہگاروں پر کہاں گئی حالانکہ قطعی دلیلیں بتا چکیں کہ بہت سے بدعمل اور گناہوں سے بوجھل اور مرتے دم تک گناہوں کے عادی محض رحمت عزیز غفار اور شفیع مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب آتش دوزخ کی بھنک تک نہ سنیں گے اس لئے کہ تقوٰی کے درجات اقسام میں ان کا پہلا درجہ کفر سے بچنا ہے جس میں مومن برابر ہیں اور ابوعبیدہ نے اپنی مراد ظاہر کر دی کہ اس نے کہا اتقی بمعنی تقی کے ہے اور تقی مومن ہے اھ

اقول وبہ اندفع ما یتراٰی من النقض بالصبیان والمجانین فان المراد بالتقی المؤمن والصبی ان عقل فاسلامہ معقول مقبول والجنون ان طرء فیستصحب الایمان السالف والا فینسحب علیھما حکم الفطرۃ الاسلامیۃ۔

میں کہتا ہوں اس تقریر سے وہ اعتراض دفع ہوگیا جو بچوں اور پاگلوں سے نقض کے ذریعہ اٹھتا معلوم ہوتا تھا اس لئے کہ تقی سے مراد مومن ہے اور بچہ اگر سمجھ والا ہے تو اس کا اسلام معقول اور مقبول ہے اور مجنون پر جنون اگر طاری ہے تو شرعًا اس کا ایمان سابق اس کے ساتھ مانا جائے گا ورنہ ان دونوں پر حکم فطرت اسلامیہ جاری (یعنی انھیں بحکم مسلمان جانیں گے)۔

لکنی اقول اولًا فما ذا تصنع باللام الداخلۃ علی الاتقی

لیکن میں کہتا ہوں کہ اولًا جب اتقی بمعنی تقی کے ٹھہرا تو اس صورت میں اس لام

[1] مدارک التنزیل (التفسیر النسفی) بحوالہ ابی عبیدہ تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

اذ قد تقرر فی الاصول انہا ان لم تکن للعہد فللاستغراق[1]، ومعلوم ان من المؤمنین من یعذب ولا یجنب، ولا ینفع ارادة اللزوم بالصلی اذا الکنایة للنار دون الصلی، ولقد اغرب من تفطن لبعض من ہذا کالقاضی البیضاوی فحمل الکلام علی من یتقی الکفر والمعاصی **اقول** نعم الآن یصح الاستغراق ولکن من للحصر المزعوم الذی یرتکب لاجلہ تاویل الاتقی، اذ من الفجار من یجنب ولا یعذب کما ذکرنا وعلی ہذا یرد النقض ایضا بالصبی والمجنون۔

کے ساتھ کیا معاملہ کرو گے جو اتقی پر داخل ہے اس لئے کہ اصول میں مقرر ہوچکا ہے کہ لام اگر عہد کے لئے نہ ہوگا تو استغراق کے لئے ہوگا۔

اور یہ معلوم ہے کہ مومنوں میں وہ ہیں جنھیں عذاب ہوگا اور وہ آتشِ دوزخ سے نہ بچائے جائیں گے اور یہ مفید نہیں کہ یصلی سے بجائے آگ میں جانے کے آگ کا لازم ہونا مراد لیا جائے اس لئے کہ یجنبہا (اس دوزخ سے دُور کیا جائیگا) میں ضمیر جہنم کی آگ کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ صلی مصدر کی طرف (جس کا معنی آگ میں جانا ہے)

اور جس کا ذہن ان باتوں میں سے بعض کی طرف پہنچا اس نے عجیب وغریب کام کیا جیسے قاضی بیضاوی، تو انھوں نے کلام کو اس پر محمول کیا جو کفر اور گناہوں سے بچے لیکن اس حصر مزعوم کا مددگار کون جس کی وجہ سے اتقی کی تاویل کا ارتکاب کیا جاتا ہے اس لئے کہ فاجروں میں وہ بھی ہے جو دوزخ کی آگ سے دُور رہے گا اور اسے عذاب نہ ہوگا۔

واقول ثانیًا اغمضنا ہذا کلہ وترکناکم وشانکم فاذہبوا بالکلام الی ما تشتہیہ انفسکم الا انکم اغفلتم الصفة ہہنا ایضا غفولکم عنہا

اور ثانیًا میں کہتا ہوں کہ ہم نے ان تمام باتوں سے آنکھ میچی اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑا تو کلام کو جدھر چاہئے لے جائیے مگر آپ لوگ یہاں بھی صفت سے غافل رہے جس طرح اشقی (جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا)

---

[1] التوضیح والتلویح نورانی کتب خانہ پشاور ص ۱۳۶

فی "الاشقى الذى كذب و تولى"[1]
فان الله سبحٰنه و تعالٰى لم يرسل
الاتقى ارسالا بل خصه "بالذى
يؤتى ماله يتزكى"[2] ومعلوم ان التقى
الفقير لامال له وانه مجنب
عن النار لاشك، فان كان الكلام
على الحصر كما زعمتم فالحصر
لم يستقم بعد والا فما ذا يلجئكم
الى التاويل والعدول عن ظاهر
التنزيل عن هذا نقول ان الوجه
ترك التكلف وصون اللفظين
لاسيما الأتقى عن التغيير والتصرف لانعدام
الحاجة فى احدى الآيتين و
اندفاعها بطريق اسلم فى
الاخرى كما يفيده الوجهان
اللذان ذكرهما القاضى الامام
مع ما شاهدنا ان التاويل
يراد ولا مفاد ويقاد ولا ينقاد
بيد انى ما ادرى
لعل الجدال يورى نارا
موقدة تطلع على الافئدة فيقوم قائل ان
وجهى القاضى ايضا يعكر عليهما بشئ
فلا مناص من تشديد الاركان

کے معاملہ میں آپ نے صفت سے غفلت کی اس لئے
کہ اللہ تعالٰی نے اتقی کو مطلق نہ رکھا بلکہ اسے
اس کے ساتھ خاص کیا جو اپنا مال ستھرا ہونے
کو راہِ خدا میں دے اور یہ معلوم ہے کہ تقی
فقیر کے پاس مال نہیں ہے حالانکہ وہ آتش
دوزخ سے بیشک دور رہے گا۔ تو اگر کلام
بر سبیل حصر ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا زعم ہے
تو حصر تو اب بھی درست نہیں ہوا اور اگر حصر
پر بناء نہیں تو آپ کو تاویل اور ظاہر تنزیل سے
عدول کی طرف کون سی چیز مضطر کرتی ہے اسی
سبب سے ہم کہتے ہیں کہ صحیح طریقہ یہی ہے کہ
تکلف چھوڑا جائے اور دونوں لفظوں خصوصاً
اتقی کو تصرف و تغیر سے محفوظ رکھیں اس لئے کہ
ایک آیت میں تاویل کی حاجت نہیں اور
دوسری میں مسلک اسلم سے حاجت مندفع
ہو جاتی ہے جیسا کہ ان دو وجہوں نے افادہ
کیا جو قاضی امام نے ذکر فرمائیں باوجودیکہ ہم نے
مشاہدہ کیا ہے کہ تاویل مراد ہوتی ہے حالانکہ
کوئی مفاد نہیں ہوتا اور وہ کھینچی جاتی ہے جبکہ
وہ نہیں کھنچتی۔ لیکن میں کیا جانوں شاید بحث
روشن آگ کو بھڑکائے جو دلوں پر چڑھے تو کوئی
قائل کھڑا ہو جائے اور کہے کہ قاضی کی مذکورہ
دو وجہوں پر بھی کچھ غبار ہے لہذا ارکان کو مضبوط

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/۱۶ [2] القرآن الکریم ۹۲/۱۸

وتجدید الاوصاف علیٰ حسب الامکان۔

کرنا اور اشیاء کی تجدید بقدرِ امکان ضروری ہے۔

فاقول وربی ولی الاحسان یستبعد علی الوجه الاول وصف الاتقی بانه یجنب تلك النار الکبری فان مدح اکرم القوم بانه لیس اذل القوم مما لا یستملح۔

تو میں کہتا ہوں اور میرا رب ولیِ نعمت ہے، پہلی وجہ پر اتقی کا یہ وصف بیان کرنا کہ وہ بڑی آگ سے دُور رکھا جائے گا مستبعد ہے اس لئے کہ قوم کے بزرگ ترین کے لئے یہ کہنا کہ وہ رذیل ترین نہیں ہے اس میں کوئی ملاحت نہیں ہے۔

اقول والمخلص الاستخدام وھو شائع فی فصیح الکلام بل عدوہ والتوریة اشرف انواع البدیع، بل منھم من قدمه فی الشرف علی الجمیع کما ذکر الامام العلامة السیوطی[1] ومنه فی القراٰن العظیم قوله تعالیٰ "ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلناہ نطفة فی قرار مکین[2]"

میں کہتا ہوں اور اس سے نجات دہندہ وہ استخدام ہے اور وہ کلام فصیح میں شائع ہے، بلکہ علماء نے استخدام وتوریہ (ف) کو بدیع کی سب سے عمدہ قسم شمار کیا ہے، بلکہ بعض علماء نے استخدام کو شرف میں تمام اقسامِ بدیع پر مقدم رکھا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے، اور اس قبیل سے قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "اور بیشک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں"۔

ف: توریہ ابہام کو کہتے ہیں، اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کو لیں جس کے دو معنی ہوں ایک قریب دوسرا بعید۔ اور معنی قریب سے بعید معنی کا توریہ کریں، اور بعید معنی مراد ہو تو معنی قریب کو مورّی بہ اور معنی بعید کو مورّی علیہ کہتے ہیں۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۱۵۳

[2] القرآن الکریم ۲۳/۱۲ و ۱۳

المراد بالانسان أبونا آدم علیه السلام وبضمیر ولده، ومنه قوله تعالیٰ "اتی امر الله فلا تستعجلوه[1]"

آیت میں انسان سے مراد ہم انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام ہیں اور ضمیر سے مراد ان کی اولاد ہے اور اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا حکم آیا تو اسکی جلدی نہ مچاؤ۔"

المراد بامر الله بعثة محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی احد الوجوه فی تاویله اخرج ابن مردویة عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ اتی امر الله قال محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، والمراد بالضمیر قیام الساعة قاله العلامة السیوطی[2]، نفعنا الله تعالیٰ بعلومه، آمین۔

اس آیت میں ایک وجہ پر امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "اتی امر اللہ" میں امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اور ضمیر سے مراد قیامت کا قائم ہونا ہے، یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے علوم سے نفع بخشے آمین۔

اقول فان قلت اذا ارید بالنار اعظم النیران المخصوص بالاشقی الاشقیاء، فما معنی انذار سائر الناس عنه قلت المعنی ان شاء الله تعالیٰ ان الاشقی انما بلغ ما بلغ من کمال الشقاء وسوء الجزاء وجهد البلاء بما ثابر علیه من اللداد و

میں کہتا ہوں اب اگر تم کہو جبکہ آپ نے آیت میں مذکور نار سے دوزخ کی سب سے بڑی آگ مراد لی جو تمام اشقیاء سے بدتر شقی کے لئے مخصوص ہے تو سب لوگوں کو اس سے ڈرانے کا کیا مقصد ہے؛ تو میں کہوں گا کہ مقصد ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ وہ سب سے بڑا شقی کمال شقاوت اور بُری جزا اور سخت بلا کے جس درجہ پر پہنچا اس کا سبب وہی کفر و عناد ہے اور ہرناہنت اور

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/۱

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/۱۵۴

العناد والاصرار والاستکبار فاحذروا
انتم یا ایها الناس ان لم تنیبوا الی
الحق ودمتم کدوامه ان تعادلوه فی
الشقاء فتلقوا اثاما کمثل اثامه فکانت الآیة
علی حد قوله تعالیٰ" فان اعرضوا
فقل انذرتکم صاعقة مثل صاعقة
عاد وثمود[1]" فانهم انما اصابهم
ما اصابهم لمثل هذا الاعراض
فماذا یؤمنکم ان مضیتم علی
دابهم ان تعذبوا بعذابهم
او حصل الانذار بانه تعالیٰ
اخبر ان هناك عدوا اشقی
من یوجد وله جزاء اسوء
مایکون والناس غیر دارین انه من هو، ولم
یذکر الله تعالیٰ من
صفاته الا التکذیب و
التولی، فحق ان تنقطع
قلب کل مکذب وینفلق
کبد کل متول خوفا وفرقا
ان یکون هو فمن هذا الوجه جاء
الانذار لسائر الناس فاتقنه فانه من
احسن السوانح بتوفیق الملك
العلیم الفاتح جل جلاله

گھمنڈ ہے جس پر وہ قائم رہا تو اے لوگو! تم ڈرو
کہ اگر تم حق کو نہ مانو اور ناحق پر جمے رہو جیسا کہ وہ
بڑا بدبخت جما رہا کہیں تم بدبختی میں اس کے برابر
نہ ہو جاؤ تو اس کے عذاب جیسا عذاب پاؤ تو
یہ آیت اللہ تعالیٰ کے قول" پھر اگر وہ منہ
پھیریں تو تم فرماؤ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے
جیسی کڑک عاد اور ثمود پر آئی تھی" کے طور پر ہے
اس لئے کہ عاد و ثمود پر جو مصیبت اتری وہ اسی
طور کے اعراض (روگردانی) کے سبب اتری تو
تمہیں کون سی چیز بے خوف کرتی ہے، اگر تم ان
اگلوں کی عادت پر جمے رہو ان جیسا عذاب پانے
سے یا سب کے لئے تنبیہ ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے
بتایا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا ایک دشمن نہایت
بدبخت ہوگا اور اس کے لئے نہایت بدترین سزا ہے
اور لوگ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے، اور اللہ تعالیٰ
نے اس کی صفات میں سے جھٹلانے اور منہ موڑنے
کے سوا کچھ ذکر نہیں کیا تو بجا ہے کہ ہر جھٹلانے والے
کا دل کٹ جائے اور ہر منہ موڑنے والے کا کلیجہ
پھٹ جائے اس ڈر سے کہ کہیں وہی نہ سب
سے بڑا بدبخت ہو جس کی یہ سزا سنائی گئی تو اس
وجہ سے یہ تخویف سب لوگوں کے لئے آئی، اس
نکتہ کو یاد رکھو کہ یہ بادشاہ علیم فاتح (علم والے
عقدہ کھولنے والے جل جلالہٗ) کی توفیق سے ایک

---

[1] القرآن الکریم ۴۱/۱۳

وهذا الكلام يجري بعضه في الوجه الثاني ايضاً لكن هنا دقيقة غامضة وهي أن امثال هذا الحصر الادعائي انما تناسب المقام اذا كان سوق الكلام لذم هذا الاشقى الملام، فكانه قيل انه بلغ من الشقاء مبلغاً تضمحل دونه سائر الشقاوات فكانه لا يلج النار الاهو، اما اذا سيق مساق الانذار لجميع الكفار أو قصد ذلك ايضاً مع قصد الذم فلعله لا يستحسن حينئذ حصر العقاب في رجل واحد، تأمل فانه موضعه والعبد الضعيف لهذا يجد نفسه اركن الى الوجه الاول دون الثاني وفيه الغنية و حصول المنية، والحمد لله معطي الاماني، ثم لما بلغت هذا المقام رجعت العزيزي بعد ما استعرته من بعض الاعزة فرأيت المولى عبد العزيز تجاوز الله تعالى عنا وعنه تنبه لهذا الاستبعاد الذي ذكرته في الوجه الاول وجهي القاضي و حق له ان يتنبه لانه العلم في الذكاء والفطانة، ثم اجاب عنه بجوابين ؛

الاول يقارب ما

اچھا خیال ہے اور یہ تقریر کچھ وجہ ثانی میں بھی جاری ہے، لیکن یہاں ایک نہایت خفی نکتہ ہے اور وُہ یہ کہ ایسے حصر ادعائی موقع کے مناسب اسی وقت ہوں گے جبکہ سیاقِ کلام اس بڑے بدبخت و قابل ملامت کی مذمت کے لئے ہو، تو گویا یُوں فرمایا گیا کہ یہ شخص شقاوت کے اس درجہ تک پہنچا جس کے آگے سب شقاوتیں ہیچ ہیں تو گویا دوزخ میں اس کے سوا کوئی نہ جائے گا، مگر جبکہ یہ کلام تمام کافروں کی تخویف کے لئے ہو یا مذمت کے ساتھ یہ قصد بھی ہو تو شاید عذاب کو ایک شخص میں منحصر بتانا مستحسن نہیں، غور کرو کہ یہ مقامِ غور ہے اور یہ بندۂ ناتواں اسی لئے خود کو دوسری وجہ کے بجائے پہلی وجہ کی طرف زیادہ مائل پاتا ہے اور اسی میں بے نیازی اور مطلب کا حصول ہے اور اللہ تعالےٰ کے لئے حمد ہے جو مرادیں عطا فرماتا ہے، پھر میں جب اس مقام تک پہنچا میں نے تفسیر عزیزی اپنے بعض اعزہ سے عاریۃً لے کر دیکھی تو میں نے حضرت مولانا عبد العزیز کو (اللہ تعالیٰ ہمیں اور انھیں معاف فرمائے) دیکھا کہ وہ اس اعتراض کی طرف متنبہ ہوئے جو وجہ اول پر اعلحضرت نے فرمایا اور انھیں متنبہ ہونا ہی چاہیے اس لئے کہ وہ ذکاوت و فطانت کا پہاڑ ہیں پھر اس کے دو جواب دیئے:

پہلا تو وہی جو علمائے اختیار فرمایا یعنی

دنا التوفیق الیہ من القول بالاستخدام
والثانی ان التجنیب من
تلک النار المخصوصۃ بالکفار
ایضالہا عرض عریض وغایۃ القصوی
مختصۃ بالاتقی وسائر المؤمنین وان کانوا
مجنبین لکن لاکمثلہ[1] انتہی معربًا۔

اقول الوجہ الاول وعلیہ عندی
المعول واما ماذکر من الوجہ الثانی
فلیس بشیئ عندی وان کان ہو المرضی
لدیہ حتی اورد الاول بصیغۃ التمریض
وذلک لان کون التجنیب
مقولا بالتشکیک مسلم فی
مطلق النار التی یمکن ان
یدخلہا بعض المؤمنین ومعنی
العرض العریض فیہ کما
یسبق الیہ ذہن القاصر
ان الذنوب مقتضاہا
الاصلی الذی لوخلیت ہی
وطبایعہا ما اقتضت الا ایاہ انما
ہو اصابۃ الجزاء الذی اوعد
بہ علیہا وہذا ظاہر جدا، فکل من

استخدام کا طریقہ۔
دُوسرا یہ کہ اس نار سے دور رکھا جانا
جو کافروں کے ساتھ خاص ہے اس میں بڑی وُسعت
ہے اور اس کی آخری حد اتقی کے لئے خاص ہے
اور باقی مسلمان اگرچہ وہ بھی اس آگ سے دُور
رہیں گے لیکن اس کی طرح نہیں اھ۔

میں کہتا ہُوں وجہ تو پہلی ہے اور میرے
نزدیک وہی معتمد ہے، اور جو دوسری وجہ
ذکر کی وہ میرے نزدیک کوئی چیز نہیں اگرچہ
شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کو دوسری پسند ہے کہ پہلی
کو ایسے صیغہ سے ذکر کیا جس سے اس کے ضعف
کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس لئے کہ نار سے
دُور رہنا اس کا کلی مشکک ہونا مطلق نار میں
مسلّم ہے جس میں بعض مومن داخل ہوسکتے ہیں
اور تجنیب (نارِ دوزخ سے دور رہنا) میں بڑی
وسعت کا معنی جیسا کہ میرا ذہن قاصر اس کی طرف
سبقت کرتا ہے کہ گناہوں کا وہ مقتضائے اصلی
کہ اگر گناہ اپنی طبیعت کے ساتھ چھوڑ دئے جائیں
تو اسی کا تقاضا کریں تو یہ ہے کہ بندہ کو وہ
سزا ملے جس کی اسے گناہوں پر وعید سنائی گئی،
اور یہ بہت ظاہر ہے، تو ہر وہ شخص جس نے

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۰۴

اذنب ذنبا ولو مرة استحق بذنبه
هذا ان يؤاخذه الملك
جل جلاله، ولا تقبض حسناته المتكاثرة
على العزيز المقتدر اذ نفع الحسنات
انما يعود اليه، فكيف يمن على الله
تعالىٰ بما عمله لنفع نفسه فكيف يجعله
ذريعة إلى ابطال منشور الجزاء
عن رأسه وقد قيل له بأفصح بيان
ان كما تدين تدان[1]، غاية الامر ان
يقسم لبثه فى الدارين على مقدار
لبثه فى العملين كمًّا وكيفًا فيجوز
ان تمسه النار بما يعدل هذا
المقدار، وقد اعتقدنا نحن معشر
اهل السنة والجماعة رزقنا الله سبحٰنه
وتعالىٰ حظ الرحمة والشفاعة انه تبارك
وتعالىٰ له ان يؤاخذ عبده كل جريرة
ولو صغيرة كما ان له ان يتجاوز
عن كل كبيرة ، فضل و
ذٰلك عدل وما الله بظلام
للعبيد۔

ثم ان المولىٰ جل وعلا بغاية
عدله وضع الجزاء مشاكلاً للعمل و
لذا يدوم تنعيم المومن وتعذيب الكافر

ایک بار بھی گناہ کیا اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا مستحق ہے
اور بندہ کی بکثرت نیکیاں خدائے غالب وقدیر
کو مانع نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ نیکیوں کا
نفع تو بندہ ہی کو پہنچتا ہے تو کیسے اللہ تعالےٰ کو
اپنے بھلے کے لئے کئے ہوئے کام کا احسان
جتائے گا اور کیونکر اسے سزا کے دستور کو سر سے
باطل کرنے کا ذریعہ بنائے گا، حالانکہ بندہ کو
خوب واضح بیان سے کہہ دیا گیا ہے کہ جیسا تو
کریگا ویسا تجھے بدلہ دیا جائے گا، غایت امر یہ ہے
کہ دُنیا و آخرت میں بندہ کی مدتِ اقامت کو
نیک و بد ہر دو عمل میں ٹھہرنے کی مقدار پر باعتبارِ
قدر و کیفیت تقسیم کریں تو ممکن ہے کہ اسے آگ
اتنی مدت تک چھوئے جو اس کے مقدار عمل کے
برابر ہو اور ہم اہلسنت وجماعت (اللہ ہمیں رحمت
وشفاعت سے نصیب عطا فرمائے) کا عقیدہ
یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کو حق ہے کہ وہ بندے
سے ہر جُرم پر مواخذہ کرے اگرچہ صغیرہ ہو جس طرح
کہ اس کو سزاوار ہے کہ ہر گناہ سے درگزر فرمائے
اگرچہ کبیرہ ہو اور یہ اس کا فضل ہے اور وہ اس کا
عدل ہے اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اسی لئے جنت میں مومنین کی آسائش
اور جہنم میں کافر کا عذاب ہمیشہ ہوگا اس لئے
کہ اللہ تعالےٰ کو ان کی نیت اور مخفی ارادے کا

---

[1] کنز العمال حدیث ۴۳۰۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

اذ قد علم من نيتهما ومكنونات
طويتهما أنهما عازمان على ادامة
ماهما من الكفر والايمان حتى لو
داموا فى الدنيا لداموا عليه ألا
ترى الى قوله تعالىٰ "ولو ردوا لعادوا لما
نهوا عنه[1]" ولذٰلك لما انسلخ ابوطالب
عن الكفار بشراشره واثبت قدميه
علىٰ تلك الملة الخبيثة نجا الديان
سبحٰنه وتعالىٰ سائر بدنه من
النار وسلط العذاب علىٰ قدميه
كما فى حديث الشيخين[2] وغيرهما
فقضية المشاكلة أن من تساوت حسناته
وسيأته يساوى لبثه فى العذاب
بلبثه فى دار
الثواب ومن اذنب ذنبا واحدا اذيق
اثامه ومن المبيئة ثم انقلع
عنها فجزاءه المشاكل ان يدنى الى النار
ثم يبعد عنها ليذوق من الفزع و
الغم قدر ما ذاق من اللذة
فى اللمم هذا حكم العدل وحكم
العدل هو الاصل لكن المولى الجواد الكريم

علم ہے کہ یہ دونوں اپنی اپنی حالت کفر وایمان پر
قائم ودائم رہنے کا عزم کئے ہوئے ہیں یہاں تک
کہ اگر دنیا میں ہمیشہ رہتے اپنے حال پر ہمیشہ
رہتے کیا تم اللہ کے فرمان کو نہیں دیکھتے " اور
اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع
کئے گئے تھے " اور جب ابوطالب کفار سے
تمام وکمال جدا ہوئے اور اپنے قدم اس
خبیث ملت پر جمائے رکھے جزا دینے والے رب
سبحٰنہ وتعالیٰ نے ان کے سارے بدن کو نار
سے نجات دی اور عذاب کو ان کے قدموں پر
مسلط فرمادیا جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ کی حدیث
میں ہے تو عمل وجزا میں مشاکلت کا مقتضیٰ یہ
ہے کہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اس
کا عذاب میں رہنا ثواب کے گھر میں رہنے کے
برابر ہوا، جو ایک گناہ کرے وہ اس کا عذاب
چکھے اور جو برائی کے قریب جائے پھر اس سے
جدا رہے تو اس کی جزا مشابہ عمل یہ ہے کہ
وہ نار کے قریب کیا جائے پھر اس سے دور
رکھا جائے تاکہ غم اور گھبراہٹ کا مزہ ارادہ
گناہ میں لذت کے بقدر چکھے، یہ حکم عدل ہے
اور حکمِ عدل ہی اصل ہے، لیکن جود وکرم والے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۲۸
[2] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸
صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب " " ۱/ ۱۱۵

الذی "کتب علیٰ نفسه الرحمة"[1]
وجعل لها السبقة علی الغضب منة
ونعمة تشفع الیه شفیعان
رفیعان وجیهان حبیبان لا یردان
ولا یخیبان رحمته الکاملة العامة
الشاملة وھذا النبی الکریم المبعوث
من الحرم بفیض الجود والکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وبارك
وسلم فوعد بالطاف جمیلة ورحمات
جلیلة فضلا من لدیه من دون
وجوب علیه وحاشاه أن یجب
علیه شئ "وھو یجیر ولا یجار
علیه"[2] وبشر "أن الحسنات یذھبن
السیئات"[3] وان اللمم معفو عنا ان شاء اللہ تعالیٰ
"ان ربك واسع المغفرة"[4] وان
اللہ تجاوز لنا عما ھمت به انفسنا
مالم تعمل او نتکلم وأن من تعادلت
کفتاہ لم یدخل النار
وان لا یھلك علی اللہ
الا مارد متمرد وھذا
کله تفضل وتکرم من
المولی الحق جلت

مولیٰ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرمایا اور اس
کے لئے غضب پر سبقت رکھی اپنے کرم و
احسان سے اس سے سفارش کی جو رفعت و
وجاہت والے و پیارے شفیعوں نے جو
نہ پھیرے جائیں نہ محروم ہوں ایک اللہ تعالیٰ
کی رحمت تمام و عام اور دوسرے یہ نبی کریم جو حرم
سے فیض جود و کرم کے ساتھ مبعوث ہوئے
تو اللہ تعالیٰ نے جمیل مہربانیوں اور جلیل
رحمتوں کا وعدہ فرمایا محض اپنے فضل سے نہ اس
سبب سے کہ اس پر کچھ واجب ہے اور وہ
اس سے منزہ ہے کہ اس پر کچھ واجب ہو
حالانکہ وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف
کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور اس نے
خوشخبری دی کہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں
اور یہ کہ لمم (ارادۂ گناہ) پر ہمیں معافی دے دی گئی
بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے
اور بیشک اللہ تعالیٰ ان باتوں سے درگزر
فرماتا ہے جن کا ارادہ ہمارے نفوس کرتے ہیں
جب تک ان کو انجام نہ دیں یا انھیں نہ بولیں
اور جس کے دونوں پلّے برابر ہوں گے وہ نار
میں نہ جائے گا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں
صرف نہایت سرکش نافرمان ہی ہلاک ہو گا

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۲
[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۸۸
[3] ″ ″ ۱۱/ ۱۱۵
[4] ″ ″ ۵۱/ ۳۲

آلاه وتوالت نعماؤه وله الحمد كما يحب ويرضى فكل من اذنب اوالم ثم جنبه المولى النار فانما جنبه على استحقاق منه لجزاء ما عمله كما قال تبارك وتعالى "ان ربك لذو مغفرة للناس على ظلمهم"[1] بل لا معنى للمغفرة الا تجاوز صاحب الحق عن استيفاء حقه كلاً او بعضاً فهذا تجنيب بعد تقريب وانجاء بعد الجاء مع ما فيه ايضا من تفاوت الرتب كما لا يخفى، اما الذى بلغ من التقوى غايته القصوى حتى تنزه عن كل ما يكره وفنى عن الخلق وبقى بالحق ارتفع شانه عن اتيان عصيان ونظر بالرضى الى ما يبغض الرحمٰن فهذا محال ان يكون من النار فى شئ او النار منه فى شئ لاسيما اتقى الاتقياء واصفى الاصفياء

(یعنی کافر) اور یہ سب مولائے غنی کریم کا فضل و کرم ہے۔ اس کی نعمتیں جلیل ہیں اور اس کے احسان پیہم ہیں، اور اسی کے لئے حمد ہے۔ جیسی وہ چاہے اور پسند فرمائے، تو ہر وہ شخص جس نے گناہ کیا یا گناہ کے پاس جاکر رُک گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے نار سے دُور رکھا تو اسے اس کے استحقاق کی جہت سے اُس کے عمل کی جزا دینے کو دُور رکھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کو بخشنے والا ہے ان کے ظلم کے باوجود" بلکہ مغفرت کا معنی یہی ہے کہ صاحبِ حق اپنے حق کو لینے سے کلی یا جزوی طور پر درگزر کرے تو یہ نار سے قریب کرکے اس سے دُور رکھنا ہے اور نار کی طرف لیجاکر اس سے بچانا ہے اس کے باوجود اس میں رتبوں کا تفاوت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں مگر جو تقویٰ کی سب سے آخری حد تک پہنچ گیا، یہاں تک کہ ہر ناپسندیدہ بات سے دور رہا اور خلق سے فانی اور حق پر باقی ہوگیا اور اس کی شان معصیت کے ارتکاب سے اور رحمٰن کے مبغوض کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے سے بلند ہوگئی تو محال ہے کہ ایسے شخص کو نار سے علاقہ ہو یا نار کو اس سے کوئی تعلق ہو خصوصاً وہ متقیوں کا متقی اور سارے اصفیا سے زیادہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۶

الذی لم یزل من الحق بعین
الرضا فی جمیع احواله، و لم یسوء
النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و سلم
فعلة من افعاله، فذاك العبد
ذاك العبد کلت الالسن عن شرح
کماله وتاهت العقول فی تیه جلاله
جالت وعالت، فبقیت تکبو ثم
رجعت فسئلت فقالت هو هو
فغایة القول فیه أنه أولی العباد
وأول المراد بقول الجواد " ان
الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ
اولٰئك عنها مبعدون لا یسمعون
حسیسها وهم فیما اشتهت انفسهم
خالدون لا یحزنهم الفزع الاکبر
وتتلقٰهم الملٰئكة هٰذا یومکم الذی
کنتم توعدون[1]" هذا معنی العرض
العریض للتجنیب من مطلق النار
علیٰ حسب ما یطیقه البیان، ولا یتاتی
مثله فی النار المخصوصة
بالکفار اذ انما هی جزاء
الکفر والمؤمنون کلهم متساوون
فی التباعد عنه اذ الکفر والایمان
لا یزیدان ولا ینقصان و

صاف باطن جس کے تمام احوال پر حق کی چشم رضا
رہی اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس کا
کوئی کام بُرا نہ لگا تو یہی وہ خدا کا بندہ ہے یہی
وہ خاص بندہ ہے زبانیں جس کے کمال کو بیان
کرنے سے عاجز ہیں جس کی عظمت کے صحرا میں
عقلیں گم ہیں اس میں عقلیں دوڑیں اور گھومتی
پھریں، پھر گرتی پڑتی رہیں پھر لوٹیں تو ان سے
پوچھا تو بولیں وہی وہ ہے، تو اس خاص بندہ کے
بارے میں آخری بات یہ ہے کہ وہ سارے بندوں
سے اولیٰ اور خدائے جواد کے قول " بیشک وہ
جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہوچکا وہ جہنم سے
دُور رکھے گئے ہیں وہ اس کی بھنک نہ سنیں گے
اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے
انھیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ
اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے
تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا " کی پہلی
مراد ہے مطلق نار سے دُور رکھنے میں جو بڑی وسعت
ہے اس کا مقدور بیان کے مطابق یہ معنی
ہے اور ایسی بات اس نار کے بارے
میں نہیں بنتی جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے
وہ تو کفر کی سزا ہے اور تمام مسلمان اس نار
سے دُور رہنے میں برابر ہیں اس لئے کہ کفر و
ایمان یہ دونوں وصف گھٹتے بڑھتے نہیں ہیں اور یہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱ تا ۱۰۳

المسئلة اجماعية والنزاع لفظی فوجب ان یتساووا فی البعد عن جزاء الکفر ایضًا، و اما قوله تبارک و تعالٰی " ھم للکفر یومئذٍ اقرب منھم للایمان[1]" فھذا بالنظر الی الظاھر اذ الاٰیة فی المنافقین لقوله تعالٰی "یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم واللہ اعلم بما یکتمون[2]" یعنی انھم کانوا یتظاھرون بالایمان فیظن الجاھل بما فی السرائر انھم مؤمنون، لما کانوا یتباعدون بالسنھم عن الکفر ثم لما انخزلوا عن عسکر المؤمنین وقالوا " لو نعلم قتالا لاتبعناکم[3]" تخرق الحجاب وغلب علی الظنون انھم لیسوا بمؤمنین مع تجویز ان یکون ھذا القول منھم تکاسلا واخلادًا الی ارض الدعة، فھذا معنی القرب والبعد اوالمراد بالکفر والایمان اھلوھما

مسئلہ (کفر و ایمان کا کم زیادہ نہ ہونا) اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے تو ضروری ہے کہ مسلمان کفر کی سزا سے دور رہنے میں بھی برابر ہوں۔ رہا اللہ تعالٰی کا قول " اس دن وہ ظاہری ایمان کی بہ نسبت کہیں کفر سے زیادہ قریب ہیں" تو باعتبار ظاہر کے ہے اس لئے کہ آیت منافقین کے بارے میں ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالٰی نے ان کے بارے میں فرمایا: "اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں"۔ مطلب یہ ہے کہ منافقین ظاہری طور پر ایمان والے بنتے تھے تو ان کے دلوں میں چھپی بات سے بے خبر یہ گمان کرتا تھا کہ وہ مسلمان ہیں چونکہ منافقین کفر سے دُوری ظاہر کرتے تھے پھر جب وہ مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہوگئے اور بولے کہ "اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے"۔ ان کا پردہ فاش ہوگیا اور گمانوں پر غالب ہوگیا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں اس احتمال کے ساتھ کہ منافقوں کی یہ بات سُستی اور آسائش کی زمین پکڑنے کی وجہ سے ہو تو قُرب اور بُعد کا یہ معنٰی ہے یا کفر و ایمان سے مراد صاحبانِ کفر و ایمان ہیں اس لئے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷
[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷
[3] " " ۳/ ۱۶۷

اذ تقليلهم سواد المومنين بالانعزال عنهم تقوية للمشركين كذا قال المفسرون هذا ما عندي، والله سبحنه و تعالى اعلم۔

وبالجملة فهبت نسائم التحقيق على ان الوجه ابقاء اللفظين على ظاهرهما وانما تحتاج الى امرين لا يعد شئ منهما تكلفاً ولا تغيراً۔

الاول ان تنكير ناراً للتعظيم و هو كما ترى شائع فى الكلام الفصيح قرانا وقديما وحديثا واخذ التلظى بمعنى اشد ما يكون حملا للمطلق على فرده الكامل وهو ايضا منتشر مستطير۔

والثانى الاستخدام وهو كما سمعت اعلى او من اعلى انواع البديع او ارجاع الضمير الى نفس الموصوف مجردا عن الصفة وهذا ليس من التاويل فى شئ على ان غرضنا يتعلق باٰية الاتقى ولا مساغ فيه للتاويل بتاً وقطعاً هكذا ينبغى التحقيق والله ولى التوفيق والحمد لله رب العالمين۔

اذا وعيت هذا ودريت ما فيه

کرنا فقوں کا مسلمانوں کے گروہ کو کم کرنا مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہو کر مشرکوں کو تقویت دینا ہے ایسا ہی مفسرین نے فرمایا ہے، یہ ہے وہ جو میری رائے ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

خلاصہ یہ اب تحقیق کی ہوائیں چلیں اس پر کہ وجہ تو یہی ہے کہ دونوں لفظوں کو ان کے ظاہر پر رکھا جائے اور ہمیں حاجت صرف دو امر کی ہوگی اور ان میں سے کوئی نہ تکلف کے شمار میں ہے نہ تغییر کی گنتی میں۔

پہلی بات یہ کہ یہاں "ناراً" نکرہ تعظیم کے لئے ہے اور یہ اسلوب جیسا کہ تم جانتے ہو قرآن وحدیث اور قدیم وجدید کلام فصیح میں شائع ہے اور تلظی (آگ کی بھڑک) مطلق کو فردِ کامل پر محمول کرتے ہوئے سخت ترین بھڑکنے کے معنیٰ میں لیا جائے اور یہ بھی خوب شائع ہے۔

اور دوسری بات استخدام، اور وہ جیسا کہ تم نے سُنا اقسامِ بدیع میں سب سے اعلیٰ ہے یا منجملہ اعلیٰ اقسام کے ہے یا ضمیر کو نفس موصوف کی طرف بلا لحاظ صفت لوٹائیں اور یہ تاویل سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا۔ علاوہ بریں ہماری غرض تو آیت اتقی سے ہے، اور اس میں قطعاً تاویل کی گنجائش نہیں، اسی طرح تحقیق چاہیے اور اللہ تعالیٰ توفیق کا مالک ہے اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے جو مالک ہے سب جہانوں کا۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی اور تم نے اس کے

وألقيت السمع وأنت نبيه هات عليك الجواب عن هذه الشبهة الأولى بوجوه :

الأوّل ظاهر اللفظ واجب الحفظ إلّا بضرورة وأين الضرورة .

الثاني ما مالوا إليه لم يزدد إلا قدحًا فوجب أن نضرب عنه صفحًا ، وأبو عبيدة فيما عانى لا أصاب ولا أغنى فكيف نترك ظاهر قول الله سبحٰنه وتعالى بقول رجل لم يكن معصومًا ولا صحابيًّا ولا تابعيًّا ولا سنيًّا ولا مصيبًا في ما طلب ولا مجديًا في ما إليه هرب .

أيها الناس إني سائلكم عن شيء فهل أنتم مخبرون أرأيتم لو أن الآية وردت بلفظ التقي وفسره بالأتقى أبو عبيدة اللغوي فتعلقنا بقوله وندبناكم إلى قبوله ماذا كنتم فاعلين لكن الإنصاف شيء عزيز ولا يؤتى إلا ذا حظ عظيم .

الثالث سلمنا كونه في الآية وجهًا وجيهًا لكن هو الوجه فيها بل وجهنا هو الأوضح والأجلى

مضمون کو سمجھ لیا اور تم نے کان دھرا اور تم ذہین ہو تو تمھیں اس پہلے شُبہہ کا جواب چند وجوہ سے آسان ہے :

پہلی وجہ یہ ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی کی حفاظت واجب ہے یعنی لفظ کو ظاہر سے پھیرنا جائز نہیں مگر بہ ضرورت ، اور ضرورت کہاں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس تاویل کی طرف لوگ مائل ہُوئے اس سے تو قباحت ہی زیادہ ہُوئی تو ضرور ہوا کہ ہم اس سے منہ پھیریں، اور ابو عبیدہ نے جو پاپڑ بیلے اس کاوش میں وہ نہ صواب کو پہنچا اور نہ کوئی مفید بات کہی تو ہم اللہ تعالٰے کے قول کے ظاہری معنی کو ایسے شخص کے کہنے سے کیسے چھوڑ دیں جو نہ معصوم تھا نہ صحابی تھا، نہ تابعی، نہ سُنّی ، نہ اپنے مطلب میں صواب کو پانے والا، نہ اپنے مفر میں نفع بخش۔

اے لوگو! میں تم سے ایک بات پُوچھوں تو کیا جواب دو گے ، مجھے بتاؤ اگر آیت لفظ تقی کے ساتھ وارد ہوتی اور ابو عبیدہ لغوی اسے اتقی سے تفسیر کرتا تو ہم اس کے قول سے چمٹ جاتے اور تمھیں اسے قبول کرنے کی دعوت دیتے اب تم کیا کرتے ، لیکن انصاف کمیاب شئی ہے اور بڑے نصیب والے ہی کو ملتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے آیت میں اس کا وجہ وجیہ ہونا مان لیا، مگر آیت میں کیا یہی وجہ ہے، بلکہ ہماری وجہ واضح تر اور زیادہ

ولا تنافي بين نجاة التقي ونجاة الاتقى والقرآن محتج به على كل تاويل واحد الوجهين يوجب التفضيل والوجه الآخر لا ينافيه فوجب القبول والقول بما فيه

ولذلك ترى علمائنا رحمهم الله تعالى لم يزالوا محتجين بالآية الكريمة على تفضيل العتيق الصديق رضي الله تعالى عنه وهم ادرى منا ومنكم بما قاله أبوعبيدة وغيره ثم هذا لم يقعدهم عن سلوك تلك المسالك ولم ينكر عليهم احد ذلك فثبت ان مقصودنا بحمد الله حاصل ومزعومكم بحول الله باطل، والحمد لله رب العلمين اياه نرجوا وبه نستعين۔

الشبهة الثانية

ما نقله المولى الفاضل استاذ استاذي عبد العزيز بن ولي الله الدهلوي سامحنا الله واياهما بلطفه الخفي وفضله الوفي في تفسير فتح العزيز بعد ما ذكر استدلال اهل السنة والجماعة بالآية الكريمة على الطريق المشهور بين علماء الدهور قال وقالت اهل التفضيل ان الاتقى محمول على التقي منسلخ عن معنى التفضيل اذ لولاه لشمل باطلاقه النبي صلى الله تعالى

روشن ہے اور تقی اور اتقی کی نجات میں کوئی منافات نہیں ہے اور قرآن ہر تاویل پر حجت ہے، اور دو وجہوں میں سے ایک تفضیل کی مقتضی ہے اور دوسری اس کی منافی نہیں تو قبول کرنا اور اس وجہ کے مضمون کا قائل ضروری ہے۔

اسی لئے ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰے کو دیکھتے ہو کہ وہ اس آیت سے سیدنا عتیق صدیق کی فضیلت پر دلیل لاتے ہیں حالانکہ وہ ابوعبیدہ وغیرہ کے کلام کو ہم سے اور تم سے زیادہ جانتے ہیں، پھر بھی علماء کو اس بات نے ان مسالک پر چلنے سے نہ روکا، نہ کسی نے اس مسلک کو ناپسند کیا۔ اب ثابت ہوگیا کہ ہمارا مقصد بحمد اللہ حاصل ہے اور تمہارا زعم اللہ کی قدرت سے باطل ہے اور سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو مالک ہے سب جہانوں کا، ہم اُسی سے امید رکھیں اور اسی سے مدد چاہیں۔

دوسرا شبہہ وہ ہے جو میرے استاذ الاستاذ مولائے فاضل عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی (اللہ تعالے ہمیں اور انھیں اپنے لطف خفی اور فضل کامل سے معاف فرمائے) نے تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کریمہ سے اہل سنت وجماعت کے استدلال کو علمائے زمانہ کے درمیان مشہور طریقہ پر ذکر کرنے کے بعد نقل فرمایا، انھوں نے فرمایا کہ تفضیلیہ نے کہا کہ اتقی بمعنی تقی ہے، اور وہ (اسم تفضیل) معنی تفضیل سے مجرد ہے اس لئے کہ اگر یہ معنی نہ ہو تو اسم تفضیل کے اطلاق کے

علیه وسلم فیلزم ان یکون الصدیق اتقی منه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وھو باطل قطعاً بالاجماع قال واجاب اھل السنة والجماعة ان حمل الاتقی علی التقی یخالف اللسان العربی والقراٰن انما نزل بھا فحمله علی مالیس منھا غیر سدید، وما ذکروا من الضرورة مندفع بان الکلام فی سائر الناس دون الانبیاء علیھم الصلوٰة والسلام لما علم من الشریعة ان الانبیاء اعلی کرامة واشرف مکانة عند اللہ تبارك وتعالیٰ فلایقاسون بسائر الناس ولایقاس سائر الناس بھم فعرف الشرع حین جریان الکلام فی مقام التفاضل وتفاوت الدرجة یخصص امثال ھذا اللفظ بالامة والتخصیص العرفی اقویٰ من التخصیص الذکری کقول القائل خبز القمح احسن خبز لن یفھم منه تفضیله علیٰ خبز اللوز لأن استعماله غیر متعارف وھو خارج عن المبحث اذ الکلام انما انتظم الحبوب دون الفواکه[1]، ھذا کلامه فی التفسیر الفارسی اوردناہ نقلاً بالمعنیٰ۔

سبب صدیق کی فضیلت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شامل ہوگی تو لازم آئیگا کہ صدیق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اتقی ہوں اور یہ قطعاً اجماعی طور پر باطل ہے:

شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ اہل السنت والجماعت نے جواب دیا کہ اتقی کو تقی کے معنیٰ میں لینا عربی زبان کے خلاف ہے اور قرآن تو اسی میں اُترا، تو ایسے طریقہ پر محمول کرنا جو زبان عربی کے دستور میں نہ ہو صحیح نہیں ہے اور جو ضرورت تفضیلیہ نے ذکر کی وہ مندفع ہے، اس لئے کہ کلام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ کر باقی لوگوں میں ہے کیونکہ شریعت سے یہ معلوم ہے کہ انبیاء کی عظمت سب سے زیادہ ہے، اور انکا مرتبہ سب سے بلند تو انھیں باقی لوگوں پر قیاس نہ کیا جائے گا، نہ باقی لوگ ان پر قیاس کئے جائینگے، تو شریعت کا عُرف مقام فضیلت اور تفاوت مراتب کی جاری گفتگو میں ایسے الفاظ کو اُمت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اور تخصیص عُرفی تخصیص ذکری سے زیادہ قوی ہے جیسے کوئی کہے کہ گیہوں کی روٹی سب سے اچھی روٹی ہے، اس سے گیہوں کی روٹی کی فضیلت بادام کی روٹی پر نہ سمجھی جائیگی اس لئے کہ اس کا استعمال متعارف نہیں ہے اور وہ بحث سے خارج ہے اس لئے کہ کلام اناج کو شامل ہے نہ کہ میووں کو۔ یہ شاہ عبدالعزیز کا تفسیر فارسی میں کلام تھا جس کے مفہوم کو ہم نے نقل کیا۔

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی پ عم ص ۳۰۴

اقول وباللہ التوفیق اما ما ذکر من ان ھذا یخالف اللسان العربیۃ فممنوع ومدفوع، الا ترٰی الٰی قولہ تعالٰی "ھو الذی یبدؤا الخلق ثم یعیدہ وھو اھون علیہ[1]" ولیس شیئ اھون علی اللہ تعالٰی من شیئ والمعنی فی نظرکم علی احد تاویلات فی عسٰی ولعل الواردین فی القراٰن، والٰی قولہ تعالٰی "اصحٰب الجنۃ یومئذ خیر مستقرا واحسن مقیلا[2]" ولا خیر للغیر ولا حسن لأھل الضیر اولأیۃ جاریۃ علٰی سبیل التھکم بھم کما قال المفسرون لکن الأمر ان

میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے، رہی وہ بات جو شاہ صاحب نے ذکر کی کہ یہ (التقی بمعنی تقی ہونا) ممنوع و مدفوع ہے، کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰے کا قول" اور وہی ہے کہ اوّل بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائیگا اور یہ تمھاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہئے" حالانکہ اللہ تعالٰی کے لئے کوئی چیز دوسری چیز سے زیادہ آسان نہیں (یعنی اللہ تعالٰے کو ہر چیز پر یکساں قدرت حاصل ہے) اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ بنانا تمھاری نظر میں زیادہ آسان ہونا چاہئے اور یہ عسٰی ولعل جو قرآن میں وارد ہیں ان کی تاویلات میں سے ایک تاویل کی بنا پر ہے اور کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰے کا یہ قول "جنت والوں کا اس دن (سب[ع] سے) اچھا ٹھکانا اور حساب کی دوپہر کے بعد (سب سے) اچھی آرام کی جگہ" حالانکہ غیر کے لئے خیر نہیں اور خسارہ والوں کیلئے

ع آیت کا ترجمہ ہم نے "کنز الایمان" سے نقل کیا ہے اور بریکٹ میں دو جگہ لفظ "سب سے" بڑھادیا ہے تاکہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ خیر و احسن کا اسم تفضیل کے لحاظ سے اصل ترجمہ اس طرح ہونا چاہئے تھا، مگر قرینہ حالیہ کے سبب صحیح ترجمہ وہ ہے جو اعلحضرت علیہ الرحمہ نے کیا، اور اس سے ظاہر ہے کہ یہاں خیر و احسن کا حقیقی معنی تفضیل والا نہیں۔ ازہری غفرلہ

---

[1] القرآن الکریم ۳۰/ ۲۷
[2] " " ۲۵/ ۲۴

الافعل حقيقته في التفضيل و
ولا يصار الى الانسلاخ عنه الا
لضرورة دعت بقرينة قامت كما في
الأيتين اللتين تلونا وحيث
لاضرورة ولا قرينة كما نحن
فيه لانقول به والمصير اليه
اشبه بالتحريف منه بالتفسير
كما قد حققنا وهذا القدر
يكفي للرد عليهم ، وأما
ما ذكر من حديث التخصيص
عرفا فجرى منه على
تسليم ما ادعى الخصم
من أن اللفظ بصيغته
يشمل الانبياء عليهم الصلوٰة
والسلام وان بغيت الحق
المرصوص فلا شمول ولاخصوص
لأن الاتقى ان عم افراده
وهم المفضلون المرجحون
دون المرجوحين المفضل
عليهم .

وسر المقام بتوفيق الملك
العلام ان الافضل لابد له
من مفضل و مفضل عليه والمفضل
عليه يذكر صريحا اذا استعمل مضافا او بمن
اما اذا استعمل باللام فلا يوصف في الكلام

کوئی اچھائی نہیں، یا آیت کفار سے استہزا کے
طور پر جاری ہے، جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے۔
لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسم تفضیل کا معنی
حقیقی تفضیل ہے اور تفضیل سے مجرد ہونے
کی طرف بغیر ضرورت داعیہ بہ سبب قرینہ
قائمہ نہ پھرے گی جیسا کہ ان دو آیتوں میں جو ہم نے
تلاوت کیں اور جہاں نہ ضرورت ہو اور نہ قرینہ
ہو وہاں ہم تفضیل سے مجرد ہونے کا قول نہ کریں گے
اور اس طرف پھرنا تفسیر کی بہ نسبت تحریف سے
زیادہ مشابہ ہے جیسا کہ ہم نے تحقیق کی اور اس
قدر ان کے رد کے لئے کافی ہے ۔ اور رہی وہ
تخصیص عرفی کی بات جو شاہ صاحب نے ذکر
فرمائی تو ... مدعی کا وہ دعویٰ کہ لفظ اپنے صیغہ
کے سبب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی
شامل ہے تسلیم کرنے کی تقدیر پر جاری ہوئی اور
اگر تم حق محکم کو چاہو تو نہ شمول ہے نہ خصوص ہے،
اس لئے کہ اتقی اسم تفضیل اگر عام ہے تو
اپنے افراد کو عام وشامل ہے ۔ اور اس کے
افراد وہ ہیں جنھیں فضیلت و ترجیح دی گئی نہ کہ
وہ مرجوح جن پر دوسروں کو فضیلت دی گئی ۔

اور اس مقام میں علم والے بادشاہ
کی توفیق سے راز یہ ہے کہ افضل کے لئے ایک
مفضل اور دوسرا مفضل علیہ لازم ہے اور جب
اسم تفضیل اضافت کے ساتھ یا من کے ساتھ
مستعمل ہو تو مفضل علیہ صراحۃً مذکور ہوتا ہے،

ولكن اللام تشير اليه على سبيل العهد فى ضمن الاشارة الى المفضل لان ذاتا ما له الفضل كما هو مفاد لفظ افعل بلا لام لا تتعين الا وقد تعين المفضل عليه فعهدها يستلزم عهده واذ لم يكن هناك عهد فى اللفظ فالمصير الى العهد الحكمى وقد عهد فى الشرع المطهر تفضيل بعض الامة على بعض لا تفضيلهم على الانبياء الكرام فلا يقصده المتكلم ولا يفهمه السامع فلم يدخلوا حتى يخرجوا تأمل، انه دقيق، وقد كنت أظن هكذا من تلقاء نظرى الى ان رأيت علماء النحو صرحوا بما ابدى فكرى ولله الحمد۔

لیکن جب اسم تفضیل الف لام کے ساتھ آتا ہے تو اس میں مفضل علیہ کلام میں ذکر نہیں کیا جاتا لیکن لام تعریف بر سبیل عہد مفضل علیہ کی طرف مفضل کی طرف اشارہ کے ضمن میں اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ کوئی ذات جس کو دوسرے پر فضیلت ہو جیسا کہ صیغۂ افعل کا مفاد ہے بغیر لام تعریف کے اسی وقت متعین ہوگی جب مفضل علیہ متعین ہو تو اس کی تعیین مفضل علیہ کی تعیین کو مستلزم اور جب کہ تعیین صراحۃً موجود نہیں تو مآلِ کار حکماً تعیین ماننا ہے اور شرع مطہر میں بعض اُمتیوں کی تفضیل دوسرے امتیوں پر معروف ہے نہ کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت ہو تو نہ متکلم کی مراد ہوتی ہے نہ مخاطب ہی یہ معنی سمجھتا ہے اب انبیائے کرام عموم میں داخل ہی نہیں کہ اس سے مستثنیٰ کئے جائیں اس کلام میں غور کرے، بیشک یہ دقیق ہے اور میں اپنی سمجھ سے یہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ میں نے نحو کے عالموں کی تصریح اپنے نتیجۂ فکر کے مطابق دیکھی وللہ الحمد۔

قال المولى السامى نور الملة والدين الجامى قدس الله تعالىٰ سره وضعه لتفضيل الشئ على غيره فلابد فيه من ذكر الغير الذى هو المفضل عليه وذكره مع من والاضافة ظاهر، واما مع

حضرت بلند مرتبت نور الملۃ والدین جامی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا اسم تفضیل کی وضع شئے کی غیر پر فضیلت بتانے کے لئے ہے، لہٰذا اس میں غیر جو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ضروری ہے اور من اور اضافت کے ساتھ تو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ظاہر ہے۔ رہا لام

اللام فهو فی حکم المذکور ظاهراً لانہ یشار باللام الٰی معین بتعیین المفضل علیہ مذکور قبل لفظاً او حکماً کما اذا طلب شخص افضل من زید، قلت عمرو الأفضل أی الشخص الذی قلنا انہ افضل من زید، فعلی ھذا لا تکون اللام فی افعل التفضیل الا للعہد انتہٰی ۔

تعریف کے ساتھ تو مفضل علیہ ظاہراً مذکور کے حکم میں ہے اس لئے کہ لام تعریف سے ایک معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو لفظ میں مذکور یا حکم میں موجود مفضل علیہ کی تعیین سے متعین ہوتا ہے جیسے کہ اگر کوئی شخص زید سے افضل مطلوب ہو تو تم کہو کہ عمرو افضل ہے (لام تعریف کے ساتھ) تو مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسے ہم نے زید سے افضل کہا عمرو ہے، تو اس بنا پر صیغۂ افعل التفضیل میں لام عہد (تعیین) ہی کے لئے ہوگا انتہی ۔

قلت وتنقیح المرام بتحقیق المقام یستدعی بسطا نحن فی غنی عنہ (لطیفتان) بمثل ما صرح المولی الجامی صرح الرضی الاستر آبادی الذی لو تکن فی مصرہ عمارۃ عصرہ الا بنحوہ لکنا لم ناثر عنہ لان علی قلبہ آفۃ لاحد لہا فہم من فہم ھذا ثم ان المولی الفاضل نقل فی التفسیر جواباً آخر عن بعض الجلۃ الاکابر ولعلہ یرید بہ اباہ وھو ان الاتقی ھٰھنا

قلت (میں نے کہا) مقصود کی تنقیح اس بحث کی تحقیق کے ذریعہ تفصیل کو چاہتی ہے جس سے ہم بے نیاز ہیں (دو[۲] لطیفے) جس طرح اسم تفضیل کے بارے میں فاضل جامی نے تصریح کی، ایسی ہی تصریح رضی استرآبادی نے بھی کی جس کے شہر میں اس کے زمانے میں اسی کی نہج و نحو پر عمارت قائم ہوئی، مگر ہم نے اس کا کلام نقل نہ کیا اس لئے کہ اس کے دل پر ایسی آفت ہے جس کی حد نہیں ہے اس کو سمجھا جو سمجھا، پھر فاضل مولانا نے بعض گرامی قدر اکابر سے ایک اور جواب نقل کیا اور شاید ان کی مراد ان کے والد ہیں اور وہ یہ کہ اَلْاَتْقٰی اس جگہ اپنے معنیٰ پر ہے یعنی جو تقویٰ میں اپنے

---

[۱] شرح الجامی الاسماء والوافقہا بحث اسم التفضیل مطبع مصطفائی لکھنؤ ص ۲۷۷

على معناه اعنى من فضل فى التقوى على كل من عداه نبيا كان او غيره الا انه يختص بالاحياء الموجودين فالصديق رضى الله تعالى عنه يوصف به فى آخر عمره حين خلافته بعد ارتحال المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم وسيدنا عيسى على نبينا عليه الصلوٰة والسلام لما كان مرفوعا الى السماء لم يبق فى حكم الاحياء، ولا يجب للاتقى ان يكون اتقى فى جميع الاوقات وبالنسبة الى كل احد من الاحياء والاموات والا لم يوجد له فى العلمين مصداق اذ لا يتصور التقوى فى زمن الصبا وكل منصب محمود شرعا فالعبرة فيه باخر العمر كالعدل و الصلاح والغوثية والقطبية والولاية والنبوة ولهذا ايدعى بهذه الاوصاف من تشرف بها فى اواخر عمره وان لم يكن له ذلك من بدو امره، فالاتقى من فضل بالتقوى من سائر الموجودين فى آخر عمره الذى هو وقت اعتبار الاعمال وبه يثبت المدعى بلا تكلف ولا تاويل اصلا[1] بالتعريب وقد ارتضاه المولى الفاضل جانحا اليه وساكتا عليه۔

ماسوا سے افضل ہو خواہ نبی ہو یا غیر نبی، مگر یہ کہ اس صورت میں یہ ان کے ساتھ خاص ہوگا جو زندہ موجود ہیں۔ پھر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اتقی کے مصداق اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنی خلافت کے دور میں مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد ہوئے اور سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب آسمان پر اٹھالئے گئے تو وہ زندوں کے حکم میں نہ رہے اور اتقی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تمام اوقات میں اتقی ہو اور تمام احیاء واموات سے افضل ہو، ورنہ عالم میں کوئی اس کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ بچپن کے زمانہ میں تقوٰی متصور نہیں، اور ہر منصب جو شرعاً محمود ہو اس میں اعتبار آخر عمر کا ہے جیسے عدل وصلاح غوثیت وقطبیت ولایت ونبوت اسی لئے جو ان اوصاف سے مشرف ہوتا ہے اسے اس کے آخری ایام میں ان اوصاف کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اگرچہ یہ اوصاف ان لوگوں کو ابتداء سے حاصل نہیں ہوتے تو اتقی وہ ہے جو تمام موجودین کے بیچ تقوٰی میں سب سے افضل ہو، اپنی اواخر عمر میں جس وقت اعمال کا اعتبار رہتا ہے اور اس تقریر سے صدیق کی افضلیت کا دعوٰی بے تکلف وتاویل ثابت ہوجاتا ہے، عربی عبارت کا ترجمہ ختم ہوا اور اس تقریر کو فاضل مولانا نے اسکی طرف میلان اور اس پر سکوت کرتے ہوئے پسند کیا۔

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی، پارہ عم ص ۲۰۴-۰۵

39

اقول وان جعل الله الفطانة بمرای العین من قلب وکیع اتقن وأیقن ان هذا لا یزید علی تلبیع هب ان حدیث "العبرة بالخواتیم"[1] حق واجب التسلیم لکن الیس العقل السلیم شهیدا بانه اذا ذکر أحد من الاحیاء الموجودین بنعت من النعوت لا یفهم منه الا اتصافه فی الحال لا انه یصیر هکذا بالمآل والتبادر دلیل الحقیقة والافتیاق الی قرینة تصرف الافهام وتظهر المرام امارة المجاز فما ذا یحوجنا الیه مع استقامة الحقیقة من دون تکلف ولا تاویل اما علی طریقتنا فالأمر أبین واجلی واما علی طریقة الشیخ العزیز عبد العزیز فلان امثال تلک التخصیصات تکون مرتکزة فی الاذهان من دون حاجة الی البیان ولیس دلالة هذا التلویح أدون من ارشاد التصریح ولهذا لا ینزل العام عن درجة القطعیة کما فی الکتب الاصولیة والعجب من هذا اعده تکلفا وتاویلا مع شیوعه فی

اقول (میں کہتا ہوں) اور اگر اللہ تعالٰی ذہانت کو قلب کے سامنے رکھے تو وہ محکم لقین کرلے گا کہ یہ ملمع سے زیادہ نہیں، مان لو کہ حدیث کا ارشاد ہے "خاتمہ کا اعتبار ہے" حق واجب التسلیم ہے لیکن کیا عقل سلیم شاہد نہیں کہ جب دنیا میں زندہ موجود لوگوں میں سے کوئی کسی وصف کے ساتھ مذکور ہو تو اس سے اس کا فی الحال متصف ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ ایسا آئندہ ہوجائے گا، اور تبادر (معنی کی طرف سبقت فہم) معنی حقیقی کی دلیل ہے اور قرینہ کی حاجت جو ذہن کو دوسرے معنی کی طرف پھیرے اور مقصد ظاہر کرے مجازی معنی کی علامت ہے تو ہمیں مجاز کی ضرورت کس لئے پڑی باوجودیکہ حقیقت بغیر تکلف و بغیر تاویل درست ہے ہمارے طریقے پر، تو معاملہ خوب ظاہر و باہر ہے، اور شیخ عبد العزیز کے طریقہ پر حقیقی معنی کی درستگی اس لئے کہ ایسی تخصیصات عرفی اذہان میں مرتکز ہوتی ہیں جن کے بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور عرف عام کے اس اشارہ کی دلالت صراحت کی دلالت سے کم رتبہ نہیں، اور اسی لئے عام درجہ قطعیت (تیقن) سے نہیں گرتا، جیسا کہ اصول فقہ کی کتب میں مصرح ہے، اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ نے اس (تخصیص)

---

[1] صحیح البخاری کتاب القدر باب العمل بالخواتیم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۷۸
کنز العمال حدیث ۵۹۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۲۵

النصوص حديثا وتنزيلا فلو كان من
باب التكلف فما أكثر التكلف في
أفصح الكلام وكلام من هو أفصح
الأنام عليه أفضل الصلوٰة وأكمل
السلام وأغرب من هذا زعم طريقته
بريئة من التكلف مع أنها تحتاج
الى ما هو أبرد وأبعد فان الصديق
رضي الله تعالٰى عنه لم يكن
بالحقيقة أتقى الموجودين في
حين من الأحيان لحيات سيدنا عيسٰى
عليه الصلوٰة والسلام على أرجح
الأقوال وزعم التحاقه
بالأموات لارتفاعه الى السمٰوٰت
كلمة هو قائلها ما عليها دليل
ولا برهان، وان سلم فأين أنت
من سيدنا الخضر عليه السلام
مع أن المعتمد المختار نبوته وحياته[1]،
فان قلت إنه مختف عن الأبصار معتزل
عن الأمصار فالتحق بالأموات
كان عذرنا أفسد من الأول فافهم
على أنا قد أثبتنا اطلاق الصفة على
من سيكون كذا تجوز ولا تجوز
الا بقرينة ولا قرينة الا تخصيص الأنبياء

عرفی کو تکلف و تاویل میں شمار کیا باوجودیکہ یہ قرآن و
حدیث کی نصوص میں شائع ہے تو اگر یہ تکلف کے
باب سے ہو تو افصح الکلام (قرآن) اور سب سے
زیادہ فصیح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں
کس قدر تکلف ہوگا اور اس سے زیادہ عجیب یہ
ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے پسندیدہ طریقہ کو
تکلف سے بری کہا جب کہ وہ بہت دور کی اور
بہت بارد تاویل کا محتاج ہے اس لئے کہ صدیق
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی وقت بھی تمام موجودین سے حقیقۃً
زیادہ متقی نہ تھے اس لئے کہ راجح مذہب پر
سیدنا عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں زندہ ہیں
اور آسمانوں میں حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے ہونے کے سبب انھیں اموات سے ملحق بتانا
ایسی بات ہے جو انھوں نے کہی اور اس پر کوئی
دلیل و برہان نہیں ہے۔ پھر اگر یہ بات تسلیم کرلیں
تو تم سیدنا خضر علیہ السلام سے کہاں غافل ہو
باوجودیکہ معتمد و مختار یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور دنیا میں
زندہ ہیں تو اگر تم کہو کہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ اور شہروں سے جدا ہیں
اس بنا پر اموات سے ملحق ہیں تو یہ عذر پہلے سے زیادہ فاسد
ہوگا تو تم سمجھ لو، علاوہ ازیں ہم ثابت کرچکے کہ صفت
کا اطلاق ایسے شخص پر جو آئندہ صفت کا مصداق
ہوگا مجاز ہے اور مجاز بغیر قرینہ کے ماننا درست
نہیں اور قرینہ شرعی انبیاء کی تخصیص ہے، تو کلام کو

---

[1] شرح المقاصد المقصد السادس الفصل الرابع المبحث السابع دار المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ۳۱۱/۲

شرعًا فباتكائه حمل الکلام علی الحقیقة اولٰی ام المصیر الی التجوز معتمدا علی تلك القرینة نفسها؟ وقد بقی بعد خبایا فی زوایا لانذکرها مخافة للتطویل فحق الجواب والحق فی الجواب ماذکر العبد الذلیل وولی التوفیق ربی الجلیل۔

حقیقت پر محمول کرنا اولٰی ہے یا مجاز کی طرف اسی قرینہ پر اعتماد کی وجہ سے پھیرنا انسب ہے اور کچھ پوشیدہ باتیں گوشوں میں رہ گئی ہیں جنھیں ہم طوالت کے ڈر سے ذکر نہیں کرتے تو جواب برحق اور جواب کا حق وہی ہے جو بندۂ ناتواں نے اپنے رب جلیل کی توفیق واعانت سے ذکر کیا۔

ثم اقول وھناك نکتة اخری أحق واحری بقبول النھٰی لم ار من تنبه لها وھی ان افعل التفضیل لامحید له من مفضل علیه فالمحلی منه باللام اما ان یکون مفاده التفضیل علی جمیع من عھد التفاضل فیما بینھم فی امثال ھذا المقام کالمحبوب فی قولنا خبز البر ھو الاحسن والاکثر فیما نحن فیه، او علی بعضھم دون بعض اولا ولا بل احتمالا علی الاول حصل المقصود والثانی باطل بالبداھة الا تری الی قوله تعالٰی سبح اسم ربك الاعلٰی[1] وقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی دعائه دبر الصلٰوة اسمع و

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) اس مقام میں ایک دُوسرا نکتہ ہے جو عقلوں کو قبول ہونے کا زیادہ سزاوار ہے، میں نے نہ دیکھا کہ کسی کو اس نکتہ کی طرف توجہ ہوئی ہو اور وہ نکتہ یہ ہے کہ افعل التفضیل کے لئے مفضل علیہ ضروری ہے تو اس صیغہ پر جب لام تعریف داخل ہوگا تو یا تو ایسے مقام میں ان تمام افراد پر فضیلت ہوگا جن کے درمیان ایسے مواقع پر عرف میں تفاضل سمجھا جاتا ہے جیسے اناج کی قسموں میں ہمارے جملہ "گیہوں کی روٹی ہی اچھی ہے" میں اور وہی زیادہ تر مستعمل ہے اس مقام میں جس کی بابت ہم گفتگو کر رہے ہیں یا اس صیغہ سے بعض پر فضیلت سمجھی جائے گی اور بعض پر فضیلت مفہوم نہ ہوگی یا نہ پہلی صورت ہوگی نہ دوسری بلکہ دونوں کا احتمال ہوگا۔ پہلی تقدیر پر ہمارا مدعا حاصل ہے اور دوسری تقدیر پر بداہۃً باطل ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے قول "اپنے ربّ اعلٰی کی پاکی بولو"

---

[1] القرآن الکریم ۸۷/ ۱

استجب اللّٰہ اکبر و الاکبر
علی روایۃ الرفع، اخرجہ ابوداؤد[1] و
النسائی و ابن السنی و قول ابن
مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ
بین الصفاء والمروۃ "رب
اغفر وارحم انک انت
الاعز الاکرم"، رواہ ابن
ابی شیبۃ[2] بل الی قول کل مصل
فی سجودہ "سبحٰن ربی الاعلٰی" و
علی الثالث کانت الاٰیۃ مجملۃ فی
حق المفضل علیہم والمجمل ان
لم یبین عد من المتشابہات و
لم یعدھا احد منھا لکنا بحمد
اللہ وجدنا البیان من صاحب
البیان علیہ افضل الصلوۃ
والسلام، اخرج الامام ابوعمر بن
عبد البر من حدیث مجالد عن شعبی
قال سألت ابن عباس او سئل
ای الناس اول اسلاما قال اما
سمعت قول حسان بن
ثابت ؎

کی طرف اور نماز کے بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام
کے قول "اے رب! دعا سن لے اور قبول فرما،
اللہ اکبر، اللہ اکبر" کی طرف۔ اکبر کے مرفوع ہونے
کی روایت پر اس حدیث کو روایت کیا ابوداؤد، نسائی
اور ابن السنی نے، اور صفا و مروہ کے درمیان ابن مسعود
رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول "اے رب بخش دے
اور مہر فرما بیشک تو ہی عزت والا اکرم والا ہے"
کو نہیں دیکھتے۔ اسے روایت کیا ابن ابی شیبہ
نے، بلکہ سجدے میں ہر نمازی کے قول "سبحان
ربی الاعلٰی" کو نہیں دیکھتے اور تیسری تقدیر
پر یہ آیت مفضل علیہم کے حق میں مجمل ہوگی اور مجمل آیت کا بیان
اگر نہ ہوا ہو تو وہ متشابہ آیتوں میں شمار ہوگی حالانکہ
اس آیت کو کسی نے متشابہات میں شمار نہ کیا،
لیکن ہم نے بحمد اللہ اس آیت کا بیان صاحب بیان
حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پایا۔ امام
ابو عمر ابن عبد اللہ نے روایت کی حدیث مجالد سے
انھوں نے شعبی سے روایت کی کہ انھوں نے
فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ
تعالٰی عنہما) سے پوچھا یا ابن عباس سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے
پہلے کون اسلام لایا۔ انھوں نے فرمایا: کیا تم نے
حسان بن ثابت کے یہ شعر نہ سنے:

---

[1] سنن ابی داود کتاب الصلوۃ باب مایقول الرجل اذا سلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۱۱
عمل الیوم واللیلۃ باب ما یقول فی دبر صلوۃ الصبح دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن ص ۳۲
[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الحج باب ۶۷۰ حدیث ۱۵۵۶۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/۴۰۳

اذا تذکرت شجوًا من اخی ثقة
فاذکر اخاك ابا بکر بما فعلا
خیر البریة اتقاها و اعدلها
بعد النبی واوفاها بما حملا
والثانی التالی المحمود مشهده
واول الناس منهم صدق الرسلا انتہی

(ترجمۂ اشعار) "جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے، تو اپنے بھائی ابوبکر کو ان کے کارناموں سے یاد کر جو نبی (صلے اللہ تعالےٰ علیہ و آلہٖ وسلم) کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ تقویٰ اور عدل والے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے، جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سفرِ ہجرت میں چلے، جن کا منظر محمود ہے اور لوگوں میں سب سے پہلے جنھوں نے رسولوں کی تصدیق کی" (صلے اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وسلم)۔

انبانا عبد الرحمٰن عن ابن عبد اللہ المکی عن عابد الزبیدی المدنی عن الفلانی عن ابن السنة عن الشریف عن ابن ار کماش عن ابن حجر العسقلانی عن الکمال ابی العباس أنا ابو محمد عبد اللہ بن الحسین بن محمد بن ابی التائب عن محمد بن ابی بکر البلخی عن الحافظ السلفی عن ابی عمران موسیٰ بن ابی تلمید عن الامام ابی عمر یوسف بن عبد البر، قال فی الاستیعاب یروی أن رسول اللہ

ہمیں خبر دی عبد الرحمٰن نے انھوں نے روایت کی ابن عبد اللہ مکی سے انھوں نے روایت کی عابد زبیدی مدنی سے انھوں نے روایت کی فلانی سے وہ روایت کرتے ہیں ابن السنۃ سے وہ روایت کرتے ہیں شریف سے وہ روایت کرتے ہیں ابن ار کماش سے وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر عسقلانی سے وہ راوی ہیں کمال ابو العباس سے انھوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو محمد عبد اللہ بن حسین بن محمد بن ابی التائب نے محمد بن ابی بکر بلخی سے وہ راوی ہیں حافظ سلفی سے وہ راوی ہیں ابو عمران موسیٰ بن ابی تلمید سے وہ روایت کرتے ہیں امام ابو عمر یوسف بن عبد البر سے، ابن عبد البر نے استیعاب میں فرمایا کہ

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حرف العین ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/۹۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لحسان "ھل قلت فی ابوبکر شیئا ؟ قال نعم، و انشد ھذہ الابیات و فیھا بیت رابع وھی : ؎

والثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو بہ اذصعد والجبلا۔

فسر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بذلك فقال احسنت یا حسان[1] وقد روی فیھا بیت خامس : ؎

وکان حب رسول اللہ قد علموا
خیر البریۃ لم یعدل بہ رجلا[2]

انتھی۔

قلت ویروی بدلہ ع
من الخلائق لم یعدل بہ بدلا[3]

وحدیث ابن عباس رواہ

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حسان سے فرمایا کیا تم نے ابوبکر کے بارے میں کچھ کہا ہے؟ انھوں نے عرض کی: جی۔ اور حضرت حسان نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ شعر سنائے اور ان میں چوتھا شعر ہے وہ یہ ہے (ترجمہ) "غار شریف میں وہ دوسری جان درانحالیکہ دشمن اس کے گرد چکر لگاتے تھے جبکہ وہ دشمن (صدیق اکبر کی نظروں کے سامنے) پہاڑ پر چڑھے تھے۔" تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اشعار کو سن کر خوش ہوئے اور فرمایا: اے حسان! تم نے اچھا کیا۔ اور ان میں پانچواں شعر بھی مروی ہوا:

(ترجمہ) "شہرت، چمک یا حرارت محبت میں) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محبوب لوگوں نے انھیں جانا، تمام مخلوق سے بہتر، جس کے برابر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو نہ رکھا۔"

قلت (میں کہتا ہوں) مصرعہ ثانی کے بجائے یوں بھی مروی:
(ترجمہ) "مخلوق سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے برابر نہ رکھا۔"

اور حدیث ابن عباس کو طبرانی نے بھی

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۹۳
[2] [3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

الطبرانی ایضا فی المعجم الکبیر[1] وعبد اللہ بن احمد فی زوائد الزھد، و اما الحدیث المرفوع اعنی به استماع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشعارہ و تحسینہ علیھا فاصلہ مروی ایضا عند الحاکم من حدیث غالب بن عبد اللہ عن ابیه عن جدہ جبیب بن[2] ابی حبیب وعند ابی سعد فی الطبقات وعند الطبرانی عن الزھری ورواہ الحاکم ایضا من حدیث مجالد عن الشعبی من قولہ کمثل حدیث[3] ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما والاصولی یعرف ان الموقوف فی مثل ھذا کالمرفوع اذ المجمل لایبین بالرائ ولھذا ان لم یبین وانقطع[ع] نزول القرآن عاد متشابھا، ثم ان

روایت کیا معجم کبیر میں، اور عبد اللہ بن احمد نے زوائد زہد میں۔ رہی حدیث مرفوع یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت حسان کے اشعار کو سن کر انھیں سراہنا تو اس کی اصل بھی مستدرک حاکم میں غالب بن عبد اللہ کی حدیث میں بطریق غالب بن عبد اللہ عن ابیه عن جدہ جبیب بن ابی جبیب مروی ہے (یعنی یہ حضرت غالب بن عبد اللہ نے اپنے والد عبد اللہ سے سنی انھوں نے اپنے باپ غالب کے دادا جبیب بن ابی جبیب سے سنی) اور طبقات ابن سعد میں اور طبرانی میں زہری سے مروی ہے، اور نیز حاکم نے مجالد کی حدیث میں بروایت شعبی ان کا قول حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بلفظہ مشابہ روایت کیا، اور اصولی جانتا ہے کہ ایسی جگہ پر موقوف (صحابی کا قول) مرفوع (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول) کی طرح ہے، اس لئے کہ مجمل کا بیان رائے سے نہیں ہوتا لہذا اگر شارع نے بیان نہ کیا اور قرآن کا نزول بند ہوگیا

ع یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات سے کنایہ ہے ۱۲ منہ

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۵۶۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۸۹
[2] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴ و ۴۸۸
کنز العمال حدیث ۳۵۶۷۳ و ۳۵۶۸۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت /۵۱۳ و ۵۲۳
الدر المنثور بحوالہ ابن عدی وابن عساکر مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۳/ ۲۴۱
[3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

البیان یلتحق بالمبین اذ لا یفید الا رفع التشکیك و تعیین احد المحتملات فکان حکمه کحکم القرینة والمفاد انما ینسب الی الکلام کما اوضحته الاصول فثبت بالاٰیة تفضیله رضی اللّٰه تعالٰی عنه علی کل من عداه فی التقوٰی والحمد للّٰه علٰی ما اولٰی۔

تو مجمل متشابہ ہوجائے گا، پھر بیان مبین (مجمل) سے ملحق ہوگا اس لئے کہ بیان کا یہی فائدہ ہے کہ شک دور کرے اور محتمل معانی میں سے کوئی ایک معین کردے تو بیان کا حکم وہی ہے جو قرینہ کا ہے اور کلام کا مفاد کلام ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ نے واضح کیا تو اس آیت سے صدیق اکبر کی فضیلت تقوٰی میں ہر امتی پر ثابت ہوگئی اور اللہ تعالٰی کیلئے اس کی نعمتوں پر حمد ہے۔

اقول واخذ الافعل بمعنی کثیر الفعل فطام له عما یحتاج الیه فی اصل وضعه اعنی المفضل علیه فیکون صرفا عن المعنی الحقیقی المتبادر فلابد من قرینة واین القرینة ولتکن حاجة وماذا الحاجة نعم هذا مفاد صیغة المبالغة و شتان ماهما فلیتنبه لهذا واللّٰه تعالٰی الموفق۔

میں کہتا ہوں اور افعل کو بمعنی کثیر الفعل لینا اس کو اس شئے سے الگ رکھنا ہے جس کا وہ اصل وضع کے لحاظ سے محتاج ہے یعنی مفضل علیہ تو یہ معنی حقیقی متبادر سے پھیرنا ہوگا اب تو قرینہ ضروری ہے اور قرینہ کہاں اور اس کے لئے حاجت بھی چاہئے اور حاجت کیا ہے، ہاں یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفاد ہے اور اسم تفضیل اور مبالغہ میں فرق ہے۔

الشبهة الثالثة وهی تتعلق بالکبری من قیاس اهل السنة والجماعة ان المحمول فی قوله تعالٰی "ان اکرمکم عند اللّٰه اتقٰکم[1]" هو الاتقی فکان حاصل المقدمتین ان

تیسرا شبہہ اس کا تعلق اہلسنت وجماعت کے قیاس کے کبرٰی کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول "ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم" میں محمول الاتقی ہے ــــــــ تو دونوں مقدموں کا حاصل یہ ہوا کہ صدیق اتقی ہیں اور

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

الصدیق اتقی وکل اکرم اتقی وھذا
لیس من الشکل الاول فی شئ ولا ثانیا
ایضا لعدم الاختلاف فی الکیف وان عکستم
الکبری جاءت جزئیۃ لا تصلح لکبرویۃ
الشکل الاول فمفاد الآیتین لا یضرنا
ولا ینفعکم ومن الشبھۃ ھی التی
بلغنی عن بعض المفضلۃ عرضھا
علی بعض المتکلمین منا۔

ہر اکرم اتقی ہے اور یہ کسی طرح شکل اول کے قبیل
سے نہیں اور شکل ثانی بھی نہیں اس لئے کہ کیف
میں اختلاف نہیں ہے، اور اگر کبری کا عکس
کر دیا جائے اس صورت میں موجبہ جزئیہ ہوگا جو
شکل اوّل کے کبری بننے کے لائق نہیں، تو دونوں
آیتوں کا مفاد ہمیں مضر نہیں اور تمھیں مفید نہیں،
اور یہ وہی شبہہ ہے جس کے بارے میں مجھے خبر
پہنچی کہ کسی تفضیلی نے ہمارے کسی عالم سے
عرض کیا۔

وانا اقول وباللہ التوفیق
ما استخفہ تشکیکا واضعفہ دخلا
رکیکا غلط ساقط باطل عاطل لا یستحق
الجواب ولکن اذا قیل وسئل فلابد
من ابانۃ الصواب فاعلم ان اللطیف
الخفی وفقنی لازھاق ھذا
التلبیس الفلسفی باثنی عشر
وجھا امھاتھا ثلثۃ وجوہ
کل منھا یکفی ویشفی۔

اور میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی سے
ہے، یہ کتنی سخیف تشکیک ہے اور کس قدر ضعیف
اعتراض رکیک ہے جو غلط ہے ساقط ہے باطل
عاطل ہے جواب کا مستحق نہیں، لیکن یہ جب کہا گیا
اور پوچھا گیا تو صواب کو ظاہر کرنا ضروری ہے،
اب تم جانو کہ اللہ لطیف خفی نے اس قید فلسفی
کے قلع قمع کے لئے مجھے بارہ وجوہ سے توفیق
بخشی ان بارہ کی اصل تین وجہیں ہیں ان میں سے
ہر ایک کافی وشافی ہے؛

الاوّل لو کان لھذا القائل
علم بمحاورات القرآن او الحدیث
او بما روی العلماء فی شان النزول او
التفسیر المرفوع الی جناب الرسول
صلی اللہ تعالی علیہ وسلم او کلمات العلماء
والائمۃ الفحول او رزق حظا من
فھم الخطاب ودرک المفاد و

پہلی یہ کہ اگر اس معترض کو قرآن و
حدیث کے محاورات یا شانِ نزول میں علماء کی
روایات جناب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی
طرف منسوب ومرفوع تفسیر یا علماء اور جلیل القدر
ائمہ کے کلمات کا علم ہوتا یا نظمِ قرآن کی سمجھ اور
مفاد ومعنی کی فہم اور کلام کو غرض مقصود پر رکھنے
سے کچھ حصہ روزی ہوا ہوتا تو وہ جان لیتا کہ اکرم

تنزیل الکلام علی الغرض المراد لعلوات حمل الاکرم ھو المعتبر وصدر الکلام بتصدیر الخبر و ذٰلك لوجوہ اوقفنی اللّٰہ تعالیٰ علیھا بمنه وعمیم کرمه۔

کو محمول بنانا ہی معتبر ہے تو کلام اس طرح صادر ہوا کہ اس میں تقدیم خبر ہے اور یہ دعویٰ چند دلیلوں سے ثابت ہے اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے اپنے احسان اور لطفِ عام سے مطلع کیا۔

فاقول اولاً کانت الجاھلیة تتفاخر بالانساب وتظن ان الانسب ھو الافضل فجاءت کلمة الاسلام برد کلمة الجاھلیة ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکم[1] فالنزاع انما وقع فی موصوف الافضل لا فی صفته وھذا کما اذا سأل سائل عن الذ الاطعمة فقال قائل الحامض الذ فتقول رادا علیه لا بل الذھا احلاھا فانما ترید ان الاحلٰی ھو الالذ والوجه ان الاتقی فی الاٰیة کالاحلٰی فی قولك ھذہ مرأۃ لملاحظة الذات و الاکرم حکم علیه کالالذ وانما الخبر ما حکم به

فاقول (میں کہتا ہوں) **اولاً** اہلِ جاہلیت نسبت پر فخر کرتے تھے اور وہ گمان کرتے تھے کہ جس کا نسب بہتر ہے وہی افضل ہے تو اسلام کا کلمہ جاہلیت کے بول کو رَد کرتا ہُوا آیا ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم (بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے) تو نزاع تو اس میں ہے کہ وصفِ اول کا موصوف کون ہے نہ کہ صفت افضل میں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی پوچھنے والا پوچھے کہ کھانوں میں سب سے مزیدار کھانا کون سا ہے؟ تو کوئی کہے کہ الذھا اخلاھا (کھٹا سب سے زیادہ مزیدار ہے) تو اس کا رَد کرنے کو تم یوں کہو، نہیں بلکہ الذھا احلاھا (سب سے زیادہ مزیدار میٹھی چیز ہے) تو ہماری مراد یہی ہے کہ سب سے زیادہ میٹھا سب سے زیادہ مزیدار ہے اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اتقیٰ تمہارے اس قول "ذات کے ملاحظہ کیلئے یہ آئینہ ہے" میں احلیٰ کی مثل ہے اور اکرم

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

لاما حكم عليه ولقد درى من له قليل ممارسة بكلام العرب ان الذهن اوّل ما تلقى اليه امثال هذا الكلام لايسبق الا الى ان المراد مدح الاتقياء والترغيب فى التقوى والوعد الجميل بان من يتقى يكن كريمًا علينا عظيما لدينا وهكذا فهم المفسرون فهذا الزمخشرى النكتة فى الادب الشامة فى معرفة كلام العرب يقول فى تفسيره المحقق ان الحكمة التى من اجلها رتبكم على شعوب و قبائل هى ان يعرف بعضكم نسب بعض فلا يعتزى الى غير ابائه لا ان تتفاخروا بالاٰباء والاجداد وتدعوا التفاوت و التفاضل فى الانساب ثم بيّن الخصلة التى بها يفضل الانسان غيره ويكتسب الشرف والكرم عند الله تعالىٰ[1] فقال انّ اكرمكم عند الله اتقاكم و قرئ أنّ بالفتح كانه قيل لا يتفاخر بالانساب، فقيل لان اكرمكم عند الله اتقاكم لا انسبكم[1] الخ و بمثله قال الامام

محکوم علیہ ہے جیسے الذی۔ اور خبر تو محکوم بہ ہوتی ہے نہ کہ محکوم علیہ۔ اور بیشک وہ سمجھتا ہے جسے کلام عرب سے تھوڑا سا سابقہ ہو کہ جیسے ہی ایسا کلام ذہن میں آتا ہے اس کی سبقت اسی طرف ہوتی ہے کہ مراد پرہیزگاروں کی تعریف اور تقویٰ کی رغبت دلاتا ہے اور یہ وعدۂ جمیل کہ جو تقویٰ اختیار کرے گا ہمارے یہاں عزت وکرامت والا ہوگا۔ اور اسی طرح مفسرین نے سمجھا تو یہ زمخشری جو ادب میں نکتہ کی مانند اور کلام عرب میں تل کی مثال سے ہے اپنی تفسیر میں قائل ہیں بیشک وہ حکمت جس کی وجہ سے تمہاری ترتیب کنبوں اور قبیلوں پر رکھی وہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کا نسب جان لے۔ تو اپنے آباء واجداد کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت نہ کرے نہ یہ کہ تم آباء و اجداد پر فخر کرو اور نسب میں فضیلت اور برتری کا دعویٰ کرو پھر اللہ نے وہ خصلت بیان کی جس سے انسان دوسرے سے برتر ہوتا ہے اور اللہ کے یہاں عزت و بزرگی کا اکتساب کرتا ہے تو اللہ نے فرمایا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ اور ایک قراءت أَنَّ فتح ہمزہ کے ساتھ ہے گویا کہ کہا گیا ہے کہ نسب پر فخر کیوں کیا جائے تو بتایا گیا کہ اس وجہ سے کہ تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ جو سب سے زیادہ پرہیزگار رہے نہ وہ جو سب سے بڑے نسب والا ہو الخ

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۷۵

النسفی فی المدارک[1]

اور اسی طرح امام نسفی نے مدارک میں فرمایا۔

واقول ثانیاً القراٰن انما نزل لبیان الاحکام التی لا یطلع علیہا الا باطلاع اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کالنجاۃ والھلاک والکرامۃ والھوان والرد والقبول والغضب والرضوان لا لبیان الامور الحسیۃ وکون الرجل تقیا او فاجرا مما یدرک بالحس ففی جعل الاکرم موضوعاً کقلب الموضوع ولقد کان ھذا الوجہ من اوّل ما سبق الیہ فکری حین استماع الشبھۃ ثم فی اثناء تحریر الرسالۃ لما راجعت مفاتیح الغیب رأیت الفاضل المدقق تنبہ للشبھۃ ودندن فی الجواب حول ما اومانا الیہ حیث یقول "فان قیل الاٰیۃ دلت علی ان کل من کان اکرم کان اتقی" وذٰلک لا یقتضی ان کل من کان اتقی کان اکرم، قلنا وصف کون الانسان اتقی معلوم مشاھد

اقول ثانیاً قرآن تو ان احکام کے بیان کے لئے نازل ہوا ہے جن کا علم اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کے اطلاع کئے بغیر نہیں ہوسکتا جیسے کہ نجات و ہلاکت، عزت وذلت اور مردود و مقبول ہونا اور غضب ورضائے الٰہی، یہ محسوسات کے بیان کے لئے نہیں اترا اور آدمی کا پرہیزگار یا مددگار ہونا ان باتوں سے ہے جن کا علم احساس سے ہوتا ہے تو اکرم کو موضوع بنانا قلب موضوع ہے اور بیشک یہ وجہ ان باتوں سے ہے جن کی طرف میری فکر نے شبہہ کو سُن کر سبقت کی، پھر اس رسالہ کی تصنیف کے دوران جب میں نے تفسیر "مفاتیح الغیب" دیکھی تو میں نے فاضل مدقق کو دیکھا کہ وہ اس شبہہ کی طرف متنبہ ہوئے اور جواب میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا اس کے گرد مبہم کلام فرمایا اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں پھر اگر کہا جائے کہ یہ آیت تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ شخص جو اکرم (بڑا عزت والا) ہوگا' اتقٰی (بڑا پرہیزگار) ہوگا' اور یہ اس بات کا مقتضی نہیں کہ ہر وہ شخص جو اتقی (بڑا پرہیزگار) ہو وہ اکرم (بڑا عزت دار) ہو۔ ہم کہیں گے کہ انسان کا اتقی ہونا وصفِ معلوم ومحسوس ہے

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۱۶۳

ووصف كونه افضل غير معلوم و لامشاهد والاخبار عن المعلوم بغير المعلوم هو الطريق الحسن اما عكسه فغير مفيد، فتقدير الاٰية كانه وقعت الشبهة فی ان الاکرم عند الله من هو؟ فقيل هو الاتقی، واذا کان کذٰلك کان التقدير اتقٰکم اکرمکم عند الله انتهی۔

اور انسان کا افضل ہونا نہ وصف معلوم ہے اور نہ محسوس۔ اور معلوم کے بارے میں وصف غیر معلوم کے ذریعہ خبر دینا یہی بہتر طریقہ ہے۔ رہا اس کا عکس تو وہ مفید نہیں۔ تو آیت میں عبارت مقدر ہے، گویا کہ اس بارے میں شبہہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک اکرم کون ہے؟ تو فرمایا گیا کہ اکرم اتقی ہے، اور جب بات یوں ہے تو آیت کی تقدیر یوں ہوگی اتقٰکم اکرمکم عند اللہ (تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا ہے)۔

قلت ولعلك لا يخفی عليك ما بين التقديرين من الفرق و ما بين هذا الوجه ووجوهنا الباقية من التفاوت العظيم "ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء"[2]۔ والحمد لله رب العٰلمين۔

قلت (میں کہتا ہوں) اور شاید تم پر پوشیدہ نہ ہو وہ فرق جو دونوں تقدیروں میں ہے اور وہ عظیم تفاوت جو اس وجہ میں اور ہماری باقی وجوہ میں ہے یہ اللہ کے فضل میں ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے جو رب ہے جہان والوں کا۔

ثم اقول عسی ان يزعجك الوهم الصئول فيلجئك ان تقوم تقول اليس التقوٰی من افعال القلوب، قال الله سبحٰنه و

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) قریب ہے کہ تمھیں وہم بے چین کرے پھر تمھیں مجبور کرے کہ تم کھڑے ہو کر یہ کہو کہ کیا تقوٰی افعال القلوب سے نہیں، اللہ سبحانہ وتعالٰی کا ارشاد

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۸/۱۳۸
[2] القرآن الکریم ۵/۵۴

تعالٰی "اولٰئك الذین امتحن اللّٰه قلوبهم للتقوٰی[1]" وقال تعالٰی "ومن یعظم شعائر اللّٰه فانها من تقوی القلوب[2]" وقال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم "التقوٰی هٰهنا، التقوٰی هٰهنا، التقوٰی هٰهنا، یشیر الٰی صدره صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم۔" اخرجه مسلم[3] وغیره عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه وعنه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم "لکل شیئ معدن ومعدن التقوٰی قلوب العارفین" اخرجه الطبرانی[4] عن ابن عمر والبیهقی عن الفاروق اکبر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما فکیف قلتم انها من المحسوسات۔

قلت بلٰی ان التقوٰی مقامها القلب وعن هذا قلنا ان الصدیق لما کان اتقی الامّة باسرها وجب ان یکون اعرفها باللّٰه تعالٰی

ہے: "یہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔" اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے" حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرماتے تھے"۔ اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: "ہر شَے کے لئے کان ہے اور تقوٰی کی کان اولیاء کے دل ہیں"۔ اس حدیث کو طبرانی نے ابن عمر سے اور بیہقی نے فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، تو آپ نے کیسے کہہ دیا کہ تقوٰی محسوسات سے ہے۔

قلت (میں جواب میں کہتا ہوں) ہاں بے شک تقوٰی کا مقام قلب ہے اور اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ بے شک جب صدیق تمام امت سے زیادہ پرہیزگار ہوئے تو ضروری ہوا کہ وہ سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہوں

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۳
[2] " " ۲۲/ ۳۲
[3] صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷
[4] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۱۸۵ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۲/ ۳۰۳

لکن القلب امیر الجوارح فاذا استولی علیه سلطان شئ اذعنت لـه الجوارح طوعًا او لمعت علیها آثارہ جهرًا و هـذا مشاهد فی الحیاء والحزن والفرح والغضب وغیر ذٰلك من صفات القلب قال المصطفیٰ صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم "الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب" اخرجه الشیخان[1] عن نعمان ابن بشیر رضی اللّٰه تعالٰی عنه، و قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم "اذا رأیتم الرجل یعتاد المسجد فاشهدوا لـه بالایمان" اخرجه احمد[2] والترمذی والنسائی وابن ماجة و ابن خزیمة و ابن حبان والحاکم والبیهقی عن ابی سعید

لیکن قلب اعضاء کا امیر ہے، تو جب قلب پر کسی شے کا سلطان غالب ہوتا ہے تو تمام اعضاء اس کے تابع ہو جاتے ہیں اور اعضاء پر اس کے آثار صاف جھلکتے ہیں اور حیا وغم، خوشی وغضب وغیرہ صفاتِ قلب میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے مصطفےٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "خبردار! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ سدھرتا ہے پورا جسم سدھر جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے پورا جسم بگڑ جاتا ہے سُنتے ہو وہ قلب ہے۔" اس حدیث کو بخاری ومسلم نے نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور حضور صلے اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب تم آدمی کو مسجد میں آنے جانے کا عادی پاؤ تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔" اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم وبیہقی نے ابوسعید

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرأ لدینه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳
صحیح مسلم کتاب المساقات باب اخذ الحلال وترک الشبہات " " ۲/۲۸

[2] جامع الترمذی کتاب التفسیر تحت الآیۃ ۹/۱۸ امین کمپنی دہلی ۲/۱۳۵
سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعات باب لزوم المساجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۸
مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/۶۸
المستدرک للحاکم کتاب الصلوٰۃ بشر المشائین فی الظلم الی المساجد الخ دار الفکر بیروت ۱/۲۱۲
السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب فضل المساجد الخ دار صادر بیروت ۳/۶۶
موارد الظمآن الی زوائد الظمآن باب الجلوس فی المسجد بالخیر حدیث ۳۱۰ المطبعۃ السلفیہ ص ۹۹

الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اقول ثالثا کل ما ذکر

فی شان النزول فانما یستقیم و یطابق التنزیل اذا کان الموضوع ھو الاتقی۔ اما اذا عکس فلا یتاتی ولا یاتی الرمی علی المرمی، اما روایۃ یزید بن شجرۃ فطریق الاستدلال فیھا انکم استحقرتم ھذا العبد لانہ عبد اسود فقلتم عاد ذلیلاً وحضر جنازۃ ذلیل لکنہ عندنا کریم جلیل اذ کان متقیا والفضل عندنا بالتقوٰی فمن کان تقیا کان کریما عندنا وان کان عبد اسود اجدع۔ وھذا الطریق ھو المفھوم من الاٰیۃ عند کل من لہ ذوق سلیم، اما علی مازعمتم فیکون حاصل استدلال اللہ سبحنہ و تعالیٰ انہ کان کریما وکل کریم متق فلذا عادہ نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحضر دفنہ، وھذا الطریق کما تری اذ کان ینبغی الاستدلال الاستدلال بامر مسلم عندھم یستلزم مالم یسلموہ کالتقوٰی علیٰ تقریرنا۔

خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا۔

اقول ثالثا جو کچھ آیت کریمہ کے

شان نزول میں مسطور ہوا وہ تو اسی وقت راس آتا ہے اور تنزیل کے مطابق ہوتا ہے جب آیت کریمہ میں اتقی ہی موضوع ہو۔ رہی وہ صورت جب اس کا عکس کردیں تو بات نہیں بنتی، ہر تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا۔ رہی یزید ابن شجرہ کی روایت تو اس میں استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ اے لوگو! تم نے غلام کو حقیر جانا اس لئے کہ سیاہ فام غلام ہے تو تم نے اعتراض کیا کہ ذلیل کی عیادت کی ذلیل کے جنازہ میں حاضر ہوئے، لیکن وہ غلام ہمارے نزدیک باعزت جلیل القدر ہے اس لئے کہ وہ متقی تھا اور ہمارے یہاں بزرگی تقویٰ سے ہے تو جو متقی ہوگا ہماری بارگاہ میں عزت والا ہوگا اگرچہ کالا نکٹا غلام ہو۔ اور آیت سے ہر ذوق سلیم والے سے یہی طریق استدلال مفہوم ہوتا ہے، اور تمہارے زعم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے استدلال کا حاصل یوں ہوگا کہ وہ بے شک عزت والا تھا اور ہر عزت والا متقی ہے اسی لئے تو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی عیادت کی اور اس کے دفن میں شریک ہوئے۔ اور یہ طریق استدلال جیسا ہے تمہیں معلوم ہے اس لئے کہ دلیل لانا ایسے امر سے چاہئے تھا جو کفار کو مسلم ہو اور جو اس کو مستلزم ہو جس کو وہ تسلیم نہیں کرتے جیسے تقویٰ ہماری تقریر پر۔

40

وأما الكرامة فلم تكن ثابتة
عندهم والا لما قالوا ما قالوا على
ان المقدمة المذكورة فى الاٰية تبقى
ح عبثاً والعياذ بالله تعالىٰ فان
الرد عليهم تم بالمطوية القائلة
انه رجل كريم عند الله تعالىٰ
وبعد ذلك اى حاجة الى ان
يقال كل كريم متقٍ اذ لم يكن
نزاعهم فى التقوىٰ بل فى الكرم.
وبالجملة يلزم اخذ المدعى صغرى
واستنتاج ما ليس بمدعى وهٰكذا
يجرى الكلام فى رواية مقاتل و
استحقار قريش سيدنا عتيق العتيق
اعتقنا الله بهما من عذاب
الحريق، اٰمين!

ولنقرر بعبارة اُخرىٰ قال
"كل جديد لذيذ" كان طريق
استدلالهم على حقارته رضى الله
تعالىٰ عنه بانه عبد ولا شئ من
العبد كريماً فهو ليس بكريم والاٰية
نزلت فى الرد عليهم فلابد من
نقض احدى المقدمتين من قياسهم
لكن الصغرىٰ لامرد لها، فتعين ان
الاٰية انما تبطل الكبرىٰ باثبات

رہی عزت (اس سیاہ فام غلام کی) کافروں
کے نزدیک ثابت ہی نہ تھی ورنہ یہ کافر وہ کچھ نہ کہتے
جو انھوں نے کیا۔ علاوہ ازیں وہ مقدمہ جو اس آیت
میں ذکر ہوا اس تقدیر پر عبث ٹھہرے گا والعیاذ
باللہ، اس لئے کہ کفار پر رد تو اس قضیہ مطویہ (پوشیدہ)
سے تام ہو لیا جس میں یہ دعویٰ ہے کہ وہ غلام، اللہ
کے نزدیک باعزت ہے۔ اس کے بعد کون سی
حاجت ہے کہ کہا جائے کہ ہر کریم، متقی ہے اس لئے
کہ کافروں کا نزاع تقویٰ میں نہ تھا بلکہ کرامت میں تھا۔
بالجملہ اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مدعا صغریٰ ہو اور
نتیجہ وہ نکلے جو مدعا نہیں اور یونہی کلام روایت مقاتل
میں اور قریش کی جانب سے سیدنا عتیق العتیق
(حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غلام حضرت
بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تحقیر میں جاری ہوگا۔
اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان دونوں کے صدقے میں
جہنم کے عذاب سے آزاد فرمائے۔ آمین!
اور ہم بلفظِ دیگر تقریر کریں کہ "کلُّ جدیدٍ
لذیذٌ"، کفار کا طریق استدلال حضرت بلال
رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حقارت پر بایں طور تھا
کہ وہ غلام ہیں اور کوئی غلام عزت والا نہیں
ہوتا تو عزت والے نہیں، اور یہ آیت کفار
کے رد میں اتری لہٰذا ان کے قیاس میں دو
مقدموں میں سے ایک کا نقض ضروری ہے لیکن
صغریٰ کا رد نہیں ہو سکتا۔ اب متعین ہوا کہ
آیت کبریٰ کا ہی ابطال کرتی ہے اس کی نقیض

نقیضها وهو ان بعض العبید کریم ولا یمکن اثباته الا علی طریقتنا بان نقول بعض العبید یتقی الله تعالیٰ ومن یتقی الله تعالیٰ فهو کریم، اما علیٰ طریقتکم فی اصل المقدمتین ان بعض العبید متق وکل کریم متق وهذا هو القیاس الذی انتم دفعتموه وهکذا یتمشی التقریر فی روایة ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما بکلا الوجهین ـ

ولنقرره بعبارة ثالثة استحقر ثابت بن قیس رضی الله تعالیٰ عنه بعض اهل المجلس بقوله یا ابن فلانة ای یا دنی النسب فرد الله سبحٰنه وتعالیٰ علیه بانك ان زعمت ان بعض الادانی فی النسب لا یکون کریمًا فقولك هذا صادق لکن علام استحقرت هذا بخصوصه اذ یجوز ان لا یکون هذا من ذٰلك البعض وان اردت السلب الکلی فباطل قطعًا اذ لو صدق لصدق ان بعض المتقین لیس کریمًا لان بعضهم دنی النسب فلو یکن کریمًا عندك لکن التالی باطل

کے اثبات کے ذریعہ اور کفار کے کبریٰ کی نقیض یہ ہے کہ بعض غلام باعزت ہیں اور اس کا ثابت کرنا ممکن نہیں مگر ہمارے طریقے پر بایں طور کہ ہم کہیں بعض غلام، اللہ تبارک و تعالےٰ سے ڈرتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہی عزت والا ہے۔ رہا اصل مقدمتین میں تمہارے طریقے پر یہ قیاس کہ بعض غلام متقی ہیں۔ اور ہر عزت والا متقی ہے تو یہ وہی قیاس ہے جس کو تم دفع کر چکے ۔ اور یونہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں دونوں وجوہ کے ساتھ یہ تقریر چلے گی۔

اور ہم تقریر مدعا تیسری عبارت سے کریں حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بعض اہل مجلس کی تحقیر، انھیں "یا ابن فلانہ" (اے فلانی کے بیٹے) کہہ کر کی یعنی اے نسب میں کمتر، تو اللہ تبارک و تعالےٰ نے ان کا رد یوں فرمایا کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ کچھ کمتر نسب والے شریف نہیں ہوتے تو تمہاری یہ بات سچی ہے لیکن تم نے خاص اس شخص کو کس بنیاد پر حقیر جانا؟ اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ ان بعض میں سے نہ ہو اور اگر تمہاری مراد سالب کلی ہے تو یہ قطعًا باطل ہے اس لئے کہ اگر یہ صادق ہو تو یقینًا یہ صادق ہو گا کہ بعض متقی شریف نہیں اس لئے کہ ان میں کے بعض نسب میں کمتر ہیں تو تمہارے نزدیک شریف نہ ہوں گے لیکن تالی باطل ہے اس لئے

لصدق نقیضه وهو ان کل متق کریم فالمقدم مثله، هذا علیٰ طریقتنا اما علی طریقتکم فالمقدمة الاستثنائیة ان کل کریم متق وهو لا یرفع اللازم فلا یرفع الملزوم اتقن هذا فان الفیض مدرار۔ والحمد للّٰه۔

اقول رابعًا الاحادیث التی

جات تفسیرا الاٰیة او ترد مورد مشرعها اوتلحظ ملحظ منزعها انما تعطی ماذکرنا من المفاد وتابی عما بغیتم من الافساد ومنها ما انبانا المولی السراج عن الجمال عن عبد اللّٰه السراج ح وعالیاً بدرجة عن ابیه عبد اللّٰه السراج عن محمد بن هاشم ح ومساویا للعالی عن الجمال عن السندی ح وشافهنی عالیا بدرجتین

کہ اس کی نقیض صادق ہے اور وہ یہ کہ ہر متقی کریم ہے تو مقدم بھی اسی کی طرح باطل ہے یہ ہمارے طریقے پر ہے لیکن تمہارے طریقے پر تو مقدمہ[عـہ] استثنائیہ یہ ہے کہ ہر شریف متقی ہے اور یہ لازم کو مرتفع نہیں کرتا تو ملزوم کو بھی مرتفع نہ کریگا۔ اس تقریر کو خوب ضبط کر لو اس لئے کہ فیض (کا دریا) زوروں پر ہے، اور تمام خوبیاں اللہ ہی کی ہیں۔

اقول رابعًا وہ احادیث جو

اس آیت کی تفسیر کرتی ہے یا اس کے گھاٹ کے راستے پر چلیں یا اس جگہ اشارہ کرتی ہیں جہاں سے اس کا تیر کھینچا وہ تو وہی مفاد دیتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا اور اس فساد انگیزی سے انکار کرتی ہیں جو تم نے چاہا، منجملہ ان حدیثوں کے یہ ہے کہ جس کی خبر ہمیں مولی سراج نے دی وہ روایت کرتے ہیں جمال سے وہ روایت کرتے ہیں عبد اللہ سراج سے (ح) نیز ہم نے سراج سے یہ حدیث ایک درجہ عالی سند سے روایت کی وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ عبد اللہ سراج سے وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ہاشم سے (تحویل) نیز اس سند سے اس روایت کی جو سند عالی کے

عـہ مقدمہ استثنائیہ کو قیاس استثنائی بھی کہا جاتا ہے، اور قیاس استثنائی وہ ہے جس میں نتیجہ یا اس کی نقیض بالفعل مذکور ہو جیسے ہمارا یہ کہنا کہ "یہ اگر جسم ہے تو متحیز ہے" لیکن وہ جسم ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ متحیز ہے اور یہی بعینہ قیاس یعنی مقدمہ میں مذکور ہے اور نقیض کی مثال یہ کہ وہ متحیز نہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ جسم نہیں اور اس کی نقیض کہ وہ جسم ہے مقدمہ میں مذکور ہے (تعریفات جرجانی ص ۱۵۹)

سیدی جمل اللیل عن السندی کلاھما عن صالح العمری باسانیدہ الامامین الجلیلین بسندھما الی سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای الناس اکرم، فقال اکرمھم عند اللہ اتقٰھم[1]

مساوی ہے انھوں نے روایت کی جمال سے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے اور میرے اوپر دو درجہ عالی سند سے اس حدیث کو مجھ سے روایت کیا سیدی جمل اللیل نے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے دونوں نے روایت کی صالح عمری سے ان امامین جلیلین (بخاری ومسلم) کی اسانید کے ساتھ ان دونوں اماموں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے سوال ہوا، لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب لوگوں سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اقول انظر الی اثار رحمۃ اللہ کیف یوضح الحجۃ ولا یدع لاحد حجۃ انما سئل المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان ای الناس اکرم ای من الموصوف بہ لا ان الاکرم ما ھو بای نعت یزھو فاجاب بالاٰیۃ الکریمۃ فلولا ان الاتقی ھو الموضوع لما طابق الجواب

اقول (میں کہتا ہوں) اللہ تبارک وتعالٰی کی رحمت کے آثار دیکھو راستہ کو کس طرح واضح کرتا ہے یہ کسی کے لئے حجت نہیں چھوڑتا مصطفٰی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے تو یوں سوال ہوا تھا کہ کون سا شخص سب سے زیادہ عزت والا ہے یعنی اس وصف سے کون موصوف ہے۔ یہ سوال نہ ہوا تھا کہ "اکرم کی ماہیت کیا ہے"۔ "اکرم" (سب سے زیادہ عزت والا) اور کون سے وصف پر ناز کرتا ہے، تو سرکار نے

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ یوسف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۹

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل یوسف علیہ السلام ›› ›› ›› ۲/ ۲۶۸

السوال وعليك بتزكية الخيال ومن تمام نعمة الله تعالٰى ان فسر الشراح الحديث بما يعين المراد و يقطع كل وهم يراد ۔

آیۂ کریمہ سے جواب دیا تو اگر بات یہ نہ ہوتی کہ اتقی (سب سے بڑا پرہیزگار) ہی موضوع ہے تو جواب سوال کے مطابق نہ ہوتا اس پر خیال کا تزکیہ ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت کی تمامی سے یہ ہے کہ حدیث کے شارحین نے اس کی تفسیر اس جملہ سے کر دی جو مراد کو متعین کر دیتا ہے اور وہم کا قاطع ہے۔

قال العلامة المناوي" اكرم الناس اتقهم لان اصل الكرم كثرة الخير" فلما كان المتقي كثير الخير في الدنيا وله الدرجات العلٰى في الأخرة كان اعم الناس كرما فهو اتقهم[1]" انتهى۔

اس میں علامہ مناوی کا ارشاد ہے: اکرم الناس اتقاھم (سب لوگوں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) اس لئے کہ کرم اصل میں کثرتِ خیر ہے، تو جب متقی دنیا میں خیرِ کثیر والا ہے اور آخرت میں اس کے درجے بلند ہوں گے، تو سب سے زیادہ کرم والا وہی ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا۔ انتہی۔

انظر اين ذهبت شبهتك الواهية فهل ترى لها من باقية، و منها ما انبانا المولٰى عبد الرحمٰن عن الشريف محمد بن عبد الله كما مضى عن علي بن يحيٰى الزيادي عن الشهاب احمد بن محمد الرملي عن الامام ابي الخير السخاوي عن

دیکھو تمہارا واہی شبہہ کہاں گیا، اب اس کا کچھ نشان دیکھتے ہو۔ اور از انجملہ وہ حدیث ہے جس کی ہمیں خبر دی مولیٰ عبد الرحمٰن نے، انھوں نے روایت کی سید محمد بن عبد اللہ سے، جیسا کہ گزرا، اور وہ روایت کرتے ہیں علی بن یحییٰ زیادی سے، وہ روایت کرتے ہیں شہاب احمد بن محمد رملی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام ابو الخیر سخاوی سے، وہ روایت کرتے ہیں

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اکرم الناس اتقاھم مکتبۃ الامام الشافعی ۲۰۳/۱

العزعبدالرحیم بن فرات عن
الصلاح بن ابی عمر عن الفخر بن
البخاری عن فضل الله ابی سعید
التوقانی عن الامام محی السنة
البغوی انا ابوبکر بن ابی الهیثم
انا عبد الله بن احمد بن حمویة
انا ابراهیم بن خزیم ثنا عبد الله
بن حمید انا الضحاک بن مخلد
عن موسٰی بن عبیدة
عن عبد الله بن دینار
عن ابن عمر ان النبی
صلی الله تعالٰی علیه وسلم
طاف یوم الفتح علی راحلته
یستلم الارکان بمحجنه
فلما خرج لم یجد مناخا
فنزل علی ایدی الرجال
ثم قام فخطبهم فحمد الله
واثنی علیه، وقال الحمد
لله الذی اذهب عنکم غبیة
الجاهلیة و تکبرها باٰبائها
انما الناس رجلان برتقی کریم علی
الله و فاجر شقی هین علی الله ثم تلا
"یا ایها الناس انا خلقنکم من ذکر
و انثٰی" ثم قال اقول
قولی هذا واستغفر الله

عز عبدالرحیم بن فرات سے، وہ روایت کرتے
ہیں صلاح بن ابی عمر سے، وہ روایت کرتے ہیں
فخر ابن بخاری سے، وہ روایت کرتے ہیں فضل اللہ
ابوسعید توقانی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام
ابی السنہ بغوی سے، وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی
ابوبکر ابن ابی ہیثم نے عبداللہ ابن احمد ابن حمویہ سے، وہ
فرماتے ہیں ہمیں خبر دی ابراہیم ابن خزیم نے، ہم
سے حدیث بیان کی عبداللہ ابن حمید نے، ہمیں خبر دی
ضحاک ابن مخلد نے، وہ روایت کرتے ہیں اسکو
موسٰی ابن عبیدہ سے، وہ روایت کرتے ہیں عبد اللہ
ابن دینار سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت
ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے
فتح مکہ کے دن اپنی سواری پر طواف کیا،
ارکانِ کعبہ کا بوسہ اپنے عصائے مبارک سے
لیتے تھے، تو جب باہر تشریف لائے تو سواری
کو ٹھہرانے کی جگہ نہ پائی تو لوگوں میں سواری
سے اُتر گئے پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تبارک
وتعالٰی کی حمد وثنا کی اور فرمایا: اللہ کے لئے حمد
جس نے تم سے جاہلیت کا گھمنڈ اور آبا و اجداد کا
غرور دور کیا ——— لوگوں میں دو قسم کے
مرد ہیں، ایک نیک متقی اللہ کے یہاں عزت
والا، دوسرا بدکار بدبخت، اللہ کی بارگاہ میں
ذلیل۔ پھر یہ آیت پڑھی: "اے لوگو! ہم نے
تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا"، پھر فرمایا:
"میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے

لی ولکم[1]

اقول انظر کیف قسم المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخلق الی قسمین برتقی ووصفھم بالکرم وفاجر شقی ووصفھم بالھوان وھذا صریح فیما قلنا۔

لئے اور تمہارے لئے مغفرت چاہتا ہوں۔

اقول دیکھو مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مخلوق کو دو قسم کیا ایک نیک پرہیزگار، اور ان کو عزت سے موصوف کیا۔ اور دوسرے بدکار، بدبخت، اور انھیں ذلیل بتایا۔ اور یہ ہمارے دعوٰی کی صریح دلیل ہے۔

ومنہا ما اخرج ابن النجار والرافعی عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من دعائہ: "اللھم اغننی بالعلم وزیننی بالحلم واکرمنی بالتقوٰی وجملنی بالعافیۃ[2]۔" قال المناوی اکرمنی بالتقوٰی لاکون من اکرم الناس علیک ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم[3] اھ

ان احادیث میں سے ایک وہ ہے جس کی تخریج ابن نجار اور رافعی نے کی سیّدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے، نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی دُعا کے یہ کلمات مروی ہیں: "اے اللہ! مجھے علم کے ساتھ غنا، حلم کے ساتھ زینت، تقوٰی کے ساتھ اکرام اور عافیت کے ساتھ جمال عطا فرما۔" مناوی نے (دعا کا مطلب بیان کرتے ہوئے) کہا: "مجھے تقوٰی کے ساتھ اکرام عطا فرما تاکہ میں تیرے یہاں سب سے زیادہ عزت پانے والے لوگوں میں سے ہو جاؤں (بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے) اھ

اقول والوجہ حذف

میں کہتا ہوں صحیح یہ ہے کہ لفظ مِن

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۶/۴

[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۳۶۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۸۵/۲ و ۲۰۲

الجامع الصغیر " ۱۵۳۲ دارالکتب العلمیۃ " ۹۶/۱

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اللھم اغننی بالعلم الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲۲۱/۱

من وكانه اراد ما تريد الامة عند الدعاء به تاسيا بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم۔

کو حذف کیا جائے۔ گویا اس کی مراد وہ ہے جس کا ارادہ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی پیروی میں دُعا کرتے ہُوئے اُمّت کرتی ہے۔

ومنها ما اورد الزمخشري في الكشاف ثم الامام النسفي في المدارك عن النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم من سره ان يكون اكرم الناس فليتق الله[1][2] اھ ۔ وهذا ابين و اجلى۔

منجملہ ان حدیثوں میں سے یہ حدیث ہے جسے زمخشری نے کشاف میں پھر امام نسفی نے مدارک میں نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا فرمایا: جس کی یہ خوشی ہو کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ عزت والا ہو تو اللہ تعالےٰ سے ڈرے۔ اور یہ ظاہر تر ہے

واقول خامسًا العلماء ما فهموا من الاٰية الا مدح المتقين ولم يزالوا محتجين بها على فضيلة التقوى و اهلها فلو كان الامر كما زعمتم لاندحض هذه التمسكات بحذافيرها اذ لما كان المعنى ان كل كريم متق وهو لا يستلزم ان كل متق كريم فاى مدح فيه للمتقين و بم ذا يفضلون على الباقين الا ترى ان كل كريم انسان وحيوان وجسمان

اقول خامسا علمائے اس آیت سے متقی لوگوں کی تعریف ہی سمجھی اور اس آیت سے تقوٰی اور اہلِ تقوٰی کی فضیلت پر دلیل لاتے رہے، تو اگر معاملہ یوں ہوتا جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو یہ تمام استدلال سرے سے باطل ہوجاتا اس لئے کہ جب معنٰی یہ ٹھہرے کہ ہر کریم متقی ہے اور یہ اس کو مستلزم نہیں کہ ہر متقی کریم ہو تو اس میں پرہیزگاروں کے لئے کون سی تعریف ہے اور پرہیزگار دوسروں سے کس وصف سے برتر ہوں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر کریم انسان، حیوان

---

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۱۳/۴۹ دار الکتاب العربی بیروت ۳۷۵/۴

[2] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) " " ۱۷۳/۴

ولا یکون بهذا کل فرد من هؤلاء محمودا فی الدین۔

اور جسم ہے اور اس کے ساتھ ان تینوں میں سے ہر فرد محمود نہیں ہوتا۔

فان قلت ان التقوی وصف خاص بالکرماء فلهذا استحق الثناء بخلاف ما ذکرتم من الاوصاف۔

فان قلت (تو اگر تم کہو کہ) بے شک تقوٰی کریموں کے ساتھ خاص ہے لہذا یہ وصف تعریف کا مستحق ہے بخلاف ان اوصاف کے جو آپ نے ذکر کئے۔

قلت الاٰن اتیت الی ابیت فان التقوٰی اذا اختص بهم و لم یوجد فی غیرهم وجب ان یکون کل متق کریما وفیه المقصود قال المولی الفاضل الناصح محمد افندی الرومی البرکلی فی الطریقة المحمدیة بعد ما سرد الاٰیات فی فضیلة التقوٰی فتأمل فیما کتبنا من الاٰیات الکریمة کیف کان المتقی عند الله تعالٰی اکرم[1] انتهی۔

قلت (میں کہوں گا) اب تم اسی بات پر آگئے جس کا تم نے انکار کیا تھا اس لئے کہ تقوٰی جب کریموں کے ساتھ خاص ہے دوسروں میں نہیں پایا جاتا تو ضروری ہے کہ ہر متقی کریم ہو اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ مولٰی فاضل ناصح محمد آفندی رومی برکلی طریقہ محمدیہ میں تقوٰی کی فضیلت میں آیات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں تو ان آیاتِ کریمہ میں غور کرو جو ہم نے لکھیں کیونکہ متقی اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ کریم ٹھہرا۔

قال المولی الشارح العارف بالله سیدی عبد الغنی النابلسی فی شرحها الحدیقة الندیة اشارة الی الاٰیة الاولٰی من قوله تعالٰی "ان اکرمکم عند الله اتقٰکم"[2] انتهی۔

کتاب مذکور کے شارح مولا عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں مصنف کا اشارہ پہلی آیت یعنی اللہ تعالٰی کے قول "ان اکرمکم عند الله اتقاکم" کی طرف ہے۔

واقول سادسا الیّ یا موفق تحقیق بالقبول احق اخرج

واقول سادسا اے توفیق والے میری طرف آ، یہ ایک تحقیق ہے جو قبول کی

---

[1] الطریقة المحمدیة الباب الثانی الفصل الثالث مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۱/۱۲۹

[2] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة " " " مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۴۱۰

الامام احمد والحاکم والبیھقی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرم المرء دینہ و مروتہ عقلہ وحسبہ خلقہ[1]" واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب الیقین عن یحیٰی بن ابی کثیر مرسلا ینمیہ الی المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" الکرم التقوٰی والشرف التواضع[2]" واخرج الترمذی محمد بن علی الحکیم عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" الحیاء زینۃ والتقی کرم[3]" انظر الی الاحادیث ما اجلاھا و افصحھا واحلٰھا و املحھا انظر الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مروتہ

سزاوار ہے، امام احمد، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی انھوں نے نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا "آدمی کی عزت اس کا دین ہے اور اس کی مروت اس کی عقل ہے اور اس کا حسب اس کا خلق۔" اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الیقین میں یحیٰی بن ابی کثیر سے بسند مرسل روایت کیا درانحالیکہ اس حدیث کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کرتے تھے کہ فرمایا: "کرم، تقوٰی ہے اور شرف تواضع ہے"۔ اور ترمذی محمد ابن علی الحکیم نے جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا درانحالیکہ اس کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے کہ فرمایا: "حیاء زینت ہے اور تقوٰی کرم ہے"۔ احادیث کو دیکھو کس قدر روشن اور کتنی فصیح ہیں اور کیسی شیریں اور کیسی ملیح ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول کہ آدمی کی مروت اس

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۳۶۵
المستدرک للحاکم کتاب العلم کرم المومن دینہ الخ دار الفکر بیروت ۱/۱۲۳
" " کتاب النکاح الحسب والمال والکرم الخ " " ۲/۱۶۳
السنن الکبرٰی " " باب اعتبار الیسار فی الکفاءۃ دار صادر بیروت ۷/۱۳۶
" " کتاب الشہادات باب بیان مکارم الاخلاق الخ " " " ۱۰/۱۹۵

[2] کتاب الیقین من رسائل ابن ابی الدنیا حدیث ۲۲ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۱/۲۸

[3] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل السادس والخمسون والمائۃ دار صادر بیروت ص ۲۰۰

عقله فانما وصف العقل بالمروة لا المروة بالعقل وكذا قوله صلى الله تعالى عليه وسلم "حسبه خلقه والشرف التواضع" فانما حكم على الخلق بانه الحسب وعلى التواضع بانه الشرف حسما لما يدعيه المدعون من ان المال هو الشرف، ولذا ان قال قائل ان الحسب خلق والمروة عقل والشرف تواضع لم يقبل قوله منه، وان عكس قبل فهكذا فى الفقرتين اعنى قوله صلى الله تعالى عليه وسلم الكرم التقوى وكرم المرء دينه۔

کی عقل ہے۔ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقل ہی کو مروت سے موصوف کیا اور اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول "آدمی کا حسب اس کا خُلق ہے اور شرف تواضع ہے" تو اس لئے کہ خُلق پر حکم لگایا کہ وہ حسب ہے اور تواضع پر حکم فرمایا کہ وہی شرف ہے مدعیوں کے دعوے کو رد کرنے کے لئے کہ مال ہی شرف ہے اسی لئے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ بے شک حسب خُلق ہے اور مروت عقل ہے اور شرف تواضع ہے تو اس کا قول مقبول نہ ہوگا اور اگر اس کا عکس کر دے تو قبول کیا جائے گا تو اسی طرح دونوں حدیثوں میں اپنے بعد فقروں سے ملے ہوئے فقروں میں یعنی حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا قول کرم تقویٰ ہے اور آدمی کی عزت اس کا دین ہے (یعنی ان جملوں کا عکس مقبول نہ ہوگا)۔

وانا اعطيك ضابطة[ع] لهذا كلما رأيت فى امثال هذا المقام اسمين معرفين باللام محمولا احدهما على الأخر فان صح ان يحمل الأخر على الاول مجردا عن اللام فاعلم انه يجوز ان يكون محمولاً فى تلك القضية ايضًا والا لا نظيره قول الشاعر ؎

اور میں تم کو اس کے لئے ایک ضابطہ دیتا ہوں جب کبھی تم ایسے مقامات میں دو اسم معرف باللام دیکھو کہ ان میں کا ایک دوسرے پر محمول ہوتا ہے تو اگر دوسرے کا پہلے کے لئے محمول بننا بغیر لام کے صحیح ہو تو جان لو کہ وہ اس قضیے میں بھی محمول ہو سکتا ہے ورنہ نہیں، اس کی نظیر شاعر کا شعر ہے: ؎

ع اشاره به الى انك تقول الخ (المصنف)

بنونا بنوا ابناءنا و بنو
بناتنا ابناء الرجال
فانك ان قلت احفادنا ابناؤنا صدقت
وان قلت ابناؤنا احفادنا كذبت
فكان بنونا هو المحكوم به والسر
في ذلك ان المحمول يجوز تنكيره
ابدًا وافادة القصر على تسليمه عه
كليًا امر زائد على نفس الحكم
والموضوع لا ينكر تنكيرا محضا فلذلك
لا يقال الكرم تقوى او الكرم دين
وانما تقول بالتعريف لان الأخر
هو الموضوع حقيقة لاجل هذا
ان عكست و نكرت صح
اما رايت ان النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم
لما قدم التقوى في حديث الحكيم نكر الكرم
ولما عكس في الحديث الأخر عرف
التقوى، اللهم لك الحمد
على تواتر الائك و
لا اخالك يا هذا مغموسا
في غيابات الغباوت
بحيث يعسر عليك الانتباه
لما في تلك الاحاديث

"یعنی ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور
ہماری بیٹیوں کے بیٹے اور مردوں کے بیٹے ہیں۔"
اس لئے کہ اگر تم یوں کہو کہ ہمارے پوتے ہمارے
بیٹے ہیں تو یہ صادق ہوگا، اور اگر یوں کہو کہ ہمارے
بیٹے ہمارے پوتے ہیں تو یہ کاذب ہوگا تو شعر
میں "بنونا" ہی محکوم بہ ہے اور اس میں نکتہ
یہ ہے کہ ہمیشہ محمول کو نکرہ لانا جائز ہے اور افادۂ
قصر اگر اس کو امر کلی تسلیم کرلیں نفس حکم پر
ایک زائد بات ہے اور موضوع کبھی نکرہ محضہ
نہیں لایا جاتا ہے تو اس لئے یوں نہ کہا
جائے گا کہ الکرم تقوی یا الکرم دین یعنی
جبکہ جملے کا جزء ثانی مبتدا ٹھہرائیں تو اسکو
نکرہ لانا جائز نہیں بلکہ تم یہ جملہ دوسرے
جزء کی تعریف کے ساتھ بولوگے اس لئے کہ
حقیقت میں دوسرا جزء ہی موضوع ہے اسی وجہ
سے اگر اس جملے کا عکس کردو اور پہلے جزء کو
نکرہ کردو تو صحیح ہوگا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ
نبی صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے جب تقوی
کو مقدم کیا حکیم ترمذی کی گزشتہ حدیث میں تو
"کرم" کو نکرہ لائے، اور دوسری حدیث میں
جب اس کا عکس کیا تو "تقوی" کو معرفہ لائے۔
الٰہی! تیری پیہم نعمتوں پر تیرے لئے حمد اے
شخص میں گمان نہیں کرتا کہ تو کم فہمی کی اندھیریوں

عه اشارة الى انه مع اشتهاره في كثير من الناس الخ (المصنف)

التجاءت مرة بتقديم
الكرم واخرى بتصدير التقوى
من لمعات بوارق يكاد سناها
يخطف ابصار الشبهات ولا سيما حديث
الترمذي مع ما تقرر في الاصول
ان اللام ان لا عهد فللاستغراق
بل الجنس ايضا مفيد
اذ حكمه لابد ان يستوى
فيه الافراد. والله تعالى
اعلم.

واقول سابعًا ان قيل لك
اكرم الناس اتقاهم ثم من
دونه في التقوى وهكذا
يأتي ينزل تدريجًا لاجرم ان
تسلمه وتقول هذا لا ريب فيه
لكنك لم تدر ان قد انصرفت
عما اقترفت وقد اعترفت بما
انحرفت، قل لي ماذا
محصل قولك ان اكرم
الناس يوصف اولاً بانه اتقى
وثانيًا بانه قليل التقوى
وثالثًا بانه اقل، هل هذا
الا كلام مجنون تفوه
بلفظ في الجنون وما درى
وما عقل وهذه الشناعة

میں ایسا بھڑکتا ہو کہ تیرے اوپر ان چمکتی تجلیوں
سے تنبیہ ہونا دشوار ہو جن کی روشنی لگتا ہے کہ
شبہات کی آنکھوں کو اچک لے گی جو ان احادیث
میں ہیں جن میں کبھی کرم کو مقدم فرمایا اور کبھی تقویٰ
کو صدر کلام میں لائے بالخصوص حدیث ترمذی
باوجودیکہ اصول میں مقرر ہو چکا کہ لام جبکہ عہد
کے لئے نہ ہو تو استغراق کے لئے ہوگا بلکہ جنس
بھی مفید استغراق ہے اس لئے کہ ضروری
ہے کہ جنس کے حکم میں سب افراد برابر ہوں.
واللہ تعالیٰ اعلم۔

اقول سابعًا اگر تم سے کہا جائے
کہ سب لوگوں سے زیادہ باعزت سب سے
زیادہ پرہیزگار ہے پھر جو تقویٰ میں اس سے
کم ہے اور اسی طرح سے تدریجاً کم سے کم تر
کی طرف نازل ہو، لامحالہ تم اس کو تسلیم کرو گے
اور کہو گے کہ اس میں کوئی شک نہیں لیکن
تم نے نہیں سمجھا کہ تم اس سے پھر گئے جس کا
تم نے ارتکاب کیا تھا اور انحراف کا اعتراف
کرلیا مجھے بتاؤ تمہارے اس قول کا حاصل
کیا ہے کہ اکرم الناس اولاً اتقی سے موصوف
ہوتا ہے (سب سے زیادہ پرہیزگار) اور
ثانیاً قلیل التقویٰ کے ساتھ اور
ثالثاً اس سے بھی اقل کے ساتھ (یعنی اس
صورت میں جبکہ جزء ثانی یعنی اتقی کو محمول مانیں
کیا یہ ایسے مجنون کا کلام نہیں جو جنون میں لفظ

تکدس علیك زعمك العجیب فی کل ما جاء علی الترتیب وھو کثیر فی الاحادیث قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "احب الاعمال الی اللہ الصلٰوۃ لوقتھا ثم برالوالدین ثم الجھاد فی سبیل اللہ" اخرجه الائمة احمد[1] والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه فالمعنی علٰی زعمك ان احب الاعمال یوصف اولًا بانه صلٰوۃ ثم یمکث فیصیر برا ثم یلبث فیعود جھادًا وھذا من اعجب ما سمع السامعون۔

بولتا ہے اور سمجھتا نہیں ورنہ اسے خبر ہوتی اور یہ شناعت تمھارے زعم عجیب میں ان تمام احادیث کو مکدر کردے گی جن میں ترتیب کے ساتھ اعمال کی فضیلت بیان ہوئی اور یہ مضمون احادیث میں بہت ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا "اللہ کو سب کاموں سے زیادہ پیاری نماز ہے جو وقت پر پڑھی جائے، پھر ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا" اس حدیث کو روایت کیا احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو تمھارے زعم پر معنی یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ محبوب کام پہلے صلٰوۃ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر حسنِ سلوک بن جاتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر جہاد ہوتا ہے اور یہ سب سے زیادہ عجیب باتوں میں سے ہے جو سننے والوں نے سنی۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب فضل الصلٰوۃ لوقتها قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۶
〃 〃 کتاب الجهاد باب فضل الجهاد 〃 〃 ۱/۳۹۰
〃 〃 کتاب الادب باب قولہ تعالٰی ووصینا الانسان بوالدیہ 〃 〃 ۲/۸۸۲
صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون الایمان باللہ افضل الاعمال 〃 〃 ۱/۶۲
مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۱۰ و ۴۱۸ و ۴۲۱ و ۴۳۹ و ۴۴۲ و ۴۴۴ و ۴۴۸ و ۴۵۱
جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل امین کمپنی دہلی ۱/۲۴
〃 ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی برالوالدین امین کمپنی دہلی ۲/۳
سنن النسائی کتاب المواقیت فضل الصلٰوۃ لمواقیتها نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۰۱
سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب المحافظۃ علی الصلوات آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۱

تذئیل اياك وان تظن

ان تقديم الخبر فى امثال هذا المقام
قليل فى فصيح الكلام حتى يعد تاويلا
للنزام بل هو شائع متكثر بل هو الاكثر
الاوفر، ولو سردنا لك من الاحاديث
الواردة على هذا المنوال لنافت على
مئات ورميتق بالاملال، ثم منها
ما فى نفس الحديث دليل على
ما نريد كتقديم الصفات وتاخير
الذوات وغير ذلك ومنها ما شرح
الشارحون بعكس الترتيب من
دون حاجة الى ماهنا لك
فعلم انه طريق شائع كثيرا
ما يجرى الكلام عليه وتتبادر
الافهام اليه بلا احتياج الى صوارف
ولا توقف على موقف ولولا انا على حذر من
الاطناب لاريناك منها العجب
العجاب لكن لا باس ان تذكر
طرفا من احاديث اكثرها من
القسم الثانى لانها اوضح
فى المقصود وضوحا جميلا و
نقدم عليها حديثا ذكر فيه
المصطفى صلى الله تعالى عليه
وسلم مقدمتين فاستنتج منها
العلماء كمثل صنيعنا فى الأيتين

تذئیل خبردار یہ گمان نہ کرنا کہ ایسے

مقامات میں خبر کو مقدم رکھنا کلام فصیح میں نادر
ہے یہاں تک کہ مقصود کے لیے تاویل کرنا ٹھہرے
بلکہ وہ بکثرت شائع ہے بلکہ یہی اکثر و اوفر
ہے اور اگر ہم تم سے ان احادیث میں سے کچھ
کا ذکر کریں جو اس طریقے پر وارد ہوئیں تو گنتی
میں تو سیکڑوں سے زیادہ ہوں گی اور تم مجھے
اکتا دینے پر تہمت لگاؤ گے پھر ان میں سے وہ
بھی ہے جو نفس حدیث میں ہمارے مدعا کی
دلیل ہے جیسے صفات کو مقدم کرنا اور ذوات
کو مؤخر کرنا اور اس کے علاوہ ان میں شارحین
حدیث کا حدیث کی شرح میں ترتیب الٹ دینا
بلا ضرورت، تو اس سے معلوم ہوا کہ خبر کو مقدم
کرنا شائع ہے اور بسا اوقات کلام اس ڈھنگ
پر چلتا ہے اور قرائن صارفہ کی حاجت کے بغیر
لوگوں کی فہم اس کی طرف سبقت کرتی ہے اور
کسی بتانے والے پر موقوف نہیں ہوتی اور اگر
ہمیں تطویل کا ڈر نہ ہو تو ہم تمہیں ان احادیث کا
عجیب و غریب نمونہ دکھاتے لیکن اس میں حرج
نہیں کہ ہم ان احادیث کا ایک حصہ ذکر کریں جن
میں اکثر قسم ثانی کے قبیل سے ہیں اس لئے
کہ وہ مقصود میں خوب واضح ہیں اور ہم پہلے
ایک حدیث ذکر کریں جس میں مصطفی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے دو مقدمے ذکر کیے تو اس سے
علماء نے نتیجہ نکالا جس طرح دونوں آیتوں میں

لیکون هذا الشیٔ تنکیلا' انبأنا حسین الفاطمی عن عابد بن احمد عن صالح الفاروقی عن سلیمان الدرعی عن محمد الشریف، عن الشمس العلقمی عن الامام السیوطی عن احمد بن عبد القادر بن طریف انا ابواسحاق التنوخی انا ابوالحجاج یوسف بن الزکی المزی انا الفخر بن البخاری سماعًا بسماعه عن ابی حفص عمر بن طبرزد انا ابوالفتح عبدالملک ابن قاسم الکروخی، انا القاضی ابوعامر محمود بن القاسم الازدی و ابوبکر احمد بن عبد الصمد الغورجی انا ابومحمد عبد الجبار الجراحی المروزی انا ابوالعباس محمد بن احمد بن المحبوب المحبوبی المروزی' انا الترمذی ثنا محمد بن یحیٰی نا محمد بن یوسف نا سفیٰن عن هشام بن عروة، عن ابیه عن عائشة قالت قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم خیرکم خیرکم لاهله

ہم نے کیا تاکہ قید سخت ہو۔ ہم سے حدیث بیان کی حسین فاطمی نے' وہ روایت کرتے ہیں عابد بن احمد سے، وہ روایت کرتے ہیں صالح فاروقی سے، وہ روایت کرتے ہیں سلیمان بن درعی سے' وہ روایت کرتے ہیں محمد شریف سے، وہ روایت کرتے ہیں شمس علقمی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام سیوطی سے، وہ روایت کرتے ہیں احمد بن عبد القادر ابن طریف سے، ہمیں خبر دی ابو اسحٰق تنوخی نے، ہمیں خبر دی ابو الحجاج یوسف ابن زکی مزی نے' ہمیں خبر دی فخر الدین ابن بخاری نے سماعًا ابو حفص عمر بن طبرزد سے سن کر، ہمیں خبر دی ابو الفتح عبد الملک ابن قاسم کروخی نے، ہمیں خبر دی قاضی ابو عامر محمود ابن قاسم ازدی اور ابوبکر احمد بن عبد الصمد غورجی نے، ہمیں خبر دی ابو محمد عبد الجبار جراحی مروزی نے، ہمیں خبر دی ابو العباس محمد بن احمد بن المحبوب المحبوبی المروزی نے، ہمیں خبر دی ترمذی نے' حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن یحیٰی نے' حدیث بیان کی ہم سے محمد بن یوسف نے، حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے، انھوں نے روایت کی ہشام ابن عروہ سے، انھوں نے روایت کی اپنے باپ سے، انھوں نے روایت کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے' انھوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

41

واناخیرکم لاھلی واذا مات صاحبکم فدعوہ۔ ھذا حدیث حسن صحیح[1]۔

نے، "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی بیوی کے لئے تم سب سے بہتر ہوں جب تمھارا کوئی ساتھی مرجائے تو اسے چھوڑدو" (یعنی اس کا ذکر برائی سے نہ کرو) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

قلت ومروی ایضا عند ابن ماجۃ[2] من حدیث ابن عباس وعند الطبرانی فی معجمہ[3] الکبیر عن معٰویۃ بن ابی سفیٰن رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین قال الامام العلامۃ الشارح عبدالرءوف المناوی فی التیسیر شرح الجامع الصغیر للامام المولی جلال الحق و الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما فانا خیرکم مطلقا وکان احسن الناس عشرۃ لھم[4] انتھی۔

قلت (میں کہوں گا کہ) یہ حدیث ابن ماجہ کے یہاں منجملہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے اور طبرانی کے یہاں ان کے معجم کبیر میں معاویہ ابن ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے امام علامہ عبدالرؤف مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر مصنفہ امام مولٰی جلال الحق والدین سیوطی رحمہما اللہ تعالٰی میں فرمایا: "تو میں مطلقاً تم سب سے بہتر ہوں' اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اپنے اہل کے ساتھ سب سے بہتر سلوک فرماتے تھے۔"

اقول یاھذا ان ابدیت فرقاً بین ھذا القیاس والقیاس

اقول (میں کہتا ہوں) اے شخص اگر تو اس قیاس میں اور اُس قیاس میں جس کی صحت کا

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم امین کمپنی دہلی ۲/۲۲۹
موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۱۳۱۲ المکتبۃ السلفیہ ص ۳۱۸
الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۸۵۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۱۷۰
الجامع الصغیر حدیث ۴۱۰۰ " " ۲/۲۴۹

[2] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب حسن معاشرۃ النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳

[3] المعجم الکبیر حدیث ۸۵۳ مکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۹/۳۶۳

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیرخیرکم لاھلہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۵۳۳

الذی تنکر صحته لشکرك المفضلة ابدا ما کانوا ولکن هیهات هیهات انی لك ذلك اخرج احمد والشیخان عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، خیر نساء رکبن الابل صالح نساء قریش۔[1]

تو منکر ہے فرق نمایاں کر دے تو تفضیلیہ عمر بھر تیرے شکرگزار رہوں گے لیکن ہیہات ہیہات تجھ سے کیونکر ایسا ممکن ہے۔ امام احمد و بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ سے راوی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا، اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں۔

قال الفاضل الشارح فالمحکوم له بالخیریة الصالحة منهن لا علی العموم[2] اھ انظر کیف جعل الخیر محکوما به اخرج احمد والترمذی والحاکم باسناد صحیح عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنهما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خیر الاصحاب عند اللہ خیرهم لصاحبه وخیر الجیران عند اللہ خیرهم لجارہ۔[3] قال الفاضل الشارح فکل

فاضل شارح نے فرمایا تو جن کے لئے سب سے بہتر ہونے کا حکم فرمایا گیا وہ قریشی عورتوں میں نیک عورتیں ہیں اور یہ حکم اپنے عموم پر نہیں[2]۔ دیکھو کس طرح شارح نے خیر کو محکوم بہ قرار دیا۔ امام احمد، ترمذی اور حاکم بسند صحیح حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحاب میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے سب سے بہتر ہو اور ہمسایوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۷۵ و ۳۹۳
صحیح البخاری کتاب النکاح باب الی من ینکح وای النساء خیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶۰
صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل نساء قریش 〃 〃 ۲/ ۳۰۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث خیر نساء رکبن مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۳۲

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۶۸
المستدرک للحاکم کتاب المناسک خیر الاصحاب عنداللہ الخ دار الفکر ۱/ ۴۴۳
الجامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ما جاء فی حق الجوار امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶

من کان اکثر خیرًا لصاحبه و جارہ فھو افضل عند اللہ و العکس بالعکس[1] اھ ، اخرج احمد و ابن حبان و البیہقی عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد صحیح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر الذکر الخفی[2]؛ قال الفاضل الشارح "ای ما اخفاہ الذاکر وسترہ عن الناس فھو افضل من الجھر[3] اھ ، اخرج الطبرانی عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الصدقۃ سر الٰی فقیر[4]۔ قال الفاضل الشارح "قال تعالٰی وان تخفوھا وتوتوھا الفقراء فھو خیر لکم[5] اھ۔

ہمسایوں کے لئے سب سے بہتر ہو۔ فاضل شارح نے کہا تو ہر وہ شخص جو اپنے ساتھی اور پڑوسی کے لئے کثیر الخیر ہو وہ اللہ کے نزدیک افضل ہے اور اس کے برعکس ہو تو حکم برعکس ہے انتہی۔ امام احمد، ابن حبان اور بیہقی نے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند صحیح روایت کیا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ سرکار نے فرمایا "سب سے بہتر ذکر ذکر خفی ہے۔" فاضل شارح نے کہا یعنی وہ ذکر جسے ذاکر خفیہ رکھے اور لوگوں سے چھپائے وہ ذکر جہر سے افضل ہے انتہی۔ طبرانی، ابن ماجہ، ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا: "سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو خفیہ طور پر فقیر کو دیا جائے۔" فاضل شارح نے کہا اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم، انتہی۔

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الاصحاب الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۵۲۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن سعد بن ابی وقاص المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۷۲

موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۲۳۲۳ المکتبۃ السلفیۃ ص ۵۷۷

شعب الایمان حدیث ۵۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۴۰۷

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الذکر مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۵۲۶

[4] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۷۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/۲۵۹

المعجم الصغیر " ۱۲۷۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۸۰

[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث افضل الصدقۃ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۱۸۵

اقول انظر فقد اخرت الأیۃ وقدم الحدیث. اخرج احمد والحاکم عن رجل من الصحابۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان افضل الضحایا اغلاھا واسمنھا[1] قال الفاضل الشارح فالاسمن افضل من العدد[2] اھ۔

اقول دیکھو آیت کریمہ نے خیر کو (جو موضوع ہے) مؤخر کیا اور حدیث نے اس کو مقدم کیا۔ امام احمد اور حاکم نے کسی صحابی سے دریافت کیا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا: "قربانی کے جانوروں میں سب سے بہتر سب سے قیمتی سب سے فربہ ہے"۔ فاضل شارح نے کہا تو جو سب سے فربہ ہے وہ عدد سے افضل ہے اھ۔

اخرج احمد والطبرانی فی الکبیر عن ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الاعمال الایمان باللہ ثم الجہاد ثم حجۃ برۃ تفضل سائر العمل[3]

امام احمد اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا: "سب سے بہتر عمل اللہ پر ایمان رکھنا ہے پھر جہاد، پھر حج مقبول تمام اعمال سے افضل ہے"۔

اقول انظر الی ھذہ الکلمۃ الآخرۃ صدر بالافضل ثم اخرہ۔

اقول (میں کہتا ہوں) اس کلمہ میں دیکھو، پہلے افضل کو مقدم کیا پھر اس کو مؤخر لائے۔

اخرج ابوالحسن القزوینی فی امالیہ الحدیثیۃ عن ابی امامۃ

ابوالحسن قزوینی اپنے امالی حدیثیہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث جد ابی الاشد السلمی المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۲۴
المستدرک کتاب الاضاحی باب افضل الضحایا الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۳۱
[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث ان افضل الضحایا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ...
[3] مسند احمد بن حنبل حدیث ماعز رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت
المعجم الکبیر حدیث ۸۰۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/ ...

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "ان اشد الناس تصدیقاً للناس اصدقھم حدیثا وان اشد الناس تکذیباً اکذبھم حدیثا"۔[1] قال الفاضل الشارح فالصدوق یحمل کلام غیرہ علی الصدق لاعتقادہ قبح الکذب والکذوب یتھم کل مخبر بالکذب لکونہ شانہ،[2] اھ۔

وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "سب سے زیادہ لوگوں کی تصدیق کرنے والا وہ ہے جس کی بات سب سے زیادہ سچی اور لوگوں کو سب سے زیادہ جھوٹا بتانے والا وہ ہے جو اپنی بات میں سب سے بڑا جھوٹا ہو۔" فاضل شارح نے فرمایا وہ سچا دوسرے کے کلام کو سچائی پر محمول کرتا ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ کو بُرا جانتا ہے اور جھوٹا ہر مخبر کو جھوٹ کی تہمت لگاتا ہے اس لئے کہ جھوٹ بولنا اس کا کام ہے اھ۔

اخرج احمد فی کتاب الزھد عن سلمان الفارسی واقفاً علیہ و ابن لال وابن النجار عن ابی ھریرۃ والسجزی فی الابانۃ عن ابن ابی اوفی رافعین الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکثر الناس ذنوباً یوم القیٰمۃ اکثرھم کلاماً فیما لایعنیہ۔[3]

امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت سلمان فارسی سے حدیث موقوف روایت کی اور ابن لال اور ابن نجار نے ابوہریرہ سے اور سجزی نے ابانہ میں ابن ابی اوفٰی سے ان سب نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کیا کہ فرمایا "سب لوگوں سے زیادہ قیامت کے دن اس کے گناہ ہونگے جو سب سے زیادہ لایعنی باتیں کرے۔"

قال الفاضل الشارح لان

فاضل شارح نے فرمایا اس لئے کہ

---

[1] کنز العمال حدیث نمبر ۶۸۵۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۳۴۴
الجامع الصغیر " ۲۲۰۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۴

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان اشد الناس تصدیقا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۱۱

[3] الجامع الصغیر بحوالہ ابن لال وابن نجار حدیث ۱۳۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۸۶
کتاب الزہد ۸۱۱ دار الکتاب العربی " ص ۲۱۹

من کثر کلامہ کثر سقطہ فتکثر ذنوبہ من حیث لا یشعر[1]" اھ۔

جس کا کلام کثیر ہوگا تو اس میں مہمل خلاف شرع باتیں زیادہ ہوں گی تو اس کے گناہ بڑھیں گے اور اس کو شعور نہ ہوگا اھ۔

اخرج البخاری فی التاریخ والترمذی وابن حبان بسند صحیح عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرھم علیّ صلٰوۃ[2]

امام بخاری تاریخ میں اور ترمذی اور ابن حبان بسند صحیح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا "قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ مجھ سے قریب وہ ہوگا جو سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔

قال الفاضل الشارح" ای اقربھم منی فی القیمۃ واحقھم بشفاعتی اکثرھم علیّ صلاۃ فی الدنیا لان کثرۃ الصلٰوۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تدل علی صدق المحبۃ وکمال الوصلۃ فتکون منازلھم فی الاٰخرۃ منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بحسب تفاوتھم فی ذٰلک[3] اھ۔

فاضل شارح نے فرمایا یعنی قیامت میں سب سے مجھ سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ میری شفاعت کا حقدار وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا تھا اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود کی کثرت سچی محبت پر اور کمال ربط پر دلالت کرتی ہے، تو لوگوں کے مدارج حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قرب میں اس امر میں لوگوں کے تفاوت کے حساب سے ہوں گے۔ا

اقول انظر شرح اولاً لفظ الحدیث

اقول دیکھو پہلے لفظ حدیث کی شرح

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اکثر الناس ذنوبا یوم القیمۃ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۰۰

[2] جامع الترمذی ابواب الوتر باب ماجاء فی فضل الصلٰوۃ علی النبی امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۴
الجامع الصغیر حدیث ۲۲۴۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان اولی الناس بی الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۶

ثم علل بما لا یستقیم الا علیٰ جعل
الاولیٰ محکومًا بہ، وابین من
ھذا ان العلماء المحدثین
افاض اللہ علینا من برکاتھم
استدلوا بھٰذا الحدیث علیٰ فضل
اھل الحدیث، وانھم اولی الناس
برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم لانھم اکثر
الناس صلوٰۃ علیہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم لا ینکرون
حدیثا الا ویصلون فیہ علی النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
عشرًا او خمسًا او مرتین او مرۃ
لا اقل کما ھو معلوم مشاھد
والحمد للہ۔

ارایتک ھذا الاستدلال
الیس علیٰ طبق احتجاجنا بالاٰیتین
حذوا بحذو وسواء بسواء، ثم
من تمام نعمۃ اللہ ان جاء حدیث
عند البیھقی برجال ثقات عن
ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اکثروا
من الصلوٰۃ علیّ فی کل یوم جمعۃ
فان صلوٰۃ امتی تعرض علیّ فی کل
یوم جمعۃ فمن کان اکثرھم علی

کی پھر علت وہ بیان کی جو اسی صورت میں ٹھیک
بیٹھتی ہے جبکہ حدیث میں (وارد) لفظ اولیٰ
کو محکوم بہ ٹھہرائیں اور اس سے روشن تر یہ ہے
کہ علماء محدثین نے (اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے
اوپر ان کی برکتیں برسائے) اس حدیث سے
علمائے حدیث کی فضیلت پر استدلال کیا،
اور اس پر دلیل پکڑی کہ وہ سب لوگوں سے
زیادہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قریب
ہیں اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ حضور
صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔
جب کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ
تعالےٰ علیہ وسلم پر دس مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا
دو مرتبہ یا کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھتے ہیں
جیسا کہ معلوم ہے اور اس کا مشاہدہ ہے،
والحمد للہ۔

مجھے بتاؤ کیا یہ استدلال ان دونوں
آیتوں سے ہمارے استدلال کے بالکل مطابق
نہیں، پھر اللہ تبارک وتعالےٰ کی تمامی نعمت
سے یہ ہے کہ ایک حدیث بیہقی میں ثقہ راویوں
کی روایت سے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالےٰ
عنہ سے آئی انھوں نے نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ
وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا کہ ہر جمعہ کے دن
بکثرت درود بھیجو اس لئے کہ تمہارا درود
ہر جمعہ کے دن میرے اوپر پیش ہوتا ہے تو سب
سے زیادہ جو میرے اوپر درود بھیجے گا وہ درجے

صلوٰة كان اقربهم منى منزلة۔[1]
فعلم انه لايبالى فى امثال المقام
بتقديم ولاتاخير لعدم الالتباس
والسر فيه ما القينا عليك ان
هذه احكام شرعية لا يطلع عليها
الا باطلاع الشارع فهى التى تليق
ان تجعل محمولات، ولا تسبق
الاذهان الا الى ذلك مقدمة
جاءت اومؤخرة وهذا كله واضح
جلى كاد ان يقال بديهى واولى
لا يسوغ انكاره الاجاهل خرف
اومتجاهل متعسف، ونخشى ان
يعد اكثارنا ههنا من اقامة
الدلائل عليه شبيها بالعبث عند
العلماء لان اٰذانهم ممتلئة بالوف
الاف من امثال تلك المحاورات، وهم
العارفون باساليب الكلام ومجارى
البيان فى مناهج المرام، فحاشاهم
ان يتعسر عليهم تمييز محمول من
(ههنا سقط ظاهر ولعل العبارة
هكذا ان يخطر ببالهم) يحط ببالهم
نحو هذه الخدشات، لكنى اتنصل اليهم
وعذرى ان شاء الله تعالىٰ واضح لديهم

میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب ہوگا۔ تو
معلوم ہوا کہ ایسے مقامات میں تقدیم و تاخیر
کی پرواہ نہیں کی جاتی اس لئے کہ اشتباہ
نہیں ہوتا اور اس میں سِر وہی ہے جو ہم نے
بتایا۔ تو یہ احکامِ شرعیہ ہیں جن پر بغیر شارع
کے بتائے اطلاع نہیں ہوتی۔ تو یہی اس کے
لائق ہیں کہ محمول بنائے جائیں، اور اذہان کی
سبقت انھیں کی طرف ہوتی ہے خواہ مقدم
آئیں یا مؤخر، اور یہ سب واضح و روشن ہے۔
قریب ہے کہ اس کو بدیہی و اولیٰ کہا جائے
اس کا انکار جاہلِ بے خرد یا جاہل بننے والے
معاند کے سوا کسی کو نہ بن پڑے گا اور ہم کو ڈر
ہے کہ ہمارا اس پر بکثرت دلائل قائم کرنا علماء کے
نزدیک عبث کے مشابہ قرار دیا جائے اس
لئے کہ ان کے کان اسی قسم کے ہزاروں محاورات
سے بھرے پڑے ہیں اور وہ کلام کے اسالیب
سے اور مقصود کے طریقوں میں بیان کی
راہوں سے آگاہ ہیں تو وہ اس سے منزہ ہیں
کہ انھیں محمول کی تمیز موضوع سے دشوار ہو اور یہ انکے
ذہن میں ایسے خدشات جگہ پائیں لیکن میں
ان کی طرف معذرت کرتا ہوں اور میرا عذر
ان کے نزدیک ظاہر ہے اس لئے کہ میری
مثال اور ان لوگوں کی مثال جو میری نہیں مانتے

---

[1] السنن الکبریٰ کتاب الجمعۃ باب مایؤمر بہ فی لیلۃ الجمعۃ الخ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۳/۲۴۹

فانما مثلی ومثل الذین لاینقادون لی کجمال شردت عن صاحبها فهو یقصد اسرها ویقتفی اثرها لاتعلو شرفا و لاتهبط وادیا الا اتبعها ۔

ان اونٹوں کی سی ہے جو اپنے مالک کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوں تو ان کا مالک ان کو پکڑنے کا قصد کرے اور ان کے پیچھے پیچھے چلے وہ کسی بلندی پر نہ چڑھیں اور نہ کسی گھاٹی میں اتریں مگر یہ کہ وہ ان کا پیچھا کرتا ہو۔

تکمیل : ومن ھٰھنا بان لك ان ما قالت النحاة من وجوب تقدیم المبتداء علی الخبر اذا کانا معرفتین او متساویین امر اکثری لا کلی وانما المعنی علی اللبس واذ لیس فلیس ، بذٰلك صرح الشراح ولا یغرنك اطلاق المتون فانها ربما تمشی علی الاطلاق فی مقام التقیید فی علم الفقه فکیف بغیرہ من الفنون ۔

تکمیل : یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ نحویوں نے جو یہ کہا کہ مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا ضروری ہے جب دونوں معرفہ ہوں یا تنکیر و تعریف میں دونوں برابر ہوں یہ اکثری قاعدہ ہے کلی قاعدہ نہیں اور معنی یہی ہے کہ مبتدء کی تقدیم ایسی صورت میں اس وقت واجب ہے جبکہ التباس کا اندیشہ ہو اور جب التباس کا اندیشہ نہ ہو تو واجب نہیں ، شارحین نے اس کی تصریح کی تو ہرگز تمہیں متون کا اس مسئلہ کو مطلق کرنا دھوکا میں نہ ڈالے اس لئے کہ متون تو بسا اوقات اطلاق کی راہ پر چلتے ہیں مسئلہ کو مقید رکھنے کے مقام میں علم فقہ میں تو تمہارا کیا گمان ہے فقہ کے سوا دوسرے فنون میں ۔

انبانا مفتی الحرم عن ابن عمر عن الزبیدی عن یوسف المزجاجی عن ابیه محمد بن علاء الدین عن حسن العجیمی عن العلامة خیرالدین الرملی عن ابی عبدالله محمد بن عبد الله الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار قال فی منح الغفار ان العجب من اصحاب المتون

ہمیں خبر دی مفتی حرم نے ، وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر سے ، وہ روایت کرتے ہیں زبیدی سے ، وہ روایت کرتے ہیں یوسف مزجاجی سے ، وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد بن علاء الدین سے ، وہ روایت کرتے ہیں حسن عجیمی سے ، وہ روایت کرتے ہیں خیرالدین رملی سے ، وہ روایت کرتے ہیں ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار سے ، انھوں نے منح الغفار میں فرمایا اصحاب متون سے تعجب ہے اس لئے کہ وہ اپنے

فانهم یترکون فی متونهم قیودا لابد منها وهی موضوعة لنقل المذهب فیظن من یقف علی مسائله الاطلاق فیجری الحکم علی اطلاقه وهو مقید فیرتکب الخطاء فی کثیر من الاحکام فی الافتاء والقضاء[1] انتہی۔

متون میں ضروری قیدیں چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ متون نقل مذہب کے لئے وضع کئے گئے ہیں کہ جو متن کے مسائل سے واقف ہوتا ہے وہ حکم کو مطلق گمان کرتا ہے تو اس حکم کو اس کے اطلاق پر جاری کرتا ہے حالانکہ وہ مقید ہوتا ہے تو وہ خطا کر جاتا ہے فتوٰی اور قضا کے دوران بہت سارے احکام میں انتہی

انبانا السراج بالسند المذکور الی العلامة الغزی عن العلامة زین بن نجیم المصری قال فی البحر الرائق قصدهم بذلك ان لایدعی علمهم الا من زاحمهم علیه بالرکب ولیعلموا انه لایحصل الا بکثرة المراجعة وتتبع عباراتهم و الاخذ عن الاشیاخ[2] انتہی۔

ہمیں خبر دی سراج نے علامہ غزی تک اسی سند مذکور سے، انھوں نے روایت کیا علامہ زین ابن نجیم مصری سے، انھوں نے بحر الرائق میں فرمایا کہ اس طریقے سے ان کا قصد یہ ہے کہ ان کے علم کا دعوٰی وہی کرے جو زانوؤں سے ان کا مزاحم ہو اور تاکہ معلوم ہو کہ یہ علم کثرتِ مراجعت اور فقہاء کی عبارات کی تلاش اور مشائخ فن سے حاصل کئے بغیر حاصل نہیں ہوتا، انتہی۔

اقول وقد واللہ رأینا تصدیق هذا فی کثیر من ابناء الزمان ممن تصدر بالدعوی وتصدی للفتوی وما عنده ما یرد عن الطغوی فمنهم من افتی بتوریث المنکوحة بالنکاح الفاسد و اٰخر ببطلان تزویج الام الصغیرة من دون حضرة العم

اقول (میں کہتا ہوں) اور بے شک بخدا میں نے اس کی تصدیق آج کل کے ان لوگوں میں دُوپائی جو زبانی دعوٰی سے خود صدر بن بیٹھے اور فتوٰی دینے کے درپے ہوئے حالانکہ ان کے پاس وہ علم نہیں جو انھیں حد سے گزر جانے سے باز رکھے ان میں کچھ وہ ہیں جنھوں نے نکاحِ فاسد سے بیاہی گئی عورت کے وارث ہونے کا فتوٰی دیا تو ان میں سے کسی دوسرے نے یہ فتوٰی دیا کہ چچا کی

---

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی کیفیة القسمة دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۳۵

[2] ردالمحتار بحوالہ البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب صفة الصلوٰۃ 〃 〃 〃 ۱/۳۰۳

مع انه متوقف لا باطل، وآخر باعطاء
المسمى من نكحت فی عدة اختها۔
وآخر بتحريم بيع هذه القراطيس
الافرنجية المقدرة بقدر معلوم من
الدراهم بما يزيد على هذا
المقدار او ينقص ظنا منه انه
ربو مع عدم الاتحاد جنسا
ولا قدرا، وآخر بتجويز اخذ
الربو من كفار الهند زعما
منه انها دار الحرب مع عدم
الانقطاع عن دار الاسلام من
كل جانب وشيوع بعض الشعائر
الاسلامية قطعاً، وآخر بحل ما
قطع من حيوان حی اخذا
من قول الهداية وما ابين من
الحی "وان كان ميتا فميتته حلال"[1]
حتى انتهت رياسة الفتوى و
انتمت السيادة الكبرى الى من اباح بنت
الاخ رضاعاً، وتقدمه مجتهد آخر
فجوز نكاح العمة النسبية فالى
الله المشتكى من فساد الزمان
ولاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم
وسيعلم هذا من جرب

غیر موجودگی میں ماں کو صغیرہ (نابالغہ) کا عقد کر دینا باطل
ہے حالانکہ یہ متوقف ہے نہ کہ باطل ہے، اور کسی
دوسرے نے فتویٰ دیا کہ اس عورت کو جو اپنی بہن
کی عدت میں شادی کرے مہر مسمّٰی دیا جائے گا، اور
دوسرے نے ان افرنگی کاغذوں کو جن پہ روپوں کی
ایک معین مقدار سے زائد یا کم پر بیچنے کو حرام ہونے
کا فتویٰ دیا اپنی طرف سے اس گمان کی بنا پر
کہ یہ تبادلہ سود ہے حالانکہ نہ جنس میں اتحاد ہے
نہ مقدار میں۔ اور ایک اور نے فتویٰ دیا کہ ہندی
کافروں سے سود لینا جائز ہے اس زعم پر کہ
ہندوستان دار الحرب ہے، حالانکہ یہ ملک دار الاسلام
ہے ہر جانب سے کٹا ہوا نہیں اور بعض اسلامی
شعار یقیناً جاری ہیں۔ اور ایک نے فتویٰ دیا کہ
زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا جائے حلال ہے،
ہدایہ کی اس عبارت سے "اور اگر مردہ ہو تو اس کا
مردار حلال ہے" اس مسئلہ کو اخذ کیا یہاں تک
کہ ریاست اسی فتویٰ تک پہنچی اور سیادتِ کبریٰ
اس سے منسوب ہوئی جس نے رضاعی بھائی کی
لڑکی سے نکاح حلال ٹھہرایا۔ اور ایک دوسرا مجتہد
اس سے آگے بڑھا تو اس نے حقیقی پھوپھی کا نکاح جائز
ٹھہرا دیا تو فسادِ زمانہ کی شکایت اللہ ہی سے ہے
ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، تو عنقریب
اس کو وہ جان لے گا جو میرے جیسے تجربہ کرے گا

---

[1] الہدایۃ کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکلہ وما لا یحل مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۱

مثل تجربتي، اسأل الله تطهير جناني و تقويم لساني وتسديد بناني فبه اعتصامي وعليه تكلاني، آمين!

تسجيل: ولعلك تقول لقد كشفت النقاب ورفعت الحجاب فبين لي ما النكتة في تقديم الخبر وانما حقه ان يوخر، قلت نعم فيه نكت بديعة منها ان المحكوم به لما كان خفيا والمحكوم عليه مدركا جليا اشبه الاول بالمعرف والأخر بالتعريف فاستحسن تقديمه ليكون الاخير كالتعريف له، ومنها تشويق السامع لان النفوس متطلعة الى علم ما لا تعلم فاذا سمعت بما هو خفي لديها ورجت ان يذكر بعده ما يظهره عليها توجهت للاستماع وتفرغت للاطلاع فكان الكلام اوقع وامكن والنفس اليه اميل واسكن، ومنها ان الاعمال لا تقصد في الشرع لذواتها بل لما يترتب عليها

اللہ سے میں اپنے قلب کی پاکی اور زبان کی درستگی اور ہاتھ کی صلاح طلب کرتا ہوں تو اسی سے میری حفاظت ہے اور اسی پر میرا بھروسا ہے۔ یا الٰہی! قبول فرما۔

تسجیل: اور شاید تم کہو بیشک تم نے نقاب اٹھا دیا اور حجاب کو دور کر دیا تو مجھ سے بیان کرو کہ خبر کو مقدم کرنے میں کیا نکتہ ہے حالانکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کو موخر رکھا جائے۔ میں کہوں گا ہاں اس میں بدیع نکتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ محکوم بہ (خبر) جبکہ پوشیدہ ہو اور محکوم علیہ (مبتدا) ادراک میں ظاہر ہو تو پہلا (خبر) معرّف کے مشابہ ہوگا اور دوسرا (مبتدا) تعریف کے مشابہ ہوگا لہٰذا اس کو مقدم کرنا مستحسن ہے تاکہ لفظ اخیر اس کیلئے تعریف کے مانند ہو جائے اور انھیں نکتوں میں سے سُننے والوں کو شوق دلانا ہے اس لئے کہ نفوس انجانی بات کو جاننے کے لئے جھکتے ہیں تو جب کسی ایسی چیز کو سنیں گے جو ان کے نزدیک پوشیدہ ہے اور امید رکھیں گے کہ اس کے بعد وہ ذکر کیا جائے جو ان پر ظاہر ہے۔ تو سننے کے لئے متوجہ ہوں گے اور جاننے کے لئے فارغ ہونگے تو اس صورت میں کلام زیادہ دلنشیں اور راسخ ہوگا اور نفس کو اس کی طرف زیادہ میلان اور سکون ہوگا اور ان میں سے یہ ہے کہ شریعت میں اعمال اپنی ذات کے لئے مقصود نہیں ہوتے

من ثمراتها فضلا من المولى
سبحنه وتعالى، فكانت الثمرات
هي المقاصد وحق المقاصد ان
تقدم الى غير ذلك مما لا يخفى على
اولى الالباب وفيما ذكرنا ما يغني عن
الاطناب والحمد لله رب العلمين
هذا كله مما جاءني الملك الجواد
تبارك وتعالى فقد بان لك
صدقي في قولي ان هذا الزاعم
لاخبرة له بمناهج الكلام في
النصوص ولا باسباب النزول
في هذا الخصوص ولا بالتفسير
المرفوع الى الجناب الرفيع و
لا بتصريح القادة في كلامهم
البديع ولا بشئ مما خلا
والحمد لله جل وعلا۔

من وجوه الجواب
عن هذا الارتياب اقول بتوفيق
الوهاب لئن جئنا على المماكسة
والاستقصاء لما تركناكم ان
تزعموا ان الاية لا تقتضي باكرمية
الاتقى وان سلمنا الموضوع

بلکہ ان ثمرات کے لئے مقصود ہوتے ہیں جو ان
پر مرتب ہوتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے
لہذا وہ ثمرات ہی مقاصد ہیں اور مقاصد کا حق
یہ ہے کہ ان کو مقدم کیا جائے، اس کے علاوہ
اس میں اور بھی نکتے ہیں جو عقل والوں پر
پوشیدہ نہیں اور جو ہم نے ذکر کیا ان میں تطویل
سے بے نیازی ہے، یہ سب ان عنایتوں سے
ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے عطا کی، اب
تمھیں میری سچائی ظاہر ہوگئی میری اس بات
میں کہ اس زعم والے شخص کو نصوص میں کلام
کے طریقوں کی خبر نہیں نہ ان نصوص میں اسباب
نزول کو جانتا ہے اور نہ جناب رفیع صلی اللہ
تعالےٰ علیہ وسلم سے مروی تفسیر مرفوع سے خبر
ہے اور نہ رہنمایانِ شریعت کی ان کے کلام
بلیغ میں تصریحات کی واقفیت ہے اور نہ ان چیزوں
سے جن کا ذکر گزرا اس کے پاس کچھ نہیں، والحمد
للہ جل وعلا۔

اس شبہہ کے جواب میں دوسری وجہ،
میں اللہ وہاب کی توفیق سے کہتا ہوں اگر ہم اس
بحث کا دائرہ بند کرنے پر اور حد تک پہنچانے
پر آجائیں تو ہم تم کو نہ چھوڑیں کہ تم یہ کہو کہ آیت
اتقی کی فضیلت کا تقاضا نہیں کرتی اگرچہ
ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ آیت میں اکرم ہی

هوالاكرم و ذلك لان اتقكم و اكرمكم
لايصدقان بل لا يصلحان لان
يصدقا الاعلى واحد ولا يجوز
تعددهما بمعنى الصدق مرة
على هذا واخرى على ذالك
فاذا ثبت اتحادهما فى الوجود
كما هو مقتضى الحمل وجب
التعاكس اذ لما اتحد مصداقهما
وقد علمنا بطلان التعدد كانا
كعلمين لجزئى واحد لك ان
تجعل ايهما شئت مرآة لملاحظة
وايهما شئت محمولا عليه و
له نظائر جمة تقول افضل
الانبياء اولهم خلقا و اكرم
الرسل آخرهم بعثا، واحسن
الجنت اقربها الى العرش، و
اعظم شجرة فى الجنة طوبى،
ومنتهى جبريل سدرة
المنتهى، وافضل الصلوات
الصلوة الوسطى، و ابوك
ابوه، وامك امه، و اول
من دخل آخر من
خرج، واقل الاعداد
اول الاعداد، والشمس
النير الاعظم، واعلى

موضوع ہے یہ اس وجہ سے کہ اتقاکم اور
اکرمکم صادق نہیں آتے بلکہ ان میں صلاحیت
ہی نہیں اس کی کہ وہ ایک ذات واحد پر
صادق آئیں تو ان دونوں کا تعدد جائز نہیں
بایں معنی کہ کبھی اس پر صادق ہوں اور کبھی
اس پر صادق ہوں، کہ جب ان کا وجود میں
اتحاد ثابت ہوگیا تو دونوں کا باہم عکس ضروری
ہوا اس لئے کہ جب دونوں کا مصداق
ایک ہے اور ہم نے تعدد کا باطل ہونا جان
لیا تو یہ دونوں ایک ذات واحد کے دو علم کی
مثال ہوئے تمھیں اختیار ہے کہ جن کو چاہو
ذات کے لئے مرآۃ ملاحظہ بناؤ اور جن کو چاہو
محمول علیہ بناؤ اور اس کی بہت ساری مثالیں
ہیں، تم کہتے ہو سب نبیوں سے افضل وہ ہیں
جو سب سے پہلے مخلوق ہوئے اور سب رسولوں
سے اکرم وہ ہیں جو سب کے بعد مبعوث ہوئے
اور سب جنتوں سے بہتر وہ جنت ہے جو سب
سے زیادہ عرش سے قریب ہے۔ اور جنت
میں سب سے بڑا پیڑ طوبیٰ ہے، اور جبریل کا
منتہیٰ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اور سب نمازوں
سے بہتر بیچ کی نماز (عصر) ہے اور تمھارا باپ
اس کا باپ ہے اور تمھاری ماں اس کی ماں
ہے۔ اور سب سے پہلے داخل ہونے والا
سب کے بعد نکلنے والا ہے، اور عدد میں سب
سے کمتر پہلا عدد ہے۔ اور سورج نیر اعظم ہے

الافلاك اكبرها حجما ، واخص
الكليات اقلها افرادًا وفلك جوزهر
فلك القمر وسيارة لا تدير لها ذكاء
المتحيرة السوداء زحل، والخانس
الكانس الاحمر مريخ الى غير ذلك
ممالا يعد ولا يحصى ومحال ان
تبدى مثالا يحمل فيه
افعل مضافا على
افعل مضافا الى اضيف اليه
الاول مع جريانهما على
معناهما الحقيقي ثم
لا يصح العكس ، فاذا صدقت
القضية بالنظر الى الواقع كفانا
هذا الانتظام القياس واستنتاج
المدعى، والسر فى ذلك ان
الموجبات انما تنعكس الى ما لا يصلح
لكبروية الاول لجواز عموم المحمول
واذا كان هناك مفهومان ليس لكل منهما
الامصداق واحد بحسب ظرف الخارج
او الذهن ايضًا بطل عمومها بحسب
ذلك الظرف (فلا يجوز ان يكون احدهما
اعم من الأخر بمعنى شموله له ولغيره
فى ذلك الظرف) فلم يبق باعتباره الا
التساوى) او التباين ولا ثالث لهما فان
صدقت الحملية القائلة ان هذا ذاك

اور سب سے اونچا فلک حجم میں سب سے بڑا ہے
اور خاص ترکلی سب سے کم افراد والی ہے اور فلک
جوزفلک قمر ہے۔ اور وہ سیارہ جس میں گولائی
نہیں وہ سورج ہے اور سیارہ سیاہ متحیرہ زحل ہے
اور سیدھے چل کر اُلٹے پھرنے والا اور غائب ہوجانیوالا
سرخ سیارہ مریخ ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری
مثالیں جن کی گنتی اور شمار نہیں، اور محال ہے کہ تم
ایسی مثال ظاہر کرو جس میں افعل التفضیل مضاف
ہوکر دوسرے افعل التفضیل پر محمول ہو درانحالیکہ
وہ اس کی طرف مضاف ہو جس کی طرف پہلا
مضاف ہوا ہے اور اسی کے ساتھ دونوں اپنے
معنی حقیقی پر جاری ہوں پھر ان دونوں کا عکس
صحیح نہیں۔ تو جب قضیہ نظر بنفس الامر صادق
ہے تو ہمیں نظم قیاس اور مدعا کا نتیجہ حاصل
کرنے کے لئے یہی کافی ہے اور اس میں راز یہ
ہے کہ موجبہ قضیے کا عکس وہ آتا ہے جو شکل اول
کے کبریٰ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے
کہ محمول کے عموم کا احتمال ہے اور جبکہ دو مفہوم وہاں
ایسے ہوں کہ جن میں سے ہر ایک کے مصداق کا
اعتبار اس کے محل خارجی کے اعتبار سے ایک
ہو یا ذہن میں بھی متحد ہو تو ان دونوں کے مفہوم
کا عموم باعتبار اس محل کے باطل ہے تو اس کے
اعتبار سے نہ رہی مگر تساوی یا تباین اور ان دونوں
کا ثالث نہیں تو اگر قضیہ حملیہ جس میں یہ دعویٰ ہو
کہ بیشک یہ شخص وہی ہے تو ضروری ہے کہ قضیہ

وجب صدق القائلة ان ذاك هذا
والا لجاز السلب فيتباينان فتبطل الاولى
هف فاذا بلغنا مثلاً عن رجل
قولان احدهما قوله لعمرو زيد
ابوك والاٰخر قوله ابي ابوك
امكن لنا ان نعمل من
قوليه شكلاً ينتج ان زيدا
ابي لانه اذا صدق قوله ابي
ابوك لزم صدق ابوك
ابي والا لتعدد ابواهما
فبطل الاول واذا صدقت
هذه انتظم الشكل بان
زيدا ابوك وابوك ابي
فزيد ابي، وافعل
التفضيل مضافاً الى جماعة
اذا كان باقياً على معناه
الحقيقي المتبادر منه شانه
هذا اذ لا يكون الفرد الاكمل
من جماعة الا واحدا
ولن يصدقن ابدا
قضيتان قائلتان بان
هذا اكملهم وذلك اكملهم
معاً وهذا ظاهر جدا
بل شان هذا انور من
شان الشمس واخواتها فان العقل

۵

حملیہ صادق آئے کہ وہ شخص یہی ہے ورنہ اس کا
سلب جائز ہوگا تو آپس میں دونوں متباین ہونگے
تو پہلا قضیہ باطل ہو جائیگا اور یہ خلاف مفروض
ہے لہذا اگر ہمیں ایک شخص سے دو باتیں پہنچیں
ان میں سے ایک اس کا قول عمرو سے مخاطب ہوکر
کہ زید تیرا باپ ہے اور دوسرا اس کا قول کہ
میرا باپ تیرا باپ ہے تو ہمیں ممکن ہے کہ ہم اسکے
دونوں قول سے ایک شکل بنائیں تو یہ نتیجہ دیں کہ
زید میرا باپ ہے اس لئے کہ جب اس کا یہ قول
کہ میرا باپ تیرا باپ ہے صادق ہے تو لازم ہے
کہ یہ قول صادق ہو کہ تیرا باپ میرا باپ ہے ورنہ
ان دونوں کے باپ متعدد ہوں گے تو پہلا قول
باطل ہو جائے گا اور جب یہ قضیہ صادق ہے تو
شکل اسی طور پر بنے گی کہ زید تیرا باپ ہے اور تیرا
باپ میرا باپ ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ زید میرا باپ ہے۔
اور افعل التفضیل جو ایک جماعت کی طرف
مضاف ہو جب وہ اپنے اس معنیٰ حقیقی پر
باقی ہو جو اس سے متبادر ہوتے ہیں تو اس کی
شان یہی ہوتی ہے اس لئے کہ کسی جماعت سے
فرد اکمل ایک ہوگا اور ہرگز کبھی ایسے دو قضیے
صادق نہ آئیں گے جو یہ دعویٰ کرتے ہوں کہ یہ
شخص ساری جماعت سے اکمل ہے اور وہ شخص
ساری جماعت سے افضل ہے، اور یہ سب
ظاہر ہے بلکہ اس کا معاملہ سورج اور اس کے
امثال کے ظہور سے روشن تر ہے اس لئے کہ عقل

يجيز صدقها على افراد كثيرة
ثبيرة واذا وجد لها فى الخارج
فرد لم يستبعد وجود آخر بخلاف
افعلهم فانما يقبل الاشتراك
على سبيل البدلية و اذا
صدق فى الخارج على فرد
احال العقل صدقه على
آخر منحازا عنه كذا أب
اسماء الاشارة سواء بسواء
فصدق العكس ههنا ابين
واجلى ، واما قول اهل الميزان
لا تنعكس الموجبة الاجزئية معناه
ان كلما جعلت موضوع موجبة
كلية محمولا ومحمولها موضوعا
واتيت بسور الكلية كانت القضية
كاذبة فان الواقع يكذبه بل
المعنى عدم الاطراد، وهم لا
اقتصر نظرهم على الكليات
لا يعتدون الا بالمطرد المضبوط
الذى لا يتخلف فى مادة من
المواد وعدم الاطراد لا يستلزم
المراد العدم، ولا اقول انه عكس منطقى،
ولا انها تلزم القضية لزوما عاما لكنها
تلزم فى امثال المقام لا شك فتصدق
القضية بالنظر الى الواقع

شمس وغیرہ کے مفہومات کا صادق آنا بہت سارے
افراد پر جائز جانتی ہے اور جب ان مفہومات کا
خارج میں کوئی فرد پایا جائے تو عقل دوسرے
فرد کے وجود کو بعید نہیں جانتی بخلاف اَفْعَلُهُمْ
کہ یہ تو اشتراک کو بر سبیل بدلیت قبول کرتا ہے
اور جب خارج میں کسی فرد پر اس کا مصداق پایا جائے
تو عقل محال جانتی ہے کہ افعل التفضیل کا
مصداق دوسرے پر صادق آئے جو اس سے منفرد ہو
اس کا معاملہ اسمائے اشارہ کے مانند
برابر برابر ہے تو یہاں پر عکس کا صادق ہونا
روشن تر اور ظاہر تر ہے۔ رہا منطق والوں کا
یہ قول کہ موجبہ کا عکس نہیں ہوتا مگر جزئیہ اس کا
معنیٰ یہ ہے کہ جب کبھی تم موجبہ کلیہ کے
موضوع کو محمول بناؤ اور اس کے محمول کو موضوع
بناؤ اور اس پر کلیہ کا سور لاؤ تو قضیہ کاذب
ہوگا اس لئے کہ واقعہ اس بات کو جھٹلاتا ہے بلکہ
معنیٰ یہ ہے کہ یہ مطرد نہیں اور منطقیوں کی نظر
چونکہ کلیات تک محدود ہوتی ہے تو وہ اعتبار
نہیں کرتے مگر اس مفہوم کا جو مطرد و مضبوط
ہو مواد میں کسی مادہ میں جس کا حکم متخلف نہ ہو اور
عدمِ اطراد اطرادِ عدم کو مستلزم نہیں ہے اور
میں یہ نہیں کہتا کہ یہ عکس منطقی ہے نہ یہ دعویٰ
کرتا ہوں کہ یہ قضیہ کو عام طور پر لازم ہے لیکن
اس مقام کے امثال میں بلا شبہہ عکس لازم
ہوتا ہے تو قضیہ منعکسہ واقعہ پر نظر کرتے ہوئے

سماها الميزانيون عكسًا اولًا وهذا القدر يكفي لانتظام الشكل فان صادقتين مستجمعتين للشرائط لا تنتجان الا صادقة ولا يلزم اثبات الصدق على انها عكس منطقي لقضية صادقة وانكار هذا من اخنى المكابرات ۔ ثم هذا العكس لم يرشدنا اليه الا الآية الكريمة اذهي التي دلتنا على اتحادهما في الوجود فاذا كان هذان مفهومين لا تعدد لمصداق شئ منهما كان ارشادًا الى التعاكس قطعًا، كما اذا سمعت رجلًا يقول ابي زيد جاز لك ان تقول كان الرجل يقول زيد ابي لان زيدًا لا يتعدد وابو الرجل لا يتعدد فاذا كان ابوه زيدًا كان زيد اباه كذا هذا من دون شك ولا اشتباه والحمد لله على نعمائه وعليك بتسكين الهواجس يا فلسفياه ۔

صادق ہے اہلِ منطق نے اس کا نام عکسِ اول رکھا ہے اور اتنی مقدار انتظامِ شکل کے لئے کافی ہے اس لئے کہ دو قضایا صادقہ جو شرائط کے جامع ہوں ایک قضیہ صادق ہی کا نتیجہ دیں گے اور صدق کا ثابت کرنا اس پر موقوف نہیں کہ وہ قضیہ صادقہ عکس منطقی ہو اور اس کا انکار نہایت بے شرمی کے مکابرات میں سے ہے ۔ پھر اس عکس کی طرف آیت کریمہ نے ہی رہنمائی کی اس لئے کہ اسی نے ہم کو یہ دکھایا کہ دونوں قضیے وجود میں متحد ہیں تو جب یہ حال ایسے دو مفہوموں میں ہے کہ ان میں سے کسی شے کا مصداق متعدد نہیں تو یہ یقیناً دونوں قضیے کے باہم منعکس ہونے کی طرف رہنمائی ہے جیسے کہ تم جب کسی شخص کو کہتے سنو کہ میرا باپ زید ہے تو تمہیں جائز ہے کہ تم کہو گویا کہ یہ شخص یوں کہہ رہا ہے کہ زید میرا باپ ہے، اس لئے کہ زید متعدد نہیں اور اس شخص کے باپ متعدد نہیں تو جب اس کا باپ زید ہوا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زید اس شخص کا باپ ہے، اسی طور پر بلا شک وشبہہ یہ آیت ہے اور اللہ کے لئے اس کی نعمتوں پر حمد، اور اے فلسفی! تجھے لازم ہے کہ وساوس کو ساکن رکھ ۔

الثالث من وجوه الجواب

اقول وربي هادي الصواب اخترنا عن هذا كله وسلمنا ان مفاد الآية الاولى قولنا

وجوہِ جواب میں سے تیسری وجہ، میں کہتا ہوں اور میرا رب راہِ صواب دکھانے والا ہے ہم نے اس سب کو اختیار کیا اور مان لیا ۔ آیت اولی کا مفاد ہمارا یہ قول ہے کہ

کل اکرم اتقی وینعکس بعکس النقیض الی قولنا "من لیس باتقی لیس باکرم" وقد اثبتنا فیما اسلفنا عرش التحقیق علی ان المراد بالاتقی فی الأیۃ الثانیۃ اعنی قولہ تعالٰی "وسیجنبہا الاتقی"[1] اتقی الصحابۃ جمیعاً فوجب ان لایکون احد من الصحابۃ اتقی منہ ولا مساویاً لہ فی التقوٰی اذا ثبت ھذا فنقول کل صحابی فہو لیس باتقی من ابی بکر ومن لیس باتقی منہ لیس باکرم منہ۔ انتج ان کل صحابی فہو لیس باکرم من ابی بکر وصغری القیاس معدولۃ کما لوحنا الیہ بتقدیم اداۃ الربط علٰی حرف السلب ولک ان تجعلہا موجبۃ سالبۃ المحمول اعنی علی قول قوم من المتاخرین ویرشدک الی ما یزیح وھمک جعل السلب فی الکبرٰی مرآۃ لملاحظۃ افراد الاوسط وان شئت لم تعکس الأیۃ الاولٰی ایضا ونسجت الشکل

کل اکرم اتقی (یعنی ہر اکرم سب سے بڑا متقی ہے) اور اس کا عکس نقیض ہمارا یہ قول ہے کہ من لیس باتقی لیس باکرم (جو اتقی سب سے بڑا متقی نہیں ہے وہ اکرم نہیں ہے) اور ہم نے ان کلمات میں جو ہم پہلے کہہ چکے عرش تحقیق کو ثابت کر دیا کہ مراد اتقی سے آیت ثانیہ یعنی اللہ تبارک وتعالٰی کے قول وسیجنبہا الاتقی میں تمام صحابہ سے زیادہ متقی شخص مراد ہے تو ضروری ہے کہ صحابہ میں کوئی اس سے بڑھ کر متقی نہ ہو اور تقوٰی میں اس کے کوئی مساوی ہو، جب ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ ہر صحابی ابوبکر سے بڑھ کر متقی نہیں اور جو ان سے بڑھ کر متقی نہیں وہ کرامت میں ان سے بڑھ کر نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر صحابی ابوبکر سے زیادہ عزت والا نہیں اور اس قیاس کا صغرٰی معدولہ ہے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اداتِ ربط کو حرفِ سلب پر مقدم کرکے اشارہ کیا اور تمہیں اختیار ہے کہ تم اس قضیہ کو موجبہ سالبۃ المحمول بناؤ یعنی متاخرین میں سے ایک قوم کے قول پر اور تمہاری رہنمائی اس بات کی طرف جو تمہارے وہم کو دُور کردے سلب کو کبرٰی میں افراد اوسط کے لئے مرآۃ ملاحظہ بنانے سے ہوگی اور اگر تم چاہو تو آیتِ اولٰی کا عکس نہ کرو اور شکل کو آیتِ ثانیہ کے طرز پر

---

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

على منوال الثاني بان تقول لا شئ من الصحابة اكرم من ابي بكر وكل اكرم من ابي بكر اتقى منه انتج ان لا شئ من الصحابة اكرم من ابي بكر ولعلك ان تقرره قياسا استثنائيا يرفع المقدم لرفع التالي فتقول لو كان احد من الامة اكرم من الصديق لكان اتقى منه لان كل اكرم اتقى لكنهم ليسوا باتقى منه للاية الثانية فليسوا باكرم منه وفيه المقصود۔

منتظم کرو بایں طور کہ تم کہو کہ کوئی صحابی ابو بکر سے بڑھ کر عزت والا نہیں، اور شاید تم اس کو قیاس استثنائی کے طور پر مقرر رکھو جو مقدم کو ارتفاع تالی کی وجہ سے مرتفع کر دے تو تم یوں کہو امت میں اگر کوئی صدیق سے بڑھ کر عزت والا ہوتا تو وہ ضرور صدیق سے بڑھ کر متقی ہوتا اس لئے کہ ہر اکرم اتقی ہے لیکن ساری امت صدیق سے بڑھ کر متقی نہیں بدلیل آیت ثانیہ، تو وہ صدیق سے بڑھ کر عزت والے نہیں اور اسی میں ہمارا مقصود ہے۔

تنبیہ: سیقول السفهاء من الناس ما ولکم عن دعوٰکم التی کنتم علیها فان الثابت علی هذه التقاریر الثلثة الاخیرة انما هو نفی اکرم من الصدیق وهو لا یستلزم اکرمیته رضی الله تعالٰی عنه اذ یحتمل التساوی۔

تنبیہ: اب کہیں گے بیوقوف لوگ اس دعوٰی سے جس پر تم قائم تھے کس چیز نے تمھیں پھیر دیا اس لئے کہ ان تین تقاریر اخیرہ پر جو ثابت ہوتا ہے وہ صدیق سے زیادہ عزت والے کی نفی ہے اور اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی (اولویت) سب پر لازم نہیں آتی اس لئے کہ تساوی کا احتمال ہے۔

اقول او قد قالوا فلئن قالوا فلقد زاغوا۔

اقول کیا ان بیوقوفوں نے یہ بات کہی اگر انھوں نے ایسا کہا تو بے شک وہ منحرف ہوگا،

اما **اولاً** فنصوص الشرع ومحاورات البلغاء طافحة بسوق الکلام الی غرض التفضیل علی الاطلاق علی هذا المساق یقولون لیس احد افضل من فلان ویریدون انه افضل الکل وذلك لان التساوی

اولاً نصوص شرع اور اہل بلاغت کے محاورے اس ڈھنگ سے بھرے ہیں کہ کلام کو علی الاطلاق فضیلت بتانے کی غرض سے اس طور پر لایا جاتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی فلاں سے افضل نہیں ہے اور مراد لیتے ہیں کہ وہ سب سے افضل ہے اور یہ اس لئے کہ تساوی حقیقی عادتاً گویا

الحقیقی کالمحال عادۃ وعلیك بکلام شراح الحدیث۔

واما ثانیًا فلك ان تضم الیه اجماع الامة علیٰ وجود التفاضل والحق لا یخرج عن اقوالهم۔

واما ثالثًا هو الظ ان المعلم ان العارف باسالیب الکلام یفهم من الاٰیة الاولیٰ تسبب التقوٰی لایراث الکرامة وقصر حصولها علی حصوله وبه صرحت الاحادیث الناشیة عن ارشاد الاٰیة اللاحظة الیٰ ملحظ الکریمة۔

انبأنا سراج الحنفیة بالسند عن الشریف عن محمد بن ارکماش عن العلامة ابن حجر عسقلانی عن عبد الرحمٰن بن احمد بن المبارك الغزی عن احمد بن ابی طالب الحجار عن علی بن اسمٰعیل بن قریش عن الحافظ المنذری قال فی کتاب الترغیب والترهیب عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال ان انسابکم هذه لیست بسباب علی احد وانما انتم ولد اٰدم طف الصاع لم تملؤوه لیس لاحد فضل علی احد الا بالدین او

محال ہے اور تم شراح حدیث کے کلام کو لازم پکڑو۔

ثانیا تمھیں یہ اختیار ہے کہ اس کے ساتھ وجود تفاضل پر امت کا اجماع ضم کرو اور حق اقوالِ اُمت سے باہر نہ ہوگا۔

ثالثا اور وُہ جو طراز معلم یہ کہ اسالیب کلام کا واقف آیت اولیٰ سے سمجھتا ہے کہ تقوٰی عزت حاصل ہونے کا سبب ہے اور عزت کا حصول تقوٰی کے حصول پر منحصر ہے اسی کی تصریح ان احادیث نے کی جو ارشادِ آیت سے ناشی ہیں اور آیت کریمہ کے مطمحِ نظر کی طرف دیکھتی ہیں۔

ہمیں سراج الحنفیہ نے خبر دی اپنی سند سے، وہ روایت کرتے ہیں شریف سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ارکماش سے، وہ روایت کرتے ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی سے، وہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن ابن احمد ابن مبارک غزی سے، وہ روایت کرتے ہیں احمد بن ابی طالب حجار سے، وہ روایت کرتے ہیں علی ابن اسمٰعیل ابن قریش سے، وہ روایت کرتے ہیں حافظ منذری سے، اُنھوں نے فرمایا: کتاب الترغیب والترہیب میں کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارا یہ نسب کسی کیلئے گالی نہیں ہے تم تو آدم کی اولاد ہو پیمانہ کی طرح جو تم نے نہیں بھرا کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح کے سبب۔ اس

عمل صالح، رواه احمد والبیهقی کلاهما
من روایة ابن لهیعة ۔ ولفظ البیهقی قال
لیس لاحد علی احد فضل الا بالدین او
عمل صالح حسب للرجل ان یکون
بذیا بخیلا ۔ وفی روایة لیس لاحد
علی احد فضل الا بالدین او تقوی
وکفی بالرجل ان یکون بذیا
فاحشا بخیلا، قوله صلی الله تعالٰی
علیه وسلم طف الصاع بالاضافة
ای قریب بعضکم من
بعض[1] ۔اھ۔

قلت واخرجه الطبرانی فی
حدیث طویل من طریق ابن عباس
رضی الله تعالٰی عنهما ولفظه
انما انتم من رجل وامرأة
کجمام الصاع لیس لاحد علی احد
فضل الا بالتقوی[2] اھ ۔ قوله
صلی الله تعالٰی علیه وسلم کجمام
الصاع جمام بالضم ما یملأ
والمعنی انکم متساوون فی القدر
کحبات الصاع تکال فیعرف مقدارها
واستواءها بمثلها کیلاً من

حدیث کو روایت کیا احمد اور بیہقی دونوں نے
ابن لہیعہ کی روایت سے، اور بیہقی کے لفظ یوں
ہیں، کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل
صالح سے، اور آدمی کے برا ہونے کے لئے کافی
ہے کہ وہ بدزبان کنجوس ہو۔ اور ایک روایت
میں ہے، کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا
تقوٰی سے، اور آدمی کے لئے کافی برائی ہے
کہ وہ بدگو بے حیا کنجوس ہو۔ حدیث میں حضور
صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول "طف الصاع"
اضافت کے ساتھ کا معنٰی یہ ہے یعنی تم میں سے
بعض بعض کے قریب ہے انتہی۔

قلت (میں کہتا ہوں) اور طبرانی
میں اس کی تخریج کی ایک حدیث طویل میں
ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے طریق سے
اور ان کے لفظ یہ ہیں، تم لوگ ایک مرد اور
عورت سے ہو جمام صاع کی طرح۔ کسی کو کسی
پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے انتہی۔ حدیث
میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول "جمام
صاع"، "جمام" بضم جیم وہ چیز ہے جو پیمانہ میں
بھری جاتی ہے، اور معنٰی یہ ہے کہ تم قدر میں ایکدوسرے
سے برابر ہو پیمانہ کے حبوں کی طرح جس کو پیمانہ میں
بھرا جاتا ہے تو ان کی مقدار اور ان کے مثل کے ساتھ

---

[1] الترغیب والترہیب من احتقار المسلم وانہ لافضل لاحد الخ حدیث ۶۰۷ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲
[2] الجامع لاحکام القرآن تحت الآیۃ ۴۳/ ۴۴ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶/ ۸۲

دون حاجة الی الوزن لتساویھا ثقلا و اکتنازا۔ وبہ قال المنذری عن ابی ذر رضی اللہ تعالی عنہ "ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال لہ انظر فانک لست بخیر من احمر ولا اسود الا ان تفضلہ بتقوی، رواہ احمد ورواتہ ثقات مشھورون الا ان بکر بن عبد اللہ المزنی لم یسمع من ابی ذر[1] اھ۔

قلت والمرسل مقبول عندنا وعند الجمہور۔ وبہ قال عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی اوسط ایام التشریق خطبۃ الوداع فقال یا ایہا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد، الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی ان اکرمکم عند اللہ اتقکم الاھل

ان کی برابری پیمانہ میں معلوم ہوتی ہے اور انھیں تولنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے کہ بوجھ اور موٹائی میں وہ برابر ہوتے ہیں۔ اور اسی مضمون کو منذری نے ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "بے شک تم سیاہ فام سے اور سُرخ سے بہتر نہیں اور نہ سیاہ فام تم سے بہتر ہے مگر یہ کہ تم اس پر فضیلت پاؤ تقوی کی وجہ سے۔" اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا، اور اس کے راوی ثقہ معروف ہیں مگر یہ کہ بکر بن عبد اللہ مزنی نے اس حدیث کو ابوذر سے نہیں سُنا۔ انتہی

قلت (میں کہتا ہوں) اور مرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے۔ اور اسی مضمون کی روایت کی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے انھوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلے اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایام تشریق کے درمیانی دن میں خطبۃ الوداع دیا کہ فرمایا: اے لوگو! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور بیشک تمھارا باپ ایک ہے۔ سنتے ہو عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر اور نہ سرخ کو کالے پر اور نہ کالے کو سرخ پر فضیلت ہے مگر تقوی سے، بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے،

---

[1] الترغیب والترہیب من احتقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۸ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

بلغت؟ قالوا بلی یارسول الله، قال فلیبلغ الشاهد الغیب، ثم ذکر الحدیث فی تحریم الدماء والاموال والاعراض رواه البیهقی وقال فی اسنادہ بعض من یجهل انتهی

قلت ولا یضرنا فی الشواهد واخرج الطبرانی فی الکبیر عن حبیب بن خراش رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم المسلمون اخوة لافضل لاحد علی احد الا بالتقوی[2]، وبالجملة فالاحادیث کثیرة فی هذا المعنی ثم ان الکرامة والتقوی کلاهما مقولان بالتشکیک فکلما زاد زادت وکلما نقص نقصت والمتساویان فیه یتساویان فیها کالعصیان[ع] سبب للهوان فیزداد بزیادته وینتقص بانتقاصه وهکذا فاذا ثبت هذا کان معنی قولنا کل اکرم اتقی منحلا الی ثلث قضایا احد لها هذه والثانیة کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنه فی التقوی

سنتے ہو کیا میں نے رب کا پیغام پہنچا دیا؟ صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)، فرمایا اب جو حاضر ہیں وہ غائبین کو پہنچادیں۔ پھر حدیث ذکر کی جو لوگوں کے خون، مال اور آبرو کی حرمت میں ارشاد ہوئی۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور کہا اس کی سند میں بعض مجہول ہیں۔

قلت (میں کہتا ہوں) شواہد میں ہم کو راوی کی جہالت مضر نہیں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں حبیب بن خراش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان آپس میں بھائی ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے۔ بالجملہ اس معنی کی حدیثیں بکثرت وارد ہیں مگر کرامت اور تقوٰی دونوں تشکیک کے ساتھ بولے جاتے ہیں تو جب تقوٰی زیادہ ہوگا کرامت زیادہ ہوگی اور جب تقوٰی کم ہوگا کرامت کم ہوگی، اور تقوٰی میں متساوی کرامت میں متساوی ہوں گے جیسے کہ عصیان سبب ذلت کا، تو ذلت عصیان کی زیادتی سے زیادہ اور اس کی کمی سے کم ہوتی ہے اور یونہی جب یہ بات ثابت ہے تو ہمارے قول "کل اکرم اتقٰی" کے معنی کی تحلیل تین قضیوں کی طرف ہوگی ان کا ایک تو یہی ہے اور دوسرا

ع ای فی اصل قضیة المجازاة اما تدارك الرحمة ففضل الٰهی یختص به من یشاء کما اسلفنا تحقیقه ۱۲ منه غفرله۔

یعنی اصل مقتضائے مجازات میں رہا تدارک رحمت تو یہ فضل الٰہی ہے اللہ تبارک وتعالٰی جسے چاہے اس کے ساتھ مخصوص فرماتا ہے، جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق گزشتہ میں کی ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] الترغیب والترہیب من احتقار المسلم وانہ لافضل لاحد الخ حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲ تا ۶۱۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۳۵۴۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۴/ ۲۵

والثالث كل متساويين فيهما
متساويان فيه والآية الثانية
ايضا تنحل الى ثلث مقدمات
"ابوبكر اتقى الكل" وهو
المنطوق ولايزيد عليه احد في التقوى و
لايساويه احد فيه و
عند هذا ليسهل عليك دفع الاشكال
ونظم الاشكال لقطع الاحتمال والحمد
لله المهيمن المتعال هذا ما
الهمنا المولى تبارك وتعالى بمنيع
فضله ورفيع كرمه ومنحنا
من عظام الائه وحسان نعمه
في تقرير دليل اهل السنة والجماعة
ودفع شبهات (اهل) البطالة
والخلاعة وارجوا ان تكون عامة ما
في تلك الخيام من عرائس بيض تجلوا
الظلام وبسائم تكشر عن برد
الغمام اكون انا ابا عذرتها وماذون
الدخول في حجرتها وكان قال الاول
ليس على الله بمستنكر ان يجمع العالم
في واحد، فقلت انا قد قدر الله فلا
تنكر ان لحق العاجز بالقادر، كيف وقد
فاز بافضاله ال، كل فما ظنك
بالقادري۔

یہ ہے کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنہ
فی التقویٰ (عزت میں دوسرے سے کمتر اس سے
تقویٰ میں کمتر ہے) اور تیسرا کل متساویین فیہما
متساویان فیہ (ہر دو شخص جو تقویٰ میں برابر ہیں وہ
عزت میں برابر ہیں) اور اس صورت میں تمہیں
اشکال کا دفع کرنا قطع احتمال کے سبب آسان
ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لئے جو نگہبان و
برتر ہے ———— یہ وہ ہے جو
جو ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے الہام فرمایا اپنے
فضلِ عظیم اور کرمِ رفیع سے، اور بخشا ہمیں اپنے
عظیم احسانوں سے اور حسین نعمتوں سے اہلسنت
وجماعت کی دلیل کی تقریر میں تائید اور اہل بطالت
ضلالت کے شبہات کے دفع کرنے کے لئے،
اور میں امید کرتا ہوں کہ ان خیموں میں جو خوبصورت
دلہنیں ہیں وہ اندھیروں کو دور کریں اور مسکراتی
صورتیں جو بارش کے اولے دکھائیں ان میں سے
اکثر کا میں ہی صاحب ہوں، اور ان کے حجرے
میں دخول کا مجاز ہوں، اور مجھ سے پہلے نے کہا
تھا کہ اللہ پر مستبعد نہیں کہ عالم کو ایک میں
جمع کردے، تو میں نے کہا بے شک اللہ نے
مقدر کیا تو اس کا انکار نہ کرنا کہ اللہ نے عاجز کو
قادر سے ملحق کردیا، کیوں نہ ہو حالانکہ اللہ کے
فضل سے سب بہرہ مند ہیں تو تیرا کیا گمان ہے
قادری کے ساتھ۔

خاتمہ: رزقنا اللہ تعالیٰ حسنہا امین۔ فان **قلت** لقد تفضل اللہ علیک یا وضیع القدر فنطقت بکلمات بلغن قاموس البحر فماذا تأمرنی فی المسئلۃ اقطع بتفضیل الصدیق نظرا الی ھذا الاستدلال مع ما فی الاٰیۃ من تاویل واحتمال اذ ذھب ذاھبون الی ان الاتقی بمعنی التقی وان زیفت قولھم بتحقیق نقی۔

قلت نعم اقطع ولا تبال بما قیل او ما یقال اذ قاطعان لا یأتیان قط الا بقطع وقد سمعت ان الصدیق ھو المراد بالاتقی باجماع الامۃ قاطبۃ ولم ینقل فی ذٰلک شذوذ شاذ فکان قطعیا والاٰیۃ الاُخریٰ نص فی المرام لاشک اما ما ذکرت من حدیث من ذھب الی ما ذھب فقد سمعت ان الاٰیۃ لامساغ فیھا للتاویل واحتمال بلا دلیل لا ینزل التنزیل عن درجۃ برھان قاطع جلیل الاتری ان کل نص یحتمل التاویل ومع ذٰلک ھو قطعی قطعاً کما صرح بہ ائمۃ الاصول۔

خاتمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں حسنِ خاتمہ نصیب کرے، اب اگر تم کہو بے شک اللہ نے اے کمترین! تیرے اوپر احسان فرمایا تو تُو نے وہ کلمات بولے جو سمندر کی گہرائیوں میں پہنچ گئے اب مجھے اس مسئلہ میں کیا حکم دیتا ہے آیا میں فضیلتِ صدیق کا یقین لاؤں اس استدلال پر نظر کرتے ہوئے باوجودیکہ اس آیت میں تاویل و احتمال ہے اس لئے کہ جانے والے اس طرف گئے کہ اتقی بمعنی تقی ہے اگرچہ تُو نے ان کا قول سُتھری تحقیق سے غلط ثابت کردیا۔

قلت (میں کہتا ہوں) ہاں یقین کر اور قیل وقال کی پرواہ نہ کر، اس لئے کہ دو قطعی نتیجہ نہیں دیتے مگر قطعی کا، اور تم سُن چکے کہ صدیق ہی مراد ہیں اتقی سے ساری امت کے اجماع کے بموجب، اور اس میں کسی نادر کی رائے شاذ بھی منقول نہیں، تو یہ اجماع قطعی ہوا، اور دُوسری آیت مدعا میں نص ہے جس میں کوئی شک نہیں، رہی وہ بات جو تم نے اس رائے کی کہی جس کی طرف جانے والے گئے، تو تم سُن چکے کہ آیت میں تاویل کی گنجائش نہیں اور احتمال بے دلیل تنزیل کو برہان قاطع جلیل کے درجے سے نازل نہیں کرتا کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر نص تاویل کی محتمل ہے اور وہ اس کے باوجود یقیناً قطعی ہے جیسا کہ ائمہ اصول نے اس کی تصریح کی۔

و تحقیق المقام علی ما الہمنی الملک العلام ان العلم القطعی یستعمل فی معنیین ؛

احدھما قطع الاحتمال علی وجہ الاستیصال بحیث لا یبقی منہ خبر ولا اثر ھذا ھو الاخص الاعلیٰ کما فی المحکم والمتواتر وھو المطلوب فی اصول الدین فلا یکتفی فیھا بالنص المشھور ۔

والثانی ان لا یکون ھناک احتمال ناشئ من دلیل وان کان نفس الاحتمال باقیاً کالتجوز والتخصیص وسائر انحاء التاویل کما فی الظواھر والنصوص والاحادیث المشھورۃ والاول یسمی علم الیقین ومخالفہ کافر علی الاختلاف فی الاطلاق کما ھو مذھب فقہاء الآفاق والتخصیص بضروریات الدین کما ھو مشرب العلماء المتکلمین ، والثانی علم الطمانیۃ ومخالفہ مبتدع ضال ولا مجال الی اکفارہ کمسئلۃ وزن الاعمال یوم القیمۃ قال تعالیٰ "والوزن یومئذ الحق"[1] و یحتمل النقد احتمالاً لا اصارف

اور مقام کی تحقیق اس طور پر جو مجھے اللہ ملک العلام نے الہام کیا ہے کہ علم قطعی دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے ؛

ایک تو یہ کہ احتمال جڑ سے منقطع ہوجائے بایں طور کہ اس کی کوئی خبر یا اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے اور یہ اخص اعلیٰ ہے جیسا کہ محکم اور متواتر میں ہوتا ہے ۔ اور اصولِ دین میں یہی مطلوب ہے، تو اس میں نصِ مشہور پر کفایت نہیں ہوتی ۔

دوسرا یہ کہ اس جگہ ایسا احتمال نہ ہو جو دلیل سے ناشی ہو اگرچہ نفسِ احتمال باقی ہو جیسے کہ مجاز اور تخصیص اور باقی وجوہِ تاویل، جیسا کہ ظواہر اور نصوص اور احادیثِ مشہورہ میں ہے ۔ اور پہلی قسم کا نام علم یقین ہے اور اس کا مخالف کافر ہے علماء میں اختلاف کے بموجب مطلقاً، جیسا کہ فقہائے آفاق کا مذہب ہے، یا ضروریاتِ دین کی قید کے ساتھ یہ حکم مخصوص ہے جیسا کہ علمائے متکلمین کا مشرب ہے ۔ اور دوسرے کا نام علم طمانیت ہے، اور اس کا مخالف بدعتی وگمراہ ہے، اور اس کو کافر کہنے کی مجال نہیں، جیسے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے کا مسئلہ ۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے " اور قیامت کے دن تول ہونا برحق ہے" اور یہ آیت نقد (پرکھ) کا ایسا احتمال رکھتی ہے

[1] القرآن الکریم ۷/۸

اليه ولا دليل اصلا عليه فيكون
كقولك "وزنته بميزان العقل"
وهو رائج فى العجم ايضا تقول
"سخن سنج" اى ناقد الكلام، و
مسئلة رؤية الوجه الكريم
للمؤمنين، رزقنا المولى بفضله
العميم، قال تعالى "وجوه يومئذ
ناضرة الى ربها ناظرة"ع و يحتمل
احتمالا كذلك ارادة الامل و
الرجاء وهو ايضا مما توافقت
عليه العرب والعجم تقول
"دست نگر من ست" اى يرجو
عطائى ويحتاج الى نوالى
وهكذا مسئلة الاسراء الى
السمٰوٰت العلى والشفاعة الكبرٰى
للسيد المصطفٰى عليه افضل التحية
والثناء فكل ذٰلك ثابت بنصوص
قواطع بالمعنى الثانى، ولذا لا نقول
باكفار المعتزلة والروافض الاولين
المأولين، وهٰكذا الظن له معنيان اذ
مقابل الاعم اخص والاعم اخص كما لايخفى،
اذا عرفت هذا فمسئلتنا هذه ان
اريد فيها القطع بالمعنى الاخص فهذا

جس کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز نہیں اور نہ اصلاً
اس پر کوئی دلیل ہے۔ اب آیت کا معنیٰ تمہارے
قول "میں نے اس کو میزانِ عقل سے تولا" کے
مثل ہوگا، اور یہ عجم میں رائج ہے، تم کہتے ہو
"سخن سنج" یعنی کلام کو پرکھنے والا، اور مومنین
کے لئے اللہ تبارک وتعالٰی کے دیدار کا مسئلہ،
مولائے کریم اپنے فضلِ عظیم سے نصیب فرمائے۔
اللہ تعالٰی نے فرمایا: "کچھ منہ اس دن تروتازہ
ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے" احتمال رکھتا ہے
اسی طرح اُمید ورجاء کے ارادے کا، اور
یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن پر اب عرب و
عجم سب متفق ہیں، تم کہتے ہو: "دستِ نگر من
ست" یعنی میری عطا کی امید رکھتا ہے اور میری
بخشش کا محتاج ہے۔ اور اسی طرح آسمانوں
کی سیر اور شفاعتِ کبرٰی محمد مصطفٰے صلے اللہ تعالٰے
علیہ وسلم کے لئے کہ یہ تمام باتیں دوسرے معنیٰ
پر نصوصِ قطعی سے ثابت ہیں، اور اسی لئے ہم
تاویل کرنے کے سبب معتزلہ اور اگلے روافض
کی تکفیر نہیں کرتے، اور اسی طرح ظن کے دو
معنی ہیں اس لئے کہ اعم کا مقابل اخص ہے
اور اعم اخص ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں،
جب تم نے یہ جان لیا تو ہمارا یہ مسئلہ اگر اس
میں قطعی بالمعنی الاخص مراد لیا جائے تو یہ

؎ القرآن الکریم ۷۵/ ۲۲ و ۲۳

جبل وعر صعب المرتقى اذ ما ورد
فيها فاما نص اوظاهر وكلاهما
يقبلان التاويل ولو قبولاً ضعيفاً بعيداً
او ابعد اضعف مايكون كالاتقى فيما
نحن فيه يحتمل التجوز بالبالغ في
التقوى والخير والافضل في الاحاديث
يحتمل تقدير من كقول القائل
"فلان اعقل الناس" وما جاء من
الاحاديث مفسّراً محكماً فاحاد تطرق
اليها الاحتمال من قبل النقل لكننا
مالنا ولهذا القطع، اذ لا نقول
باكفار المفضلة ومعاذ الله ان
نقول اما الابتداع فيثبت بخلاف
القطع بالمعنى الثاني وهو
حاصل لا شك فيه لا يسوغ انكاره
الا لغافل او متغافل فقد تظافرت
عليه النصوص تظافرا جليا
وبلغت الاخبار تواتراً
معنويا والاحتمالات الركيكة
السخيفة الناشية من
غير دليل لا تقدح في
القطع بهذا المعنى كما
صرحت به علماء الاصول
وزادنا نوراً الى نور ورشاداً الى
رشاد اجماع الصحابة الكرام و

پہاڑ ہے سخت دشوار گزار چڑھائی والا، اس لئے
کہ اس میں جو کچھ وارد ہوا ہے یا تو نص ہے یا
ظاہر ہے اور دونوں تاویل کو قبول کرتے ہیں
اگرچہ ضعیف بعید یا بہت زیادہ ابعد اضعف
سہی، جیسے کہ ہمارے اسی مسئلہ میں جس میں
ہمیں بحث ہے جیسے کہ اتقی، تقویٰ اور خیر میں
بالغیت کے معنی مجازی کا احتمال رکھتا ہے اور
احادیث میں لفظ افضل کے مقدر ہونے کا احتمال
رکھتا ہے جیسے کوئی کہے "فلان اعقل الناس"
(فلاں شخص لوگوں سے زیادہ عاقل ہے) اور جو
احادیث مفسّر محکم آئیں تو وہ خبر واحد ہیں جن میں
روایت کی طرف سے احتمال راہ پاتا ہے لیکن
ہمیں اس طرز کے قطعی سے کیا کام، اس لئے کہ
ہم تفضیلیوں کے کافر ہونے کا قول نہیں کرتے
اور اللہ کی پناہ ہو کہ ہم یہ قول کریں، لیکن ان کا
بدعتی ہونا وہ تو ثابت ہے برخلاف قطعی بمعنی دیگر
تو وہ بلاشک حاصل ہے جس کا انکار سوائے
غافل یا غافل بننے والے کے کسی کو نہ بن پڑے گا
اس لئے کہ اس پر واضح کثرت کے ساتھ نصوص
آئیں اور احادیث تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئیں اور
رکیک کمزور احتمالات جو کسی دلیل سے ناشی نہیں
ہوتے اس معنی پر قطعی میں اثر انداز نہ ہوں گے،
جیسا کہ علمائے اصول نے اس کی تصریح کی ہے
اور ہمارے لئے نور پر نور بڑھایا اور
ہدایت کے اوپر ہم کو ہدایت کی صحابہ کرام اور

التابعین العظام کما نقله جمهور الائمة
الاعلام، منهم سیدنا عبد الله بن عمر
وابوهریرة من الصحابة ومیمون بن مهران
من التابعین والامام الشافعی من الاتباع
وغیرهم من لا یحصون لکثرتهم ، و
حکایة ابن عبد البر لا معقولة فی الدرایة
ولا مقبولة فی الروایة کما حققناه فی
مطلع القمرین مع ما ارشدنا القرآن
العظیم واحادیث المصطفیٰ الکریم علیه
افضل الصلوٰة والتسلیم الیٰ دلائل
جمة تؤخذ منها بالاستنباط ووفق لها
هذا الفقیر الضعیف کما عقدنا لها الباب
الثانی من الکتاب الکبیر فلولا الا واحد
من هذه لشفی وکفی ودفع کل
ریب ونفی فکیف اذا کثرت وجلت
وعقدت وحلت ورعدت و
برقت واضاءت واشرقت
فلا وربك لم یبق للشك محل
ولا للریب مدخل والحمد لله
الاعلی الاجل ، اما قول
من قال انا وجدنا النصوص
متعارضة فهذا اخبار عن نفسه
فکیف یحتج به علی من نظر وابصر
ونقد واختبر فقتلها خبرا واحاط
بما لدیها علما علی

تابعین عظام کے اجماع نے جیسا کہ اس کو نقل کیا ہے
جمہور ائمہ اعلام نے، ان میں عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ
صحابہ میں سے، اور میمون ابن مہران تابعین میں سے
اور امام شافعی تبع تابعین میں سے، اور ان کے
سوا جن کی گنتی نہیں بوجہ ان کی کثرت کے، اور
ابن عبد البر کی حکایت نہ تو از راہِ درایت معقول ہے
اور نہ روایۃً مقبول ہے، جیسا کہ ہم نے اسکی تحقیق
کی ہے مطلع القمرین میں مع ان دلائل کثیرہ کے جن
کی طرف ہماری رہنمائی قرآن عظیم اور احادیثِ مصطفیٰ
کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے کی۔ یہ دلائل
قرآن وحدیث سے استنباط کے ذریعہ ماخوذ
ہیں اور ان کے لئے اس فقیر ناتواں کو توفیق ہوئی
جیسا کہ ہم نے اس کے لئے اپنی کتاب کبیر کا
باب دوئم باندھا ہے تو اگر ان دلائل میں سے
نہ ہوتی مگر ایک دلیل تو وہ بھی شافی وکافی ہوتی اور
ہر شک کی دافع ونافی ہوتی تو کیا گمان ہے جبکہ یہ
دلائل کثیر وجلیل ہوں اور دین کی گرہیں باندھیں اور
شبہوں کی رسیاں کھولیں اور گرجیں اور چمکیں اور
روشن اور بلند ہوں تو تیرے رب کی قسم شک کا
محل باقی رہا نہ شبہہ کا مدخل، والحمد للہ الاعلی الاجل،
رہی اس کی بات جس نے کہا ہم نے نصوص کو متعارض
پایا تو یہ اس کی اپنی حالت کی خبر ہے، تو وہ کیسے
حجت لاتا ہے اس سے اس پر جس نے دیکھا اور
غور کیا اور جانچا اور پرکھا تو نصوص کو خوب پرکھ کے
جان لیا اور ان کے پاس جو علم ہے اس کا احاطہ

انه ان اراد التعارض الصوری وقد
یطلق علیه ایضاً کقول الاصولیین
یقدم المحکم علی المفسر والمفسر
علی النص والنص علی الظاهر عند
التعارض مع انه لاتعارض لضعیف مع
قوی فهٰذا لایضرنا ولاینفعه وان اراد
الحقیقی اعنی تزاحم الحجتین علی
حد سواء فنقول معنا ناش عن
غفول وعلی قائله اومن یمشی
بمشیه ان ینور دعواه ببینة
مبینة وانّٰی لهم ذٰلک ولیت
شعری الام یودی ضیق
العطن اذا رأی احادیث
لاتخیروا بین الانبیاء[1]، ولا
تفضلونی علٰی یونس بن
متّٰی[2]، وافضل الانبیاء اٰدم[3]،
وذاک (ای) خیر البریة ابراهیم[4]، ایقول
بتعارض النصوص فی تفضیل المصطفٰی

کیا، علاوہ بریں یہ کہ اگر اس نے تعارض صوری
مراد لیا اور کبھی تعارض کا اطلاق اس پر بھی آتا ہے
جیسے اصولی کہتے ہیں کہ محکم کو مفسر پر اور مفسر کو نص
اور نص کو ظاہر پر تعارض کے وقت مقدم
کیا جائے گا حالانکہ بلاشبہہ ضعیف کا قوی کے
ساتھ اصلاً تعارض نہیں ہوتا تو یہ ہم کو نقصان
نہ دے گا نہ اس کو فائدہ دے گا، اور اگر
اس نے تعارض حقیقی مراد لیا یعنی دو دلیلوں کا
برابری کی حد پر ایک دوسرے کے مزاحم ہونا تو
ہم کہیں گے یہ معنی غفلت سے ناشی ہے اور
اس کے قائل پر یا جو اس کے طریقے پر چلے لازم ہے
کہ اپنے دعوٰی کو روشن دلیل سے منور کرے اور
ان کو یہ کیونکر بن پڑے گا، اور کاش میں سمجھتا کہ
بندش کی تنگی کا انجام کیا ہوگا جبکہ وہ یہ حدیثیں
دیکھے کہ انبیاء میں باہم ایک دوسرے کو فضیلت
نہ دو اور مجھے یونس ابن متی پر فضیلت مت دو، اور
آدم افضل انبیاء ہیں، اور ابراہیم خلق میں سب
سے بہتر ہیں، کیا وہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] صحیح البخاری کتاب الخصومات باب مایذکر فی الاشخاص قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲۵
صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل موسٰی علیہ السلام " " " ۲/۲۶۸
[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب قواعد العقائد "الاصل السابع" دار الفکر بیروت ۲/۱۰۵
[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۳۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/۱۶۰
[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراہیم علیہ السلام " " " ۲/۲۶۵

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی العالمین جمیعا ام یرجع الیٰ نفسہ فیدری ان التعارض شیٔ ومجرد وجود النفی و الاثبات شیٔ اٰخر، وبھذا التحقیق البدیع الانیق الذی خصنا بہ المولیٰ تبارك وتعالیٰ امکن لنا التوفیق بین کلمات الائمۃ الکرام، فمن قال بالقطع ونفی الظن فانما اراد القطع بالمعنی الاعم والظن بالمعنی الاخص وھو حق لامریۃ فیہ ومن عکس فقد عکس وھو صدق لاغبار علیہ، فان تخالج فی صدرك ان المسئلۃ من الاعتقادیات فکیف اکتفیتم بالقطع بالمعنی الثانی۔

قلت ھذا اشد ورودًا علی القائلین بالظن ان ارادوا الظن بالمعنی الاخص والحل ان المسئلۃ لیست من اصول الاسلام حتی یکفر جاحدھا کمسئلۃ امامۃ الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین وبھذا المثال ینقطع قلب من قال من بطلۃ الزمان انھا اذا لم تکن من الاصول کما صرح بہ السید الشریف فی شرح المواقف[1]

کی سب جہاں پر فضیلت میں تعارضِ نصوص کو مانے گا یا اپنے نفس کی طرف لوٹے گا تو سمجھے گا کہ تعارض ایک شَے ہے اور مجرد وجود نفی واثبات دوسری شے ہے اور اس تحقیقِ انیق و بے نظیر سے جو خاص اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو عنایت کی ہم کو ائمہ کرام کے کلمات میں مطابقت ممکن ہے تو جس نے اس مسئلہ کو قطعی کہا اور ظن کی نفی کی تو اس نے قطعی بالمعنی الاعم ہی کو مراد لیا اور ظن بالمعنی الاخص، اور حق یہ ہے جس میں کوئی شُبہہ نہیں اور جس نے عکس کیا تو اس نے عکس کیا اور وُہ سچ ہے جس پر کوئی غبار نہیں اب اگر تمھارے سینے میں یہ خلش ہو کہ یہ مسئلہ تو اعتقادیات سے ہے تو تم نے معنی ثانی میں قطعی پر کیسے اکتفا کرلیا۔

قلت (میں کہتا ہُوں) یہ اعتراض ان لوگوں پر جو ظنی کے قائل ہیں زیادہ سختی کے ساتھ وارد ہوتا ہے جبکہ وُہ ظن بالمعنی الاخص مراد لیں، اور اس کا حل یہ ہے کہ یہ مسئلہ اصولِ اسلام سے نہیں ہے کہ اس کا منکر کافر ٹھہرے، جیسے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی خلافت کا مسئلہ، اور اس مثال سے اس کا دل ٹکڑے ہوجائے گا جو اس زمانے کے اہلِ باطل میں سے کہتا ہے کہ جب یہ مسئلہ اصول میں سے نہیں جیسا کہ سید شریف نے شرح مواقف

[1] شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامۃ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/۳۴۴ تا ۴۰۱

وغیرہ من المتکلمین الفحول وکذا
قد شهد علی نفسه بالریاسة
الکبرٰی فی مناصب الجهل والسفاهة
من قال اذ لم تکن قطعیة قلنا ان
نطوی الکشح عن تسلیمها قل لهم
اترکوا الواجبات باسرها ثم انظروا
ما یأتیکم من وعید الشریعة وتأثیمها
واذ قد علمت ان هذا التحقیق یرفع
الخلاف ویورث التطبیق فعلیك به
اتفقت الاقوال او اختلفت اذ کلمة
جامعة خیر من آراء متدافعة
فان رأیت شیئا من کلمات
المتاخرین تابی هذا النور المبین
فاعلموا ان تخطیة هذا البعض
خیر من تخطیة احد الفریقین
من ائمة الدین، لاسیما القائلین
بالقطع فهم العمد الکبار للدین
الحنیف وبهم تشید ارکان الشرع
المنیف، فمنهم من هو اولهم واولٰهم
سیدهم ومولٰهم واکثرهم للتفضیل
تفصیلا واشدهم علی المخالف تنکیلا
سیدنا المرتضٰی اسد اللہ العلی الاعلی
کرم اللہ تعالٰی وجهه
الکریم اذ قد تواتر عنه فی
ایام امامته وکرسی زعامته

میں اور دوسرے علماء متکلمین نے اس کی تصریح
کی اور یونہی مناسب جہل وحماقت میں اپنی زعامتِ
کبریٰ پر گواہی دی اس نے جس نے یہ کہا کہ جب
یہ مسئلہ قطعی نہیں ہے تو ہمیں اختیار ہے کہ ہم
اسے تسلیم کرنے سے پہلو تہی کریں ان سے کہو
سارے واجبات کو چھوڑ دو پھر دیکھو کہ تمھارے
پاس شریعت کی کیسی وعید اور تمھارے گنہ گار
ہونے کی تہدید آتی ہے جب تم نے جان لیا کہ
یہ تحقیق خلاف کو اٹھاتی اور کلماتِ علماء میں
مطابقت پیدا کرتی ہے تو تم اس کو لازم
پکڑو اقوال متفق ہوں یا مختلف اس لئے کہ
ایک جامع بات باہم ٹکراتی باتوں سے بہتر ہے
تو اگر تم دیکھو کلماتِ متاخرین میں کوئی عبارت
اس نورِ مبین سے ابا کرتی ہے تو جان لو کہ اس بعض کو خاطی
جاننا بہتر ہے اس سے کہ ائمہ دین میں کسی فریق کو خاطی ٹھہرایا جائے
خصوصاً وہ ائمہ کرام جو اس مسئلہ کو قطعی کہتے ہیں
اس لئے کہ وہی دینِ حنیف کے بڑے ستون
ہیں اور انھیں سے شرع بلند و برتر کے ستون
قائم ہیں، تو ان میں سے ایک وہ ہیں جو سب سے
اول و اولیٰ اور ان سب کے سید و مولیٰ اور
مسئلہ تفضیل کو سب سے زیادہ بیان
کرنے والے اور مخالفین کو سخت سزا کا
خوف دلانے والے سیدنا علی مرتضیٰ اللہ بلند و
بالا کے شیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اس لئے
کہ ان کے ایامِ خلافت اور کرسیِ زعامت میں

تفضيل الشيخين على نفسه وعلى سائر الامة، ورمى بها بين اكتاف الناس وظهورهم حتى جلى ظلام شكوك مدلهمة، روى الدارقطني عنه رضي الله تعالى عنه قال لا اجد احدا فضلني على ابي بكر وعمر الا جلدته حد المفتري[1]۔

ان کا شیخین ابوبکر و عمر کو خود پر اور تمام امت پر فضیلت دینا تواتر سے ثابت ہوا اس کو لوگوں کے کندھوں اور پشتوں پر مارا یعنی اس مسئلہ کو لوگوں کے سامنے اور ان کے پیچھے خوب روشن کیا یہاں تک کہ تیرہ و تار شبہات کی اندھیری کو دُور کردیا۔ دارقطنی نے اسی جناب سے روایت کیا فرمایا میں کسی کو نہ پاؤں گا جو مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دے مگر یہ کہ میں اس کو مفتری کی حد ماروں گا۔

وقد كان رضي الله تعالى عنه يبوح بهذا في المجامع الشاملة والمحافل الحافلة والمساجد الجامعة وفيهم من فيهم من الصحابة والتابعين لهم باحسان، ثم لم ينقل عن احد منهم انه رد قوله هذا ولقد كانوا اتقى لله تعالى من ان يسكتوا عن حق او يقروا على خطأ وهم الذين وصف الله سبحنه وتعالى في القرآن العظيم بانهم خير امة اخرجت

اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام مجمعوں میں اور بھری محفلوں میں اور جامع مسجدوں میں اس بات کا اعلان فرماتے تھے اور لوگوں میں صحابہ اور تابعین کرام موجود ہوتے تھے پھر ان میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس قول کو رَد کیا ہو اور بے شک وہ اللہ تعالےٰ سے بہت ڈرنے والے تھے اور اس بات سے دُور تھے کہ حق بتانے سے خاموش رہیں یا کسی خطا کو مقرر رکھیں حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تبارک و تعالےٰ نے قرآن عظیم میں یوں بیان فرمایا" تم بہترین اُمت ہیں جو لوگوں کے لئے ہیج
(باقی حاشیہ صفحہ)

---

[1] الصواعق المحرقہ بحوالہ الدارقطنی الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۹۱

قال سلطان الشان ابو عبد الله الذهبی حدیث صحیح۔

اس فن کے سلطان حضرت ابوعبداللہ ذہبی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

قلت انظر الی ھذا الوعید الشدید افتراہ معاذ اللہ مجترأ علی اللہ تعالیٰ فی اجراء الحدود مع تعارض الظنون وھو الراوی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ادرؤا الحدود[1] اخرجہ عنہ الدارقطنی والبیہقی وقد قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان وجدتم

قلت (میں کہتا ہوں) اس وعید شدید کو دیکھو تو کیا تم حضرت علی کو گمان کرو گے پناہ بخدا اللہ تبارک وتعالیٰ پر جرأت کرنیوالا حدود کو جاری کرنے میں باوجود گمانوں کے تعارض کے حالانکہ وہی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ فرمایا حدود کو دفع کرو مولیٰ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بیہقی ودارقطنی نے روایت کیا اور فرمایا حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے "مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو جب تک تم کو استطاعت ہے، تو اگر تم مسلمان کے لئے کوئی راہِ خلاص پاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر[2]، وائمتھم الکرام کانوا اتقی ومنھم احرص علی الرشد والصواب وقد کانوا یحثون العلماء علی ابانۃ الحق ان اخطاء وتقویم الاودان مالوا۔

بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔" اور اس گروہ کے ائمہ کرام ان سے زیادہ متقی اور ہدایت وصواب پر ان سے زیادہ حریص تھے اور علماء کو حق ظاہر کرنے پر اکساتے تھے اگر ان سے خطا ہو اور کجی کو درست کرنے کی ترغیب دیتے تھے اگر وہ منحرف ہوں۔

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الحدود والدیات حدیث ۳۰۹۲/۹ دار المعرفۃ بیروت ۳/۶
سنن الکبریٰ کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبہات دار صادر بیروت ۸/۲۳۸
[2] القرآن الکریم ۳/۱۱۰

للمسلم مخرجاً فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئ في العفو خير من ان يخطئ في العقوبة رواه ابن ابي شيبة والترمذی[1] والحاكم والبيهقي عن ام المومنين الصديقة رضي الله تعالٰى عنها ومنهم ميمون ابن مهران من فقهاء التابعين سئل ابوبكر وعمر افضل ام علي؟ فقفت شعره وارتعدت فرائصه حتى سقطت عصاه من يده وقال ماكنت اظن ان اعيش الى زمان يفضل الناس فيه احداً على ابي بكر وعمر اوكما قال رواه ابو نعيم[2] عن فرات بن السائب، ومنهم عالم المدينة الامام مالك بن انس رضي الله تعالٰى عنه سئل عن افضل الناس بعد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم

تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لئے کہ امام کا درگزر میں خطا کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ عقوبت میں خطا کرے۔" اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، ترمذی، حاکم اور بیہقی نے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ اور انھیں میں سے حضرت میمون ابن مہران ہیں جو کہ فقہائے تابعین سے ہیں ان سے سوال ہوا کہ سیدنا ابوبکر و عمر افضل ہیں یا علی؟ تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور ان کی رگیں پھڑکنے لگیں یہاں تک کہ چھڑی ان کے ہاتھ سے گرگئی اور انھوں نے کہا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک جیوں گا جس میں لوگ ابوبکر و عمر پر کسی کو فضیلت دیں گے۔ یا جیسا انھوں نے فرمایا اس حدیث کو روایت کیا ابونعیم نے فرات بن سائب سے، اور انھیں میں سے عالم مدینہ امام مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل کے بارے میں، تو فرمایا ابوبکر و عمر پھر

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الحدود باب ان وجدتم لمسلم مخرجا الخ دار الفکر بیروت ۴/۳۸۴
جامع الترمذی ابواب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود امین کمپنی دہلی ۱/۱۷۱
السنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبہات دار صادر بیروت ۸/۲۳۸
المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الحدود باب فی درء الحدود بالشبہات حدیث ۲۸۴۹۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/۵۰۸
[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۲۵۱ میمون بن مہران دار الکتاب العربی بیروت ۴/۹۲ و ۹۳

فقال ابوبکر و عمر، ثم قال او فی ذٰلک شک[1]، ومنہم الامام الاعظم الاقدم الاعلم الاکرم سیدنا ابو حنیفۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سئل عن علامات اھل السنۃ فقال ان تفضل الشیخین وتحب الختنین و تمسح علی الخفین[2] ومنہم عالم قریش مالئ طباق الارض علمًا سیدنا الامام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی نقل اجماع الصحابۃ والتابعین علٰی تفضیل الشیخین ولم یحک خلافًا[3] ومنہم امام اھل السنۃ والجماعۃ صاحب الحکمۃ الیمانیۃ سیدنا الامام ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ کما نقل عنہ العلماء الثقات ومنہم الامام الھمام حجۃ الاسلام ذکر فی قواعد عقائد الاماجد وذکر فیہا مسئلۃ التفضیل وقال فی اٰخرھا ان فضل

فرمایا کیا اس میں کوئی شک ہے، اور انھیں میں سے امام اعظم اقدم سب سے زیادہ علم رکھنے والے سب سے زیادہ مکرم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا اہلسنت کی علامات کے بارے میں، تو انھوں نے فرمایا اہلسنت کی پہچان یہ ہے کہ تو شیخین ابوبکر و عمر کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل جانے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں دامادوں سے محبت کرے اور خفین پر مسح کرے، انھیں میں سے عالم قریش زمین کے طباق کو علم سے بھرنے والے سیدنا امام محمد ابن ادریس شافعی مطلبی انھوں نے صحابہ اور تابعین کا فضیلتِ شیخین پر اجماع نقل کیا اور انھیں میں امام اہلسنت و جماعت حکمت یمانیہ سیدنا امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں، جیسا کہ ان سے علمائے ثقات نے نقل کیا اور انھیں میں امام ہمام حجۃ الاسلام (غزالی) انھوں نے قواعد العقائد میں مجد والے ائمہ کے عقائد کو ذکر کیا اور ان عقائد میں مسئلہ تفضیل کو ذکر کیا اور اسکے آخر میں کہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد السابع الفصل الثالث دارالمعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸

[2] تمہید ابی الشکور السالمی الباب الحادی عشر القول السادس دارالعلوم حزب الاحناف لاہور ص ۱۶۵
خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۱

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد السابع الفصل الثالث دارالمعرفۃ بیروت ۷/ ۳۹
تدریب الراوی شرح تقریب النواوی النوع التاسع والثلاثون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۶

الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنہم علی حسب ترتیبہم فی الخلافۃ اذ حقیقۃ الفضل ما ھو فضل عند اللہ عزوجل و ذٰلک لا یطلع علیہ الا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ان یعتقد فضل الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم و ترتیبہم و ان افضل الناس بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالٰی عنہم[1] وان یعتقد والٰی ومنھم الامام جبل الحفظ علامۃ الورٰی سیدنا ابن حجر العسقلانی و الامام العلام احمد بن محمد القسطلانی و المولی الفاضل عبد الباقی الزرقانی و ناظم قصیدۃ بدء الامالی و الفاضل الجلیل مولانا علی القاری وغیرھم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ۔ حدثنا المولٰی الثقۃ الثبت سلالۃ العارفین السید الشریف الفاطمی سیدنا ابو الحسین احمد النوری قال سمعت شیخی و مرشدی سیدنا و مولانا اٰل الرسول الاحمدی قال سمعت الشاہ عبد العزیز الدھلوی یقول تفضیل الشیخین قطعی او کالقطعی ۔

فضیلت خلافت میں ان کی ترتیب کے موافق ہے اس لئے کہ حقیقتِ فضل وہ ہے جو اللہ کے نزدیک فضل ہو اور اس پر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے سوا کسی کو اطلاع نہیں، یا آدمی صحابہ رضوان اللہ علیہم کی فضیلت اور اس میں ترتیب کا اعتقاد کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ نبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور انھیں میں امام حفظ کے پہاڑ علامۂ جہاں سیدنا امام ابن حجر عسقلانی اور امام علام احمد بن محمد قسطلانی اور مولی فاضل عبد الباقی زرقانی اور قصیدہ بدء الامالی کے ناظم اور فاضل جلیل مولانا علی قاری وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰے علیہم اجمعین ہیں - ہم سے حدیث بیان کی مولیٰ ثقہ ثبت سلالۃ العارفین سید شریف فاطمی سیدنا ابو الحسین نوری نے انہوں نے فرمایا میں نے سُنا اپنے شیخ اور مرشد آل رسول احمدی سے انھوں نے فرمایا میں نے سُنا شاہ عبد العزیز دہلوی سے وہ فرماتے تھے شیخین کی فضیلت قطعی ہے یا قطعی جیسی ہے ۔

---

[1] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث مطبعۃ المشھد الحسینی القاھرۃ ۱/۱۱۵

[2] 〃 〃 〃 〃 الفصل الاول 〃 〃 〃 ۱/۹۳

اقول ولك ان تحمل الترديد على التنويع دون التردد، فالمعنى قطعی بالمعنى الثانی وكالقطعی بالمعنى الاول، ومن هٰهنا بان لك ان من قال رأينا المجمعين ايضاً ظانين غير قاطعين فقد صدق ان اراد الظن بالمعنى الاعم والقطع بالمعنى الاخص، ولا يضرنا ولا ينفعه وان عكس فقد غلط وهو محجوج بدلائل لا قبل له بها والله تعالٰى اعلم، هذا جملة القول فی هٰذا المقام وقد اشرنا الى نكت تجلو بها الظلام، اٰما التفصيل فقد فرغنا عنه فی كتاب التفضيل بتوفيق الملك الجليل، و لاحول ولا قوة الا بالله۔

اقول (میں کہتا ہوں) اور تمہیں اختیار ہے کہ تردید کو تقسیم پر محمول کرو نہ کہ تردد پر۔ تو معنی یہ ہے کہ معنی ثانی پر تفضیل شیخین قطعی ہے اور معنی اول پر قطعی جیسی ہے اور یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ جس نے یہ کہا کہ ہم نے اس مسئلہ میں اجماع کرنے والوں کو دیکھا کہ وُہ بھی ظن پر قائم ہیں قطعی فیصلہ نہیں کرتے تو وہ سچا ہے اگر اس نے ظن بالمعنی الاعم مراد لیا اور قطعی بالمعنی الاخص کا قصد کیا' اور یہ کہ ہم کو نقصان وہ نہیں اور اس کو سُود مند نہیں' اور اگر وہ اس کا عکس مراد لے تو اس نے غلط کہا اور اس پر ان دلائل سے حجت قائم ہے جن کے مقابل کی اس کو طاقت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ اس مقام میں یہ مختصر قول ہے اور ہم نے تمہیں اشارہ کیا اُن نکتوں کی طرف جن سے اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ رہی تفصیل تو ہم اس سے فارغ ہوچکے کتاب تفضیل میں اللہ ملک جلیل کی توفیق سے، اور برائی سے پھرنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر اللہ سے۔

لطيفة: قال الامام الرازی فی مفاتيح الغيب سورة والّيل سورة ابی بكر وسورة والضحٰى سورة محمد عليه الصلٰوة والسلام ثم ما جعل بينهما واسطة ليعلم انه لا واسطة بين محمد صلی الله تعالٰی عليه وسلم وابی بكر فان ذكرت الليل اولاً وهو ابو بكر

لطیفہ: فرمایا امام رازی نے مفاتیح الغیب میں کہ سورۃ والّیل ابوبکر کی سورۃ ہے اور سورۃ والضحٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سورت ہے، پھر اللہ تعالٰی نے ان سورتوں کے درمیان واسطہ نہ رکھا تاکہ معلوم ہو کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر کے درمیان کوئی شخص واسطہ نہیں تو اگر تم پہلے واللیل کا ذکر کرو وہ ابوبکر ہیں پھر

ثم صعدت وجدت بعده النهار وهو
محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
وان ذکرت والضحٰی اولاً وهو محمد صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم نزلت وجدت
بعده واللیل وهو ابوبکر لیعلم انہ لا واسطۃ
بینہما[1] انتہی۔

اقول وکان تقدیم واللیل
علیٰ هذا التقدیر لانہا جواب عن
طعن الکفار فی جناب الصدیق والضحٰی
جواب عن طعنہم فی سید المرسلین
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتبرئۃ النبی صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا تستلزم تبرئۃ الصدیق
لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعلیٰ وبراءۃ
الاعلی لا توجب براءۃ الادنیٰ وتبرئۃ الصدیق
رضی اللہ تعالیٰ عنہ یحکم
تبرئۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم بالطریق الاولیٰ اذ
انما بریٔ لانہ عبد بذاک البریٔ
النقی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکان
فی تقدیم واللیل استعجالاً الی الجواب
عن الطعنین معًا ولو اخر لتأخر الجواب
عن طعن الصدیق۔

اقول تسمیۃ سورۃ الصدیق

چڑھو تو اس کے بعد دن کو پاؤ گے تو وہ محمد
صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہیں اور اگر تم پہلے
والضحٰی کا ذکر کرو اور وہ محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
ہیں۔ پھر اترو تو اس کے بعد واللیل کو پاؤ گے
اور وہ ابوبکر ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان دونوں
کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

اقول اور واللیل کی تقدیم اس تقدیر پر اس لئے
ہے کہ وہ جناب صدیق کے بارے میں کفار کے
طعنہ کا جواب ہے اور والضحٰی ان کے طعنہ کا
جواب ہے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے بارے میں، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کی برأت صدیق کی برأت کو مستلزم نہیں
اس لئے کہ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اعلیٰ
ہیں اور اعلیٰ کی برأت ادنیٰ کی برأت کو لازم
نہیں کرتی اور صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی برأت
بدرجۂ اولےٰ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی
برأت کا حکم کرتی ہے اس لئے کہ صدیق رضی اللہ
تعالیٰ عنہ اس لئے بری ہوئے کہ اس بری نقی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام ہیں تو واللیل کی
تقدیم میں ایک ساتھ دونوں طعنوں کے جواب
کی جلدی ہوتی، اور اگر واللیل کو مؤخر کیا جاتا تو
صدیق کے طعنہ کا جواب مؤخر ہوجاتا۔

اقول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۳/ ۱تا۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۹

باللیل وسورة المصطفٰی بالضحٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورضی اللہ تعالٰی عنہ کانہ اشارة الٰی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور الصدیق وھداہ ووسیلة الی اللہ بہ یبتغٰی فضلہ ورضاہ والصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ راحة النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووجہ انسہ وسکونہ واطمینان نفسہ وموضع سرہ ولباس خاصتہ فقد قال تبارک وتعالٰی "وجعلنا الیل لباسا"[1] وقال تعالٰی "وجعل لکم الیل والنہار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون"[2] وتلمیح الٰی ان نظام عالم الدین انما یقوم بھما کما ان نظام عالم الدنیا یقوم بالملوین فلولا النہار لماکان ابصار ولولا اللیل لماحصل قرار، فالحمد للہ العزیز الغفار۔

لطیفة: استنبط القاضی الامام ابوبکر الباقلانی من الاٰیات

تعالٰی عنہ کی سورت کو واللیل کا نام دینا اور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سورت کا نام ضحٰی رکھنا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صدیق کا نور اور ان کی ہدایت اور اللہ کی طرف ان کا وسیلہ جن کے ذریعہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کی جاتی ہے اور صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راحت اور ان کے انس وسکون اور اطمینان نفس کی وجہ ہیں اور ان کے محرم راز اور ان کے خاص معاملات سے وابستہ رہنے والے اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: "اور رات کو پردہ پوش کیا" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "تمہارے لئے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو اور اس لئے کہ تم حق مانو" اور یہ اس بات کی طرف تلمیح ہے کہ دین کا نظام ان دونوں سے قائم ہے جیسے کہ دنیا کا نظام دن رات سے قائم ہے تو اگر دن نہ ہو تو کچھ نظر نہ آئے اور رات نہ ہو تو سکون حاصل نہ ہو، تو اللہ عزیز غفار ہی کے لئے حمد ہے۔

لطیفہ: قاضی امام ابوبکر باقلانی نے اس آیہ کریمہ سے حضرت سیدنا مرتضٰی پر فضیلت

---

[1] القرآن الکریم ۷۸/۱۰

[2] " " ۲۸/۷۳

الكريمة وجها آخر لتفضيل سيدنا
الصديق على سيدنا المرتضى
لقاهما الله تعالى باحسن الرضا،
انبانا السراج عن الجمال
عن السندي عن الفلاني
عن محمد سعيد عن
محمد طاهر عن ابيه ابراهيم
الكردي عن القشاشي عن
الرملي عن الزين زكريا
عن ابن حجر عن مجد الدين
الفيروزآبادي عن الحافظ
سراج الدين القزويني
عن القاضي ابي بكر
التفتازاني عن شرف الدين محمد
بن محمد الهروي عن محمد
بن عمر الرازي قال في
مفاتيح الغيب "ذكر القاضي ابوبكر الباقلاني
في كتاب الامامة فقال آية الواردة في
حق علي كرم الله وجهه الكريم: انما
نطعمكم لوجه الله لا نريد
منكم جزاء ولا شكورا ٥ انا نخاف
من ربنا يوما عبوسا قمطريرا ٥"
والآية الواردة في حق ابي بكر
"الا ابتغاء وجه ربه الاعلى
ولسوف يرضى" فدلت الآيتان

صدیق کی دوسری وجہ استنباط کی، اللہ تبارک و
تعالیٰ دونوں کو اپنی بہترین رضا سے ہمکنار کرے،
ہمیں خبر دی سراج نے، وہ روایت کرتے ہیں
جمال سے، وہ روایت کرتے ہیں سندی سے،
وہ روایت کرتے ہیں محمد سعید سے، وہ روایت
کرتے ہیں محمد طاہر سے، وہ روایت کرتے ہیں
اپنے باپ ابراہیم کردی سے، وہ روایت کرتے
ہیں قشاشی سے، وہ روایت کرتے ہیں رملی
سے، وہ روایت کرتے ہیں زین زکریا سے، وہ
روایت کرتے ہیں ابن حجر سے، وہ روایت
کرتے ہیں مجد الدین فیروز آبادی سے، وہ روایت
کرتے ہیں حافظ سراج الدین قزوینی سے، وہ
روایت کرتے ہیں قاضی ابوبکر تفتازانی سے،
وہ روایت کرتے ہیں شرف الدین محمد بن محمد
الہروی سے، وہ روایت کرتے محمد بن عمر رازی
سے، انھوں نے مفاتیح الغیب میں فرمایا قاضی
ابوبکر باقلانی نے کتاب الامامۃ میں ذکر کیا تو
انھوں نے فرمایا کہ وہ آیت جو علی کرم اللہ وجہہ الکریم
کے حق میں وارد ہے: "ان سے کہتے ہیں ہم تمھیں
خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی
بدلہ یا شکرگزاری نہیں مانگتے بے شک ہمیں
اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو
بہت ترش نہایت سخت ہے۔" اور وہ آیت
جو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں وارد
ہوئی: "صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب

ان کل احد منهما انما فعل ما فعل لوجه الله الا ان آیة علی تدل علی انه فعل ما فعل لوجه الله وللخوف من یوم القیٰمة علیٰ ما قال "انا نخاف من ربنا یومًا عبوسا قمطریرا" واما آیة ابی بکر فانها دلت علی انه فعل ما فعل لمحض وجه الله تعالیٰ من غیر ان یشوبه طمع فیما یرجع الی رغبة فی ثواب او رھبة من عقاب فکان مقام ابی بکر اعلیٰ و اجلّ[1] انتھیٰ۔

اقول والتحقیق ان جملة جلة الصحابة الکرام رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین ارقی فی مراقی الولایة والفناء عن الخلق والبقاء بالحق من کل من دونهم من اکابر الاولیاء العظام کائنین من کانوا وشانهم رضی الله تعالیٰ عنهم ارفع واعلیٰ من ان یقصدوا

سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا" ــــ یہ دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے نیکی اللہ کی خوشنودی کے لئے کی مگر یہ کہ سیدنا علی کے حق میں جو آیت اُتری وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُنھوں نے جو کچھ کیا وُہ اللہ کی خوشنودی اور روزِ قیامت کے ڈر سے کیا اس بناء پر انھوں نے کہا، "بیشک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش اور نہایت سخت ہے" اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اُترنے والی آیت وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ انھوں نے جو کچھ کیا محض اللہ کے لئے کیا بغیر اس کے کہ اس میں کچھ طمع کا شائبہ ہو اس امر میں جو ثواب میں رغبت یا عذاب میں ہیبت کی طرف لوٹتا ہے، تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اعلیٰ اور اجل ہوا انتہیٰ۔

اقول (میں کہتا ہوں) اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلۂ صحابہ کرام مراتبِ ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقا کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاءِ عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں اور ان کی شان ارفع و اعلیٰ ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں، لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹۲/۲۰ و ۲۱ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/۲۰۶

باعمالهم غیر الله سبحٰنه و تعالیٰ لکن لما ارج
متفاوتة والمراتب مترتبة وشیٔ دون شیٔ وفضل
فوق فضل، ومقام الصدیق حیث انتهت
النهایات وانقطعت الغایات اذ هو رضی الله
تعالیٰ عنه کما صرح به امام القوم سیدی
محی الملة والدین ابن عربی قدس الله
تعالیٰ سره الزکی امام الائمة و مالك
الازمة ومقامه فوق الصدیقیة و دون
النبوة التشریعیة ولیس احد بینه و
بین مولاه الاکرم محمد رسول الله صلی
الله تعالیٰ علیه وسلم، وعلی اسم خاتم
الرسالة ختمنا الرسالة، والحمد لله
مولی الجلالة ـه

تم الکتاب علی ثناء الهاشمی
ختم الاله لنا علی اسم الخاتم
سبحٰن ربك رب العزة عما یصفون
وسلٰم علی المرسلین، والحمد
لله رب العٰلمین ـه

ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی
فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق
(رضی اللہ تعالٰے عنہ) کا مقام وہاں ہے
جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہوگئیں
اس لئے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ
امام القوم سیدی محی الدین ابن عربی قدس سرہ
الزکی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا
اور تمام کی لگام تھامنے والے اور ان کا مقام
صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر
ہے ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرم
محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے
درمیان کوئی نہیں، اور خاتم رسالت کے نام ہم
نے اپنا یہ رسالہ تمام کیا اور اللہ کے لئے حمد ہے
جو مالک ہے جلالت کا، کتاب رسول ہاشمی کی
ثنا پر تمام ہوئی اور اللہ ہمارا خاتمہ فرمائے
خاتم النبیین کے نام پر۔ سبحٰن ربك رب العزة
عما یصفون وسلٰم علی المرسلین والحمد
لله رب العٰلمین۔